رجسٹرڈ نمبر ایل (۵۲۶)

اولڈ بوائے

جلد ۳ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء و جنوری ۱۹۱۳ء — نمبر ۴-۵

(ایڈیٹر)

مسٹر شوکت علی بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

شاہی عمارت
باہتمام مولوی رشید احمد صاحب مصدق

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب ایمائے مولوی سید مظہر علی صاحب نغر اور لڈ بوائے سے شائع ہوا

اولڈ بوائے

اس ماہوار رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلبا، مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ کے دلوں میں اُن کے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُسکی ترقی کیلئے ہر طرح کوشاں رہنا۔

۲ اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی دتسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کیطرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا ہی

حسب ذیل قواعد کے پابندی کی درخواست کیجاتی ہی

(۱) جملہ خط کتابت دربارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر "اولڈ بوائے" علیگڈھ آنا چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ" اڈیٹر اولڈ بائے"، علیگڈھ آنا چاہئیں۔ اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈ بوائے" ہر وقت مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولڈ بوائے

اڈریس ٹرسٹیان

بحضور آنریبل سر جیمس اسکارجی میسٹن صاحب بہادر آئی۔ سی۔ ایس۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی
لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ اگرہ و اودھ و پیٹرن مدرستہ العلوم علیگڈھ۔

حضور والا

ہم ٹرسٹیان مدرستہ العلوم علیگڈھ کمال ادب کے ساتھ حضور والا اور لیڈی
مسٹن صاحبہ کی خدمت بابرکت میں نہایت گرم جوشی اور خلوص کے ساتھ خیر مقدم عرض
کرتے ہیں اور اپنے گرانبار عہدہ پر متمکن ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضور والا او
لیڈی میسٹن صاحبہ نے مسلمانان ہند کے اس تعلیمی مرکز کو اپنی تشریف آوری سے ج
افتخار اور اعزاز عطا فرمایا اور ہماری عزت افزائی فرمائی ہم اس کو نہایت خلوص او سچائی

کے ساتھ حضور والا اور لیڈی میسٹن صاحبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

حضور والا! اس کالج کے کارناموں اور تاریخ کا تذکرہ کرنا ایک فعل عبث ہے کیونکہ حضور والا اُس سے پورے طور پر واقف ہیں۔ اگرچہ بحیثیت پیٹرن مدرسۃ العلوم حضور والا اس وقت پہلی مرتبہ تشریف فرما ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کی تعلیم سے عموماً اور اس درسگاہ کی بہبود سے خصوصاً جو دلچسپی حضور والا کو ہے اُس سے ہم لوگ آگاہ ہیں اور اُس کی بدولت مستقبل کے لیے بجائے تاریک اور مشکوک ہونے کے امید افزا تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہو گئی ہیں۔ حضور والا کا ہمارے صوبہ کا افسر اعلیٰ ہونا اُن کمیاب برکات کے حصول کی کافی ضمانت ہے جن کو ہم نے ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے نام اور رعب و داب کے ساتھ وابستہ کرنے کی تعلیم پائی ہے۔ فوری اور آخری نتائج کے لحاظ سے ان برکات میں سے کسی کا مقابلہ تعلیم کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ جو کہ علیگڈھ اور اس کی تحریک کا مقصد گزشتہ چالیس سال سے رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم اس زمانہ میں تعلیم کو اہمیت دیتی ہے، لیکن اس کی قدر و قیمت ایسی قوم کے لیے جو عملاً سب کچھ کھو بیٹھی ہے اور اُس کو دستوری حکومت کی ماتحتی اور ترقی یافتہ اور مقابلہ کرنے والی قوموں کے درمیان سب کچھ از سر نو حاصل کرنا ہے، اندازہ اور قیاس سے بھی بہت زیادہ ہے۔ ہم سر سید احمد خاں بہادر مرحوم کے بے حد مرہون منت ہیں کہ اُنہوں نے ہمارے مرض کی صحیح تشخیص کی اور بالکل ٹھیک نسخہ تجویز کیا۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو یہ خاص نصیحت کی کہ مسلمان اپنی روح اور کیرکٹر کو اُن جھوٹے اور غلط خیالات کی زنجیروں سے آزاد کر لیں جو مذہبی توہمات سوشل تعصب اور دوسرے حیلوں کی صورت سے تمام سچے جذبات اور عظیم الشان خوبیوں کی جڑ کاٹتے ہیں اور ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کی ترقی اور شائستگی میں مانع ہیں۔ یہ مقصد اعلیٰ حقیقی اسلامی تعلیمات، یورپین سائنس و لٹریچر، تہذیب اور زندگی کے عملی طریقوں کی جانب رجوع کرنے سے حاصل ہو سکتا

تھا۔ اسلیے کہ ان سے خصلت انسانی اور سوشل ارتقاء کے صحیح اصول نمایاں ہوتے ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے نونہالان قوم کا کیرکٹر درست ہوتا اور دل و دماغ تر و تازہ ہوتا ہے وہی (سر سید) پہلا شخص تھا جس نے اسکو محسوس کیا اور ہمکو اُس اعلیٰ برکت سے آگاہ کیا جو ہمکو اس لاجواب اور بیش بہا موقعہ پر یعنی مہربان برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ اُس تعلیم اور صرف تعلیم ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی ذات اور ذہانت کی تمام قوتوں سے آخر دم تک حکام برطانیہ کے ساتھ وفادارانہ اور دوستانہ تعلقات قایم رکھنے کے لیے ترغیب اور تحریص دیتے رہے اور ہماری قومی سرگرمی اور وسائل کے بہترین حصہ کو اُس بڑی تعلیمی اسکیم میں مصروف رکھا جو علیگڈھ کے نام سے موسوم ہے اور جس نے جدید ہندوستان کی تاریخ میں نہایت نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس لیے اس ملک میں ہمارا مقدر زیادہ تر اس کی ترقی اور حیثیت سے وابستہ ہے جو کہ ہماری قوم کی سب سے زبردست تعلیمی جدوجہد کا نمونہ ہے اور جو اپنی بنا کے وقت سے قومی ترقی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے دل و دماغ میں نئی زندگی اور روشنی پہونچا رہا ہے۔ اس نے اُن کے روبرو وسیع اور حقیقی معنوں میں تعلیم کا آئیڈیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ترقی کی یقینی شاہراہیں اور اُمید کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ دماغی تربیت، کیرکٹر کی مضبوطی اطوار کی درستگی اور علوم کی اشاعت وہ خاص مقاصد ہیں جو ہر وقت ہمارے پیش نظر ہیں اور جن کو حاصل کرنیکی ہم ہمیشہ کوشش کرتے ہیں۔ جن حضرات نے اس کالج کے کام کی ترقی پر نظر رکھی ہے وہ واقف ہیں کہ ہم ان امور کے حاصل کرنیکے لیے اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن اپنی رائے اور اندازہ میں ہم اُس منزل سے ابھی بہت دور ہیں جو ہماری پیش نظر ہے اور خداوند عالم کے فضل سے کسی نہ کسی دن اُس منزل تک پہونچنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ لیکن ان سب کا انحصار اُس پروگرام کی تکمیل اور کامیابی پر ہے جو اس کالج کے بانیٔ اعظم نے ترتیب دیا تھا اور جو گزشتہ ۴۰ سال سے ہماری کوششوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔

حضور والا! ہر ایک انسٹیٹیوشن کی زندگی اور دوران ترقی میں ایک نازک وقت آتا ہے جس کی بھلائی یا برائی پر اُس کی آیندہ تقدیر منحصر ہوتی ہے یہی نازک وقت آجکل اس کالج کے لیے درپیش ہے اور ہم ٹرسٹیوں کو اُن مسائل سے، جو ایسی ہی پیچیدہ ہیں جیسے کہ وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے اہم ہیں مقابلہ درپیش ہے ایسے ہی موقع پر ہمارا فرض منصبی اور ہمارا نہایت محفوظ راستہ یہ ہے کہ ہم اُس بانی اعظم کے اصولوں کو مضبوطی اور بغیر خطرہ کے قائم رکھیں جس کی دانشمندی اور پیش بینی، موقع اور آزمایش پر کارآمد ثابت ہوئی ہے اسلیے وہ ہماری تمام دقتوں اور آزمایشوں میں ہمارے رہنما کا کام دے گی۔

حضور والا! اس پر کاربند ہونے کے لیے ہم ہر ایک موقع پر اپنی پوری قابلیت صرف کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ علیگڈھ کی تحریک کے اصلی اصولوں کا قایم رکھنا ہماری مقدس امانت ہے جس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض عین ہے لیکن ہم اپنی دقتوں کی وسعت اور ترتیب کو اور اس موقع کے واقعات کو خفیف نہیں سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا بھی زمانہ تھا جبکہ علیگڈھ کی تحریک کے اصول مرتب کئے گئے تھے اور وہ ہمدردانہ آب و ہوا میں سرسبز ہوئے تھے جو کہ ہر سمت سے اُن کو میسر آتی تھی لیکن وہ ہوا اب بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور نئی اسپرٹ اور نئی قوتیں پیدا ہو رہی ہیں جو ہمارے ٹریڈیشن اور آئیڈیل کے قیام میں بہت زیادہ دقتیں پیدا کر رہی ہیں۔ لیکن ہم موجودہ حالت کو اُس تبدیلی کے زمانہ میں جس میں کہ ہم اور باقی ماندہ ہندوستان حیرت انگیز تیزی کے ساتھ گورنمنٹ برطانیہ کی برکات کی بدولت ایک عظیم الشان اور اعلیٰ درجہ کا مستقبل حاصل کرنے کے لیے گذر رہا ہے، محض عارضی تصور کرتے ہیں۔ اور اس موقعہ پر ہم نہایت عاجزی کے ساتھ خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اپنی امانتداری کے محاسبہ میں پورے اُتریں جس کو ہم اس ملک میں اپنی قوم کی نہایت بیش بہا دولت تصور کرتے ہیں ان مسائل کے علاوہ جن کو ہم نے مجملاً عرض کیا ہے وہ معاملہ جس پر ہماری خاص توجہ مبذول ہے اور ہمکو بے حد پریشان کر رہا ہے یہ ہے کہ ہماری قوم کے روز تر

افزوں نوجوان اپنے قومی کالج میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور ہم اس خواہش کے پورا کرنیکے قابل نہیں ہیں۔ اسٹاف کی کمی اور رہایش کی گنجایش نہ ہونے کے باعث اس سال ہمکو ... درخواستیں خارج کرنا پڑیں۔ نہ صرف اس درسگاہ کے بلکہ ساری قوم کے مستقبل کیلئے ہم اسکو نہایت مایوسانہ علامت تصور کرتے ہیں کیونکہ اولاً تو مختلف حصص ہندوستان کے بہت سے ہونہار نوجوان اُس تعلیم اور تربیت کے برکات سے محروم رہتے ہیں جو کہ صرف یہیں حاصل ہوسکتی ہے اور جس کے ذریعہ سے نئی زندگی اور روشنی ہماری قوم کے دور اوفتادہ حصوں میں پہونچتی ہے دوسرے ہم اپنے اُن قدیم دوستوں کی ہمدردی اور امداد سے محروم ہوتے جاتے ہیں جو اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے ہر سال داخل نہ کئے جانے پر مایوس ہوکر ہم سے ناراض ہوتے جاتے ہیں۔ اس وقت کا صرف یہ دفیعہ ہو کہ رہایش کا دائرہ وسیع کیا جاوے۔ جہاں تک ہمارے وسائل آمدنی اور حالات اجازت دینگے ہماری خاص کوشش، بہت سے کالجوں کو یہاں کھولنے اور اُن کے لیے کافی اسٹاف وغیرہ مہیا کرنے کے لیے ہوگی۔ ان ہی طریقوں پر ہمارے کام کی آیندہ توسیع ہوگی۔ اب وقت آپہونچا ہے اور ہم اس سمت بسم اللہ کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن ان سب باتوں کے لیے کافی سرمایہ کی حاجت ہے جو ہماری سب سے بڑی ضرورت ہو۔

حضور والا! ہم اس موقعہ پر مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ چھیڑنا نہیں چاہتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ ابھی گورنمنٹ آف انڈیا کی زیر تجویز ہے قوم کے قائم مقام آیندہ مہینے میں اس سارے مسئلہ پر غور کرینگے اور اُس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں آخری فیصلہ کے لیے اُسے پیش کرینگے۔ اس مسئلہ کا آخری نتیجہ اور فیصلہ خواہ کچھ ہی کیوں نہو لیکن بحیثیت ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم ہملوگوں کا راستہ صاف ہے۔

ہر ایک صورت میں اپنی قومی تعلیم کی اسکیم کی توسیع اور تکمیل اُس کی مناسب حد تک کیجاوے گی اور یہ کالج حقیقی معنوں میں ایک مکمل درجہ کی قومی مرکزی درسگاہ

بنا دیا جائیگا۔ اور یہ نہایت جلد کیا جاوے گا ورنہ اس کا منشا، فوت ہو جائیگا اور قوم کو جو اعتماد ہے وہ جاتا رہے گا۔ اس لئے ہم اپنے تمام سرپرستوں، محسنوں، اور بہی خواہوں سے اس عظیم الشان کام میں امداد کی خواہش کرتے ہیں، اُمید کرتے ہیں اور مستحق ہیں۔ علاوہ اپنے پریسیڈنٹ جناب نواب صاحب بہادر اور دوسرے چیدہ چیدہ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم و دیگر معطیان کے جن کی تھیلی اپنے کالج کے امداد کے لیے ہر وقت فیاضانہ طور پر کھلی رہتی ہے ہم اپنے چند خاص محسنوں اور سرپرستوں کا تذکرہ اس موقع پر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جن کی فیاضی اور باموقع قیمتی امداد کے بغیر کالج کا اس رتبہ پر پہونچنا جو آج اُسکو حاصل ہے قطعی ناممکن تھا۔ اُن کی شاہانہ اور فیاضانہ مسلسل امداد سے ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہم اُس سب کی تکمیل کرلیں گے جو ہمکو کرنا باقی ہے اور اپنے پروگرام کی منزل مقصود تک پہونچ جائینگے۔ منجملہ بہت سے معاونین کالج کے حسب ذیل معاونین کا درجہ نہایت ممتاز ہے اور ہم اُن کے خاص طور پر ممنون ہیں۔

(۱) برٹش گورنمنٹ، لوکل و امپریل دونوں۔

(۲) ہز ہائنس مرحوم و موجودہ حضور نظام والی حیدرآباد دکن۔

(۳) ہز مجسٹی امیر افغانستان۔

(۴) ہز ہائنس مرحوم و موجودہ والی رامپور۔

(۵) ہز ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال۔

(۶) ہز ہائنس آغا خان بمبئی

(۷) ہز ہائنس مہاراجہ گوالیار۔

(۸) ریاست پٹیالہ۔

(۹) ریاست بہاولپور۔

(۱۰) ریاست خیرپور۔

حضور والا! اگر اجازت ہو تو ہم اپنی ایک اشد ضرورت کو حضور والا کے روبرو پیش کریں اور یہ آراضی کے حاصل کرنے کا سوال ہے جس کی ہمکو کالج کے تھوڑے فاصلہ پر اسکول اور بورڈنگ کی عمارتوں کے لیے سخت ضرورت ہے اور ہم اتنی آراضی لینا چاہتے ہیں کہ ہماری آیندہ توسیع اور پھیلاؤ کے لیے کافی ہو۔ اس کا موقع تجویز کر لیا گیا ہے اور ہمکو اُمید ہے کہ حضور والا بھی اسکو پسند فرمائینگے۔

ہمکو یقین ہے کہ حضور والا یہ سُنکر خوش ہونگے کہ علی گڈہ، ہماری تعلیمی پروگرام کی ایک دوسری تحریک یعنی تعلیم نسواں کا مرکز بنتا جاتا ہے چند سال ہوئے کہ مسلمانوں کی لڑکیوں کی تعلیم کی غرض سے یہاں پر ایک "مدرسہ نسواں" قایم کیا گیا تھا جس کے لیے اب ایک وسیع عمارت تیار ہو رہی ہے جسمیں ۵۰ لڑکیوں کے رہنے کی جگہ ہوگی۔ یہ اسکول رزیڈنشیل سسٹم کے اصولوں پر ہوگا اور ایک یورپین لیڈی سپرنٹنڈنٹ کی زیر نگرانی رہیگا۔ اس اسکول کی عام نگرانی ٹرسٹیان مدرستہ العلوم کے ہاتھ میں ہے اور اس کا معمولی انتظام ایک بااختیار جماعت کے متعلق ہے جس کے ممبر وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کام کی اشاعت میں عملی حصہ لیا ہے اس کے سکرٹری شیخ عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی ہیں جو کہ مدرستہ العلوم کے ٹرسٹی ہیں اور جنہوں نے نہایت سرگرمی سے اس کے قائم ہونیکے خیال کے زمانہ سے کوشش کی ہے اور اسکول کی کامیابی کا زیادہ حصہ شیخ صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس تحریک کو ابتدا ہی سے ہماری روشن خیال اور فیاض طبع ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کی امداد اور سرپرستی حاصل ہوگئی ہے جو اپنی صنف کی فلاح اور تعلیم میں نہایت عمیق دلچسپی لیتی ہیں۔ اس مقام پر ہم یہ بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ریاستہائے بہاولپور، خیرپور اور ٹونک نے بھی اس اسکول کی امداد فیاضانہ طور پر فرمائی ہے۔

آخر میں حضور والا اور لیڈی ہیسٹن صاحبہ نے جو تکلیف آج صبح کو کالج ملاحظہ فرمانے کے لیے گشت کرنے میں برداشت فرمائی اور ہماری معروضات کو تلطف آمیز توجہ اور دلچسپی

کے ساتھ سنے ہیں ظاہر فرمائی ہےاس کا ہم کرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

آپ کا زمانہ حکومت اس صوبہ کے باشندگان کے حق میں عموماً اور ہماری اس درسگاہ کی حق میں خصوصاً باعث نزول برکات ہو ہم اُمید کرتے ہیں کہ حضور والا کو جب کبھی اپنے اعلیٰ ذالیف سے کچھ موقع ملیگا تو اس کالج میں رونق افروز ہو کر ہم ٹرسٹیوں کی دوبارہ عزت افزائی فرمائیں گے۔

ٹرسٹیان مدرستہ العلوم علیگڈہ

مورخہ ۴ دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء

اڈریس کا جواب

یور ہائنس (نواب صاحب والی رامپور) نوابان، راجہ صاحب (راجہ صاحب محمود آباد) و دیگر حاضرین جلسہ! اپنے تئیں علیگڈہ میں پاکر مجکو کچھ معمولی مسرت نہیں ہوئی ہے۔ صوبہ متحدہ میں اپنے کام کے جس حصہ پر میں دوسرے سے زیادہ دلچسپی کے ساتھ نظر ڈالتا ہوں وہ یہی تعلیم کی ترقی ہے۔ اور یہاں یعنی اس مدرستہ العلوم علیگڈہ میں تعلیم کا ایسا عظیم الشان اور نتیجہ خیز تجربہ ہمارے سامنے ہے جس کی صحیح نظیر ہندوستان میں کوئی بھی موجود نہیں ہے اسلیے کئی سال کے بعد علیگڈہ میں دوبارہ آنے سے مجکو بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے پچھلی مرتبہ جب میں یہاں آیا تھا تو مسٹر بیک کا انتقال ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے تھے جنکی یاد آپ میں سے بہت سے حضرات کے دلوں میں محبت کے ساتھ اب تک موجود ہے اور جو اپنے پیچھے ایسی سرگرمی اور شوق چھوڑ گئے ہیں جس پر کوئی اب تک سبقت نہیں لیجا سکا لیکن اس وقت طلبا کی تعداد کم تھی خاص عمارتوں میں سے بعض ناتمل پڑی ہوئی تھیں اور

کالج کے صحن میں چونہ اور اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور اسکیموں کی تکمیل میں ٹرسٹی سرگرم تھے۔ آج مجکو اُن اسکیموں میں سے اکثر مکمل نظر آتی ہیں۔ اُس زمانہ میں ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ اتنا زیادہ متمول اور شاندار کالج نظر آویگا۔ اسلیے فطرتاً ہمارا دل ان متبرک محسنوں اور سرگرم کام کرنے والوں کی طرف رجوع ہوتا ہے جن کی فیاضی اور جانفشانی کی بدولت یہ نتائج تکمیل کو پہونچے ہیں۔ اپنے اڈریس میں آپ حضرات نے بعض معاونین کا شکر گذاری کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور آپکے خیال میں بعض فدائیوں کی بھی یاد ہے جنہوں نے اپنا وقت، کوششیں اور دل اس کالج کے حقیقی کام میں صرف کر دیئے۔ اُن حضرات میں سے سب سے اوّل درجہ کے ہمارے قدیم دوست نواب مشتاق حسین صاحب ہیں۔ اُنہوں نے اس کالج کی ترقی کے لیے یکسو ہوکر اس قدر کام کیا کہ تندرستی ضائع ہونے لگی جسکے باعث وہ اس کام سے دست کش ہو گئے۔ اور مجکو یہ دیکھکر بے حد مسرت ہوئی کہ آج وہ یہاں ہملوگوں میں آنیکے قابل ہو گئے۔ اور اب میں اُس سرگرم جنٹلمین کی نسبت چند الفاظ شکریہ کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں جس نے نواب مشتاق حسین صاحب کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور جب تک کہ مستقل سکرٹری نہ آجائے اس کام کو انجام دے رہا ہے۔ ہمکو معلوم ہے کہ سکرٹری کے کام کے لیے نواب مزمل اللہ خاں صاحب کو کسقدر کم وقت فرصت کا ملسکتا ہے، اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ سب حضرات اُنکی اس وطن دوستی کی قدر کرینگے کہ اسوقت آپ کی معاونت کے لیے اُنہوں نے پیش قدمی کی۔

اگر مسرت یہاں پر افزوں ہوسکتی ہے تو وہ آپ کی اُس دلی خیر مقدم سے ہوئی ہے جو آپ نے پیش کی ہے۔ مجکو اُس اعزاز کا بہت احساس ہے جو آپ نے مجھ سے ملنے کی خاطر بہت سی دقتوں کو برداشت کرکے اور دور دراز مسافت سے آنے کی تکالیف گوارا فرماکر ظاہر کیا ہے۔ آپکے پریسیڈنٹ میرے قدیم دوست نواب صاحب بہاسُو باوجود اُس تکلیف کے جو طویل سفر سے آپکو ہوئی ہے اتنی دور یعنی جیپور سے تشریف لائے

ہیں میرے نیک دوست راجہ صاحب محمود آباد نے اس دن کے لیے اپنی ساری افکار کو جو اُنکو درپیش رہتی ہیں بالائے طاق رکھدیا۔ اور بہت سے دیگر حضرات نے، جن کو میں ٹرسٹیوں کے زمرہ میں دیکھتا ہوں اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے کچھ کم ایثار نہیں کیا ہے میں نہایت سرگرمی کے ساتھ آپ کی اس نوازش کی قدر کرتا ہوں اور میری ذات خاص کے متعلق جو بہت سے خوشگوار باتیں بیان فرمائی ہیں اُن کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ مسرت دو گونہ ہو گی اگر مجکو بحیثیت پٹرن اپنے استحقاق کے ادا کرنے اور جب کبھی بھی ممکن ہو کالج دیکھنے کا موقع ملے اور میں آپکو مفید امداد دلسکوں۔ میں غیر ضروری دست اندازی کی کوئی خواہش نہیں رکھتا ہوں لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ لوکل گورنمنٹ اور اس کالج کی منتظم جماعت میں اگر گذشتہ زمانہ سے زیادہ قریب تر ارتباط ہو تو وہ ہم دونوں کے حق میں مفید ہو گا۔

جو اڈریس کہ یور ہائنیس نے اس وقت پڑھا ہے ایک قابل تعریف دستاویز ہے اس میں اُن اصولوں کا تذکرہ ہے جن پر کہ اس کے بانی نے تعلیم کی اسکیموں کو قائم کیا ہے اس میں اُن دقتوں کا بھی ذکر ہے جو اُن اسکیموں پر کاربند ہونے میں آپکو پیش آئی ہیں اس میں وہ اصول تسلیم کئے گئے ہیں اور آپکے ان ارادوں کا تذکرہ ہے جو دقتوں کو حل کر سکتے ہیں۔ پھر کالج کے انتظامات اور بعض مسائل کا بیان ہے جو آپکو درپیش ہیں حضرات مجکو معلوم نہیں کہ آپکے اڈریس کے کون سے حصہ سے کی (یعنی آیندہ تجاویز کی خوبی کی یا موجودہ حالت کی) جو آپ نے بیان کی ہے میں زیادہ تعریف کروں لیکن آپ خواہ زمانہ گذشتہ کا حال بیان کریں یا موجودہ کا مجکو دلی قدردانی کے ساتھ دو اصول نظر آتے ہیں جن پر کہ یہ کالج قایم کیا گیا ہے اور جن پر کہ یہ کاربند ہے اوّل برٹش گورنمنٹ کی وفاداری دوسرے ...... آزادانہ تعلیم سے اسلام کی ترقی۔ اگر آپ ان اصولوں پر کاربند رہینگے تو آپ کی دقتیں کافور ہوجائینگی۔ آپکے اڈریس کے جواب دینے میں مضامین کی ترتیب کو میں تبدیل کرونگا

اولاً آپ کی انتظامی مسائل کا تذکرہ کرونگا اور پھر اُن وسیع مسائل پر گفتگو کرونگا جو آپکے اور میرے دل کو پریشان کر رہے ہیں۔

آج کالج میں چکر لگانے سے نہ صرف ایک دلچسپ صبح کا وقت گذرا بلکہ جن انتظامی مسائل کا آپنے اڈریس میں تذکرہ کیا ہے اُن کے متعلق بہت سی مفید معلومات حاصل ہوگئیں۔ اُن میں سے اشد ضروری جگہ کا سوال ہے۔ اس معاملہ میں صریح ضرورت کالجیٹ اسکول کو دوسرے مقام پر ہٹانے اور کالج سے اُسکو بالکل علیٰحدہ کردینے کی ہے۔ اسکول کے طلبا کا کالج کے طلبا سے خلا ملا دونوں کے حق میں خراب ہے اور مجکو یہ سُنکر مسرت ہوئی کہ نئے اسکول کے لیے جدید نقشے مرتب ہو رہے ہیں۔ میں نے آپکے مجوزہ جگہ کو دیکھا ہی اور مجکو وہ نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے اگرچہ گراں قیمت ضرور ہے۔ اس نئے اسکول کے لیے ۱۹۰۸ء میں ۲۰ ہزار روپیہ کی سرکاری امداد ملی تھی اور گورنمنٹ آف انڈیا کی فیاضی کی بدولت میں آپکو ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اور دینے کو تیار ہوں جبکہ ضروری اراضی حاصل کر لیجاوے اور نقشے اور تخمینے طے ہو جاویں تعمیر میں معقول کفایت شعاری، اور معقول ساز وسامان، اور لائق و کافی اسٹاف کی ضرورت کا مجکو اُمید ہے کہ آپ لوگ ضرور خیال رکھینگے۔ بہرحال اسکول کی علیٰحدگی، توسیع کا پہلا قدم ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ اس کالج کو (آپ ہی کے الفاظ کا حوالہ دیتا ہوں) "مرکزی قومی درسگاہ اُس کے حقیقی معنوں میں ہونا چاہیئے"۔ میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ کے مسلمان طالب علموں کے لیے تعلیم کا انتظام آپ اس کالج میں کرنا چاہتے ہیں اور بعض دوسرے ریمارک سے مجکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اُس پالسی کو نظر انداز کردیا یا اُس میں ترمیم کر دی جو آپ نے ۱۹۰۹ء میں قایم کی تھی کہ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں بھی اسلامی کالج قایم کئے جاویں جن میں بی اے اور بی ایس سی تک کی تعلیم ہو اور علیگڈھ میں پوسٹ گرایجوایٹس کی تعلیم کا انتظام ہو چونکہ یہ مسئلہ مجوزہ مسلم یونیورسٹی

کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے اسلیے میں اُس پر اور گفتگو نہیں کرونگا بہر حال یہ واقع ہو رہا ہے کہ تمام ہندوستان اور نیز دیگر ممالک سے بھی طلبا جوق جوق چلے آرہے ہیں۔ درحقیقت جو داخل ہونا چاہتے اُن سب کو داخل کرلینا آپکے لیے ناممکن ہے چونکہ طلبا کی تعداد اچھی تعلیم اور انتظام صفائی کے موافق نہو گی۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت بھی آپ کلاسوں میں ۵۴ سے زیادہ نہیں رکھہ سکتے ہیں اور یہ وہ تعداد ہے جو بالکل موزوں طور پر آپ سنہ ۱۹۰۹ء میں مقرر کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ صورت معاملہ یہ ہے کہ آپ طلبا کی تعداد میں توسیع کرنا اور کلاسوں کو محدود کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے نزدیک بجز اسکے کوئی چارہ کار نہیں جیسا کہ آپ نے تذکرہ کیا ہے کہ ایک دوسرا کالج قایم کیا جاوے۔ اس اُمید افزا نتیجہ سے بہت سے اہم اور عظیم الشان سوالات پیدا ہوتے ہیں جن پر تفصیل کے ساتھہ آپ سے ملکر غور کرونگا، اسوقت آپسے یہ بیان کرنا قبل از وقت ہے کہ آپ اُس فیاضانہ دلچسپی اور مستعد امداد کی امید رکھئے جو اس صوبہ کی گورنمنٹ جب کبھی کوئی موزوں اور مفید تجویز اُن کے روبرو پیش کی گئی آپکو دیتی رہی ہے۔ آپکے اڈریس میں چند ایسی معمولی باتیں ہیں اور چند تفصیلی معاملات ہیں جو کالج کے معاینہ کے وقت میرے ذہن میں آئے تھے اُن پر جب کبھی مجکو موقع ملگیا ٹرسٹیوں سے پرائیویٹ طور پر گفتگو کرونگا۔ جواب کے اس حصہ کو اپنی سچی مسرت کا اظہار کرکے میں ختم کرونگا کہ آپ تعلیم نسواں کے مسئلہ کو اپنے ہاتھہ میں لے رہے ہیں۔ مجکو یقین ہے کہ تھوڑے زمانہ کے بعد آپ اپنے کالج کی کوششوں کو اپنی قوم کی فلاح کے لیے ناممکن پائیں گے جب تک کہ آپ اپنی قوم کے اُس حصہ کو زیادہ تعلیمی اور طبی امداد دیکر اس کمی کو پورا نکرینگے جو حصہ کہ آیندہ کی ماں بننے والا ہے۔

حضرات! اب میں کچھہ اور معاملات کی طرف آتا ہوں جو آج میرے علی گڈہ آنے کا زیادہ تر باعث ہوئے ہیں۔ پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ چند روز بعد صوبہ کے اس حصہ کا جب باقاعدہ دورہ کروں تو اُسوقت فرصت سے کالج کو دیکھوں۔ لیکن ستمبر گزشتہ

سے جب سے میں نے اپنے عہدہ کا چارج لیا ہے میں کالج کے دوستوں اور نکتہ چینیوں دونوں سے اس کی نسبت بہت کچھ سنتا رہا ہوں، علی الخصوص عمیق جذبات کی اُس رَو کے متعلق جو آج کل اسلامی دنیا پر طاری ہے جو کچھ میں نے سُنا اس سے کالج کے پیٹرن اور مسلمانان ہند کے دلی دوست ہونے کی حیثیت سے میرے لیے سوائے اسکے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ بلاتاخیر مزید یہاں پہونچوں اور آپ صاحبوں سے (جو اس صوبہ میں اسلامی خیالات کے قایم مقام ہیں) مشورہ کروں اور جو مدد اور مشورہ مجھ سے ممکن ہے وہ آپکو دوں۔ میں سرسید اعظم سے واقف ہوں اور اُن کا احترام کرتا ہوں جو ایک شریف نفس اور دور بیں وطن دوست تھے جن کی روح یہاں ہمارے درمیان موجود ہے۔

اپنے اوائل ایام میں مجھے اُن کے بہت سے ذاتی دوستوں اور منتخب رفقاء مثلاً واجب الاحترام مولوی زین العابدین صاحب سے تعارف اور بہت کچھ نیاز حاصل تھا جن کو آرام کی نیند سوتے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا۔ میں نے علیگڈھ کے سینکڑوں طالب علموں کو دیکھا اور اُن کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں نے بارہا ان لوگوں سے غور طلب مشورے کئے ہیں جو علیگڈہ کو عزیز رکھتے ہیں، اور جنکو اندیشہ ہے کہ اسکی حالت پورے طور پر اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ اس طرح میں یہ دعوے کرسکتا ہوں کہ مجھے نہ صرف گزشتہ ایام کے دانا لوگوں کی اُمیدوں اور مقاصد کا بلکہ اس اثر کا بھی براہ راست کچھ علم حاصل ہے جو آپ کا کالج آپ کی قوم کے اخلاق اور زندگی پر ڈال رہا ہے۔ اور اس علم کی وجہ سے محبت اور اندیشہ دونوں ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں، محبت تو ان اصول کیوجہ سے جو سرسید احمد نے آپکو ورثہ میں چھوڑے، اور اندیشہ ان خطرات کی وجہ سے جو ان اصول کی مزاحمت کرتے ہیں۔ میں ان خطرات کو دیکھ رہا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ میں آپکے کالج کا مربی نہیں ہونگا بلکہ بدخواہ ہونگا اور آپکی قوم کا دوست نہیں ہونگا بلکہ چھپا دشمن ہونگا، اگر میں آپکو یہ صاف صاف نہ بتاؤں کہ میری رائے میں خطرات کہاں کہاں مخفی ہیں اور

میری دانست میں ان کا علاج کیا ہے۔ آپ میرا مشورہ مانیں یا نہ مانیں یہ آپ کا کام ہے
میں آپ کی ذمہ داریاں اپنے اوپر نہیں لے سکتا میرا امداد پیش کرنا بے غرضانہ اور مخلصانہ ہے
ٹرسٹی صاحبان! تمام وہ لوگ جو اسلام سے واقف ہیں وہ آج مسلمانوں کے رنج دلی سے
بھی واقف ہیں۔ اس موقع پر اس رنج کے اسباب پر بحث کرنا میرے لیے غلطی ہوگا، آپ نے
قابل تعریف تحمل کو کام میں لاکر اپنے اڈریس میں اس کے ذکر سے احتراز کیا ہے۔ مگر آپ
مجھے اسقدر کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ اسلام کی مصائب کو بے پروائی
کے ساتھ نہیں دیکھ رہی ہے مسلمان ایک پرافتخار قوم ہیں۔ ان کو قرون وسطیٰ کی اس عظیم
الشان سلطنت پر فخر ہے جو عرب کے ریگستان کی ایک چھوٹی سی وادی سے پیدا ہو کر اتنی
بڑھی کہ خود روما کی نہایت قوی طاقت سے مبارزہ طلب ہوئی۔ وہ اس تمدن اور ادب پر فخر
کرتے ہیں جو عرب نے دنیا کو بخشا تھا۔ وہ قرطبہ اور دمشق اور قاہرہ کی قدیم شان و شوکت پر
ناز کرسکتے ہیں۔ ان کو خلیج زرین شاخ کے خوبصورت شہر پر بھی ناز ہے جو انہوں نے ساڑھے
چارصدی قبل بازنطینی سلاطین سے چھینا تھا اور جو اسوقت سے برابر اسلامی اقتدار اور اسکے
مذہب کا مرکز چلا آتا ہے۔ ہم اہل برطانیہ کو جو خود ایک پر فخر تاریخ رکھتے ہیں اسلام کے
افتخار کے ساتھ برابر کی دلچسپی ہے اور اس وقت جب کہ آپ کے افتخار کو مصائب نے
چھپا لیا ہے۔ ہماری ہمدردی خاموش مگر خلوص کے ساتھ آپ کے ہمراہ ہے ہم آپ سے
درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی نظر ان چمکدار شعاعوں کی جانب پھیریں جو گزشتہ چند ماہ
کی تاریکی کے اندر سے نمایاں ہو رہی ہیں باوجود خوفناک نقصانات کے، لباس کی کمی کے
خوراک کے فقدان کے، مرض کی تباہی کے ذرا ترکوں کی صابرانہ بہادری کو دیکھئے۔ غور کیجئے
کہ وہ لڑتے ہیں تو کس پائدار جانبازی سے، بڑھتے ہیں اور پیچھے ہٹتے ہیں تو کس بےنظیر استقلال
سے کام لیتے ہیں۔

ٹائمز کے ایک نامہ نگار نے جو ناظم پاشا کے ہمراہ تھا حسب ذیل تعریف کی ہے جو یہ ہیں

آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ وولی برغاض کی عظیم الشان جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے وہ بھی لکھتا ہے۔

"جبکہ ترکونکی فوج نے پوزیشن کی طرف حرکت کرنا شروع کیا تو اس سے مجھکو بیحد دلچسپی حاصل ہوئی۔ شکستہ قطاریں مثل موجوں کے چلی آتی تھیں۔ وہ نہایت لاپرواہی کیساتھ حرکت کرتے ہوئے اپنی پوزیشن تک پہنچ گئے اور وہاں فیر کرنیکے لیے ایک لائن بنالی۔ جا بجا آدمی گرتے جاتے تھے، لیکن نہ وہاں کسی قسم کی پریشانی تھی اور نہ اُس کی کوئی روک تھی۔ یہ ایک باقاعدہ موت کا سامنا تھا۔ دوپہر کو ایک بجے پرطغوت شوکت نے اپنی توپوں کو ہٹا لیا اور جس قوت کو اُس نے دوسرے حملہ کے لیے جمع کیا تھا منتشر کردیا۔ دس منٹ کے اندر ساری توپیں بجز اُن کے جو پوزیشن پر چھوڑدی گئی تھیں صاف ہوگئیں جو نہایت دلاوری سے کام میں لائی جارہی تھیں پھر اُس ڈویزن نے پیچھے کو ہٹنا شروع کیا۔ یہ معلوم ہوا کہ بلغاری اُس کے پیچھے تو اُمیدوار ہی نہ تھی۔ اپنے محفوظ مقامات سے بلغاری توپوں نے ترکوں کے مجمع پر آتش باری نہایت خوفناک طریقہ سے شروع کردی جنگ کے افسوس ناک مناظر میں سے میں نے ترکوں کی فوج کی واپسی سے بہتر کوئی منظر نہیں دیکھا ہے جس طرح کہ لوگ کسی کام کے لیے اطمینان سے چلتے پھرتے ہیں اسی طرح اس خطرناک مصیبت کے دوران میں وہ اطمینان کیساتھ چل رہے تھے۔ واپسی میں مجمع کی کشمکش نہ تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین ہزاروں آدمیوں سے پُر ہوگئی ہے۔ لیکن وہ لوگ دور تک پھیلے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کی بارش کی، جو اُن کے پیچھے ہورہی تھی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آہستگی، استقلال اور ہمیشہ قایم رہنے والی شان کے ساتھ فوج واپس ہوئی اور ہم بھی اُن کے ہمراہ واپس آگئے ہم پیغام رسانی کے مقام سے بہت دور تھے جہاں سے کہ اُن کی شجاعت کی داستان بیان کی جاسکتی ہے۔"

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو قوم ایسی سپاہ پیدا کرے جس کی نسبت یہ کچھ لکھا جائے وہ ایک

ایک ایسی قوم ہی جو اب بھی فخر کر سکتی ہی اور جو دانشمندانہ اور روشن خیالانہ رہبری کے ماتحت اب بھی ایک شاندار مستقبل اپنے سامنے رکھتی ہی۔

اسلام کے موجودہ آفات میں مسلمانانِ ہند کے لیے ایک دوسرا اور عمیق تر پیغام ہی۔ یہی وہ پیغام ہی کہ جس پر دل سے توجہ کرنے کی میں آپ سے خواہش کرتا ہوں۔ اگر ایران کی بدنصیبیوں اور ترکی کے مصیبتوں نے ہمیں کوئی سبق دیا ہی تو وہ یہ ہی کہ کوئی قوم اقتدار، پر روایات پر، گزشتہ عظمت کی یادگاروں پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ موجودہ زندگی کا خوفناک مقابلہ ان سبکو جھنگکر ایک طرف کر دیتا ہی، اور کامیابی کا سہرا صرف قوت اور قابلیت کے سر رہتا ہی، قوت بھی وہ جو اخلاقی اور مادی دونوں قسموں کی ہو اور قابلیت وہ جسمیں دل اور جسم دونوں شامل ہوں صرف یہی اوصاف اسلام کو محفوظ رکھ سکتی ہیں، اور اسلام کا پہلا فرض رنج و غم کو چھوڑ کر اور اپنی زمی فخر کو بھول کر ان اوصاف کو حاصل کرنا ہی۔ ہر سچے مسلمان کا کام ہی کہ رونے جھنکنے یا بڑھ بڑھکر باتیں بنانے اور غیر مؤثر کاغذی لعن طعن کرنے سے احتراز کرے؛ بلکہ اُن کو چاہیئے کہ مردانہ وار کام کریں، اپنی صفوں کو درست کریں، نقصان رساں اختلافات کو چھوڑیں، فضول خرچیوں سے دست بردار ہوں، اور سب سے بڑھکر یہ کہ موجودہ نسل کی کمزوری سے نوجوانوں کو متاثر ہونے سے روکیں اور بہ نسبت اُن کے اجداد کے ان میں فرض کا روشن تر احساس پیدا کریں اور زندگی میں انکو بہتر موقع دیں۔

جیسا کہ آپ کے اڈریس میں بجا طور پر بیان ہوا ہی مسلمانانِ ہند کا موقع بے نظیر ہی۔ تاج انگلستان کے ماتحت آپ بیرونی حملوں سے مامون ہیں۔ اسلام کے رستہ پر گامزن ہونیکے لیے آپ کو کسی تباہ کن انقلاب کی ضرورت نہیں ہی۔ رستہ کھلا ہوا ہی اور ہمت افزا فرض کا ہاتھ آپکے شانہ پر ہی۔ آپکے زمانہ میں ممکن ہی کہ ترقی کی رفتار سست ہو، لیکن آپ کم از کم اپنی اولاد کے لیے راستہ صاف کر سکتے ہیں اور اُن کو ایک گونہ اُس شرمندگی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں جو آپ کو برداشت کرنی پڑی ہی۔ لہذا امر یہ ہی جو میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اس

عظیم الشان کالج کے ذریعہ سے انجام دیں۔ اور اب میں یہ بتاؤنگا کہ آپ یہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ جو کچھ میں کہنے والا ہوں اگر وہ سب آپکو پسند نہو تو آپ مجھے معاف کریں۔ میں آپکے ایک خوشامدی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک دوست کے طور پر آپسے گفتگو کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں (حاضر و غائب) ٹرسٹی صاحبان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ نوخیز نسل کے سامنے ہم آہنگی کی مثال پیش کریں۔ میں سنتا رہا ہوں کہ پولٹیکل خیالات کی حیثیت سے مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں بہت سخت اختلاف ہے۔ لیکن اگر غور سے تجربہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے صرف دو فریق ہیں، ایک کہن سال اور دوسرا جوان عمر۔ یہ ایک ناپائدار اور غیر مستقل امتیاز ہے۔ ہم میں سے جو اس وقت بوڑھے ہیں وہ کبھی خود جوان تھے۔ جو جوان ہیں (افسوس) وہ جلد تر بوڑھے ہو جائینگے، وقت ہمارے اختلاف کی بہت کم پروا کرے گا۔ تاہم میں ان اختلافات کی تحقیر کرنا نہیں چاہتا۔ نئے خیالات کے ہیجان سے جوان دلوں میں اپنے بزرگوں کی قدامت پرستی کے خلاف خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ بزرگوں کو جوانوں کی غیر معتدل اور (جیسا کہ وہ اکثر خیال کرتے ہیں) سطحی ہمدردیوں پر شبہ رہتا ہے اور انکو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن ان معاملات میں مختلف پالیسیوں کی کمیں بھی اور علی الخصوص اس کالج کے انتظام میں اُس کے مطابق گنجائش نہیں ہے۔ آپ میں سے سن رسیدہ اصحاب کو اپنے کم عمر رفقا کی سرگرم جوش کی ضرورت ہے اور آپ میں سے جو نوجوان ہیں اُن کو اپنے سے معمر لوگوں کی دانشمندی اور تجربہ کی حاجت ہے۔ میں معمر لوگوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ دوسروں کی قوتوں کی صبر کے ساتھ رہنمائی و رہبری کریں۔ میں نوجوانوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تحمل و بردباری سے کام لیں، اپنے الفاظ کو تولیں اور بزرگوں کا وہ احترام کریں جس کی ہر مذہب تعلیم دیتا ہے۔ اپنے اختلافات کو عزت کے ساتھ رفع کرو، ایک دوسرے کا احترام قائم رکھو اور طلبا سے معاملہ کرنے میں اتحاد سے کام لو، تاکہ

بے ادبی اور بدلحاظی کی روح معدوم ہو جو طلبا کی نئی زندگیوں کے لیے سخت خطرناک ہے اتفاق کے ذریعہ سے آپ کھڑے رہ سکیں گے، اور نفاق سے آپ جلد یا بہ دیر ضرور گر جائینگے، اور کیا علیگڈھ کا زوال وہ قیمت ہے جو آپ اپنے اختلافات کے عوض ادا کرینگے

دوسرے جیسا کہ آپ علیگڈھ کی بہبودی کے لئے اُمید رکھتے ہیں۔ میں آپ سے خواہش کرتا ہوں کہ آپ اُس مشہور اصول کو یاد رکھیں جس پر طلبا اور اُن کے اساتذہ کے مابین تعلقات مبنی ہیں۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ متعلم کو اپنے معلم کے متعلق کس قسم کے ذوق کی آپ کا مذہب تعلیم کرتا ہے۔ جب تک یہ فرض انجام نہ دیا جائے تعلیم کا اکثر حصہ بے سود رہی اس لیے میں کامل یقین کے ساتھ آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کالج اسٹاف کے اختیارات کی حمایت کریں۔ آپ یا تو ان پر کامل اعتماد کریں یا بالکل نہ کریں۔ اگر آپ کو انپر اعتماد نہیں ہے تو میں چاہتا ہوں کہ مجھے یہ تبلائیں اور اس کی وجوہ کی جانب سے مجھے مطمئن کریں۔ اگر آپکو ان پر اعتماد ہے تو ان پر کامل اعتماد کیجئے۔ کیونکہ صرف اس صورت میں آپ وہ دو باتیں حاصل کر سکتے ہیں جن کے بغیر آپکی محنت بے کار ہوگی۔ ایک طرف تو آپ اپنے پروفیسروں سے کامل توجہ کے ساتھ کام کرنے کی توقع نہیں کر سکتے اگر وہ پبلک کے حملوں کا نشانہ بنیں یا یہ سمجھیں کہ آپکی حمایت ان کی پشت پر نہیں ہے۔ تعلیم کے معاملہ میں ہمدردی ہی سب کچھ ہے، اور اگر آپ فیاضانہ اعتماد کا اظہار نہ کریں تو اس کے عوض میں آپ ہمدردی کی توقع نہیں کر سکتے دوسری طرف آپکو طلبا کے دلوں کو انکے اُستادوں کی جانب پوری طرح مائل رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ منظور ہے کہ طلبا اپنا کام جیدلی کے ساتھ نہ کریں تو اُن کو اپنے اُستادوں کو بجائے والدین اور ان کے فیصلوں کو ناطق سمجھنا چاہیئے۔ اس لیے میں ڈسپلن کی اہمیت کی جانب آپکو زور سے متوجہ کرتا ہوں وہ ڈسپلن جو ذاتی لحاظات یا غلط جذبات سے مقید نہو۔ مجھے مسٹر ٹول سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے انکو ڈسپلن کے متعلق کامل اختیارات دے رکھے ہیں۔ اس لحاظ سے میں

آپ کی کامل دانشمندی کی جسقدر تعریف کروں کم ہے۔ انکے سلب اختیارات کی ترغیب کو رد کیجئے۔ انہیں مطلق العنان کیجئے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک فیاض مطلق العنان افسر ثابت ہونگے۔ بے قدری اور بے ضرورت مداخلت سے گریز کیجئے، کیونکہ اس سے اسٹاف کے جذبات کو صدمہ پہونچتا ہے اور اس عظیم الشان کام سے ان کی ہمدردی کم ہوتی ہے جس میں آپ سب شریک ہیں۔

آخر میں میں آپ سے طلبا کی جانب سے اپیل کرتا ہوں۔ اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ دلاوری کے ساتھ ایسے ہر ایک امر کا مقابلہ کیجئے۔ جو اُن کو اُن کے کام سے باز رکھے یا حارج ہو۔ جسمانی اور دماغی ترقی اُن کا کام ہے اور یہ آپ کا فرض ہے کہ انکے جسم کو قابل علاج امراض سے اور اُن کے دماغ کو پریشانی سے محفوظ رکھیں۔ کالج میں اُن کی زندگی کا ہر ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے اور ہر گھنٹہ جو جسمانی علالت یا دماغی پریشانی میں ضائع ہو وہ اُن کی ترقی میں رکاوٹ اور آیندہ زندگی میں نقصان کا موجب ہے، ہمیشہ اُن کی جسمانی تندرستی کا خیال رکھئے حفظان صحت کے متعلق اعلیٰ قسم کے مشورے حاصل کیجئے۔ دیکھئے کہ انکی غذا عمدہ ہے، لباس معقول ہے۔ اُن میں خودداری اور صفائی کی عادت پیدا کیجئے، ہر وقت اُن کی دماغی صحت کا بھی خیال رکھئے جہاں تک آپکے امکان میں ہو جوش اور پریشانی کو کالج میں نہ آنے دیجئے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ طلبا پالٹیکس سے بالکل علٰحدہ رکھے جائیں، کیونکہ سمجھدار نوجوان دماغ باہر کے زیر بحث مسائل پر توجہ کرنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن پالٹیکس اور بحث و مباحثہ کو انکے موزوں مقام پر رکنا چاہیئے یعنی لٹریری کی گفتگو اور ڈبیٹنگ سوسائٹی کے وہ مضامین رہیں۔ لیکن انکو اس حد تک نہ بڑھنے دیجئے کہ زندگی کے اس نازک زمانہ میں اُن کا دماغ پریشان ہو جائے اور اُن میں جوش پیدا ہو جائے۔ آہ و زاری میں راتیں گزارنے اور دن کو روزے رکھنے کے جو مذہبا ضروری نہیں ہیں روایتیں سننے

کا براہ نوازش مجھے موقع نہ دیجیے۔ اگر اُن تیز مزاج اور فیاض طبع لڑکوں کو آپ لوگ مفید اور قوی آدمی بنانا چاہتے ہیں تو اُن کے جسم کی پرورش اور دماغ کی تربیت کرنا چاہیے جب جسم و دماغ کی پرورش ہو جائیگی تو تکالیف برداشت کرنے اور ایثار نفسی کا مادہ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ اگر قبل از وقت آپ اُن میں قومی زندگی پیدا کر دیں تو آپ اُن لوگوں کو جو آپکی سپردگی میں دیئے گئے ہیں نہایت ظالمانہ مضرت پہونچاتے ہیں۔

حضرات! میں ختم کر چکا۔ میں نے سرسید اعظمؒ کے مقرر کردہ آئیڈیل اور کالج کے متعلق جس کے آپ امانت دار ہیں وفاداری کرنے کے لیے دو حقوق پیش کئے ہیں اوّل میں نے آپ سے یہ التجا کی ہے کہ آپ لوگوں کو اتحاد اور اعتماد آپس میں رکھنا چاہئے اور تعلیمی اسٹاف کو آپ سے ہمدردانہ اعانت ملنی چاہیے اور طلبا کو اپنی زندگی کے بہترین ایام، سکون قلب اور صحت جسمانی کے ساتھ گذارنے کی پوری آزادی ملنا چاہئے ہندوستان میں اسلام کا مستقبل زیادہ تر آپ ہی کی جماعت پر بہ نسبت کسی دوسری جماعت کے منحصر ہے۔ اس کالج کو صحیح راستہ پر چلائیں تو آپکی قوم کے اثر اور قوت کو ترقی ہوگی اور اگر اسکو تنزل ہو گیا تو جدید ہندوستان میں ایک نہایت شریفانہ تعلیمی تجربہ کو آپ ضائع کر دینگے اور ہمیشہ کے لیے آپکی قوم کی بدنامی ہوگی۔ ان دونوں باتوں میں سے کونسی ہونی چاہیے؟ آج ہم سب ٹرسٹیان، پروفیسرز، طلبا، اُستاد، شاگرد یہاں موجود ہیں۔ اس وقت میں آپ سب سے اپیل کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ آپ ہی کے ہاتھ ہے۔ اور آپ ہی کے ہاتھ میں اسکو چھوڑتا ہوں اور مجکو یقین کامل ہے کہ دانشمندی اور راستی غالب رہیگی۔

خواجہ غلام الثقلین صاحب کا سفرنامہ ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ منیجر

تقریر آفتاب احمد خاں صاحب

یور آنرز، یور لیڈی شپ، یور ہائینس، لیڈیز و جنٹلمین۔

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ ٹرسٹیان مدرستہ العلوم کی جانب سے میں حضور والا کا شکریہ اُس تلطف آمیز جواب کا ادا کروں جو حضور والا نے ہمارے ناچیز اڈریس کا مرحمت فرمایا ہے۔ یور لیڈی شپ کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے اس جلسہ کا اعزاز بڑھانیکے لیے آپ نے یہاں پر قدم رنجہ فرماکر اپنی خاص نوازش ہمارے حال پر ظاہر فرمائی۔ اور ہز ہائنس کا شکریہ ادا کروں کہ آج صبح کو یہاں تشریف فرما ہوئے اور اڈریس پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ درحقیقت یہ ایک اُمید افزا اور مسرت بخش علامت اس زمانہ کی ہے کہ ہمارے شہزادے، والیان ملک اور اُمرا، اپنی قوم کی خدمت کرنیکے لیے ہم لوگوں میں بطور ساتھی کام کرنے والے کے اپنی اصلی جگہ حاصل کرنیکے لیے آمادہ ہورہے ہیں، اس معاملہ میں یور ہائنس اور راجہ صاحب محمود آباد کا نام نامی جنہوں نے ہمارے دل میں ایک خاص جگہ پیدا کرلی ہے شکریہ کے ساتھ ہمیشہ یاد رہیگا۔

حضور والا! یہ امر ہماری قوت سے باہر ہے کہ ہم حضور والا کی اس فصیح و بلیغ اور قابل یادگار تقریر کی ستایش اور اُس کا شکریہ موزوں الفاظ میں کریں۔ حضور والا نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس کے سُننے کے بعد میں صرف اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ حضور والا ہمارے پیٹرن اس کے حقیقی اور نہایت وسیع معنوں میں ہیں۔

حضور والا کی یہ تقریر ہماری تاریخ میں ایک قابل یادگار تقریر رہیگی۔ ہمدردی معاونت نصیحت اور رہنمائی کا جو پیام ہمکو دیا گیا ہے ہم اُس کا خیر مقدم کرتے

ہیں کیونکہ وہ اُمید اور تحریص سے لبریز ہے۔ ہمکو یقین کامل ہے کہ حضور والا کا نام ایک روز ہماری اس درسگاہ کے اُن محسنوں کی فہرست کو مزین کریگا جن کا وہ یوم قیام سے بے حد مرہون منت ہے اور حضور والا کی یاد اس چہار دیواری میں مثل اسٹریچی، کالوں آور لاٹرش صاحبان کے معزز ناموں کے قایم رہیگی۔ اس تحریک کی بنا جس سے کہ یہ کالج عالم وجود میں آیا ہے اس یقین پر ہے کہ عظیم الشان مسئلہ ہند کو حل کرنیکے لیے قادر مطلق نے برٹش حکومت ہندوستان میں قایم کی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی مادری سرزمین کی حالت درست کرنے میں نمایاں حصہ لینے کا عظیم الشان موقع حاصل ہے۔ اس شریفانہ کام کے لیے تیار کرنا اس درسگاہ کا خاص مقصد ہے۔ اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس سے کہ ہمیشہ فراخدل اور بلند نظر ممبران قوم فاتح کی ہمدردی اور دلچسپی اپنی طرف مبذول کرتے ہیں۔ اس کالج کی کامیابی میں اس کے انگریز دوستوں اور سرپرستوں نے جو قابل یادگار حصہ لیا ہے اُس کا تذکرہ اس موقعہ پر کرنا فضول ہے کیونکہ اس سے سب واقف ہیں۔ اور بہت سے عام موقعوں پر ہم اس کا اعتراف کر چکے ہیں صرف اسقدر بتا دینا کافی ہے کہ علیگڈھ اور اُس کے مشہور ٹریڈیشن زیادہ تر اسپیں (انگریزوں اور مسلمانوں) کے اتحاد سے کام کرنے اور آئیڈیل کی یکسانیت کا نتیجہ ہے جو کہ زمانہ گزشتہ میں ہماری تحریک کی نمایاں صورت رہی ہے اور ہم نہایت سرگرمی کے ساتھ اُسکو آیندہ بھی قایم رکھنا چاہتے ہیں حضور والا کے فیاضانہ اور بابرکت دورحکومت میں یہ آئیڈیل نمرور پھلے پھولیگی۔ حضور والا نے اس وقت جو تلطف اور محبت آمیز تقریر فرمائی اُس کا دوبارہ شکریہ ادا کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

ہز آنر کی تقریر پر مسلم اخبارات کی عمدہ رائیں

البشیر اٹاوہ

ہز آنر نے مسلمانوں کے مصائب پر نہ صرف ہمدردی ظاہر کی ہے بلکہ مسلمانوں کے دوست اور کالج کے پیٹرن ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی قوم کو اور بالخصوص محمڈن کالج کے ٹرسٹیوں کو نیک نیتی اور دل سوزی کے ساتھ چند مشورے بھی دیئے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہز آنر صرف ہمدردی ظاہر کر کے اپنی اسپیچ کو ختم کر دیتے تو ایک دوست اور پیٹرن کا حق ادا نکرتے۔ ہم ہز آنر ... کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن ... اگر ہم ہز آنر کی اسپیچ پر تنقید نکریں ... تو ہم ہز آنر کی ہمدردی کا سچا شکریہ ادا کرنیکے فرض سے قاصر رہینگے ... قاعدہ ہے کہ کسی شخص کی مصیبت پر اُس کے دوست احباب اور بزرگ اُس کے پاس آکر اُس کی دلدہی کرتے ہیں ... اور یہ سمجھاتے ہیں کہ گریہ وزاری کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ فاقہ کرنے سے تندرستی خراب ہو گی ... حضور سر جیمس میسٹن صاحب بہادر نے مسلمانوں کے ساتھ جو ہمدردی فرمائی اور جو کچھ نصیحت کی وہ نہایت دل سوزی اور ہمدردی اور رسم زمانہ کے موافق تھی ... ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہز آنر کی اسپیچ کو برے معنی میں خیال نہ کرتا ہو ... مسلمانوں میں جسقدر سنجیدہ اصحاب ہیں سب کی یہ خواہش ہے کہ ہمکو کسی وقت اعتدال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ... خوشی یا غم کی خبر سنکر فوری جوش کے اظہار کو ہم مسلمانوں کے وقار اور شان کے خلاف خیال کرتے ہیں ... جب خود ہماری یہ رائے ہے اور ہز آنر نے جو کچھ ... فرمایا اُس کا لب لباب بھی یہی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ... ہز آنر کے خیالات کی نسبت بدگمانی کریں۔ البتہ ... ہم ہز آنر کی اسپیچ کے آخری حصہ کے متعلق

اپنے خیالات مختصر الفاظ میں ظاہر کر دینا چاہتے ہیں۔ ہز آنز کا یہ ارشاد کہ ''۔۔۔ آہ و زاری میں راتیں گزارنے) اور دن میں روزہ رکھنے کی جو نہایاً ضروری نہیں ہیں روایتیں سننے کا براہ مہربانی مجھے موقع نہ دیجئے'' مذکورہ بالا فقرہ نے نصیحت کی حد سے گذر کر کسیقدر تحکمانہ لہجہ اختیار کر لیا ہے ''۔۔۔ عام آدمیوں اور بالخصوص طلبا پر) درد انگیز واقعات اور قومی مصائب کے حالات یہ کیفیت طاری کرتے ہیں جس کا روکنا ٹرسٹیوں کے اختیار سے باہر ہے ۔۔۔ ایسی حالت میں یہ ہی نصیحت اگر کسی اور طریقے سے کیجاتی تو ہمارے نزدیک موثر اور زیادہ مفید ہوتی۔ اسٹاف کے اختیارات اور اُن پر بھروسہ کرنے کی نسبت ہز آنز نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہمارے نزدیک زیادہ مناسب ہوتا کہ پہلے ہز آنز ٹرسٹیوں سے اس مسئلہ کے متعلق زبانی گفتگو کر کے کافی معلومات حاصل کر لیتے اُس کے بعد تقریر فرماتے۔

مسلم گزٹ لکھنؤ .... ہز آنز کی اس نصیحت کا ہمکو دل سے ممنون ہونا چاہیئے.... رونے جھینکنے اور فضول شور و غل سے ہی ہمکو احتراز کرنا چاہیئے، کیونکہ ہمارا فرض کام کرنا ہے اور کام کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہمکو تمام ذاتی اختلافات فراموش کر دینے چاہئیں۔ ہمکو ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے سے باز آنا چاہیئے۔ ہمکو سمجھ لینا چاہیئے کہ سب کا مقصد ایک ہے یعنی اسلام کی شان کا بلند کرنا اور زمانۂ حال کے مطابق قوت اور قابلیت حاصل کرنا جس کے بغیر ہم زندگی کی گھڑ دوڑ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔۔۔۔۔

مشرق گورکھپور ...... طلبا کی نسبت جو معنی خیز نصیحت ہز آنز نے فرمائی ہے وہ اصولاً قابل تسلیم ہے مگر ہماری رائے میں ہز آنز بالغالبہ کو اس معاملہ میں تھوڑی سی غلط فہمی ہوئی یا کالج کے پرانے لوگوں میں سے کسی صاحب نے ہز آنز کو غلط طور پر اس جوش و خروش کا مطلب سمجھایا۔۔ . . طلبا کا یہ ایثار کسی پولیٹکل اور سیاسی ضرورت سے نہیں ہے بلکہ اسلامی اخوت اور اسلامی درد کی وجہ سے ۔۔۔ ہے۔۔۔

ہماری مذہبی تعلیم اور ہماری اخوت دینی کے احکام پر اس کے ساتھ مغربی تعلیم کی آزاد خیالی کا احساس ان سب نے ملکر کالج کے طلبا کو اگر اس ایثار پر مجبور کیا اور وہ از خود رفتہ ہو گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ... پس ہز آنر بالقابہ کو طلباء کالج کے ایثار نفس اور اخوت قومی کے جذبات کی قدر فرمانی چاہئیے۔ اور وہ ضرور قدر کرتے اگر آج نواب محسن الملک بہادر زندہ ہوتے اور ہز آنر کی تقریر کے بعد وہ ہز آنر کو سمجھا دیتے کہ طلباء کا یہ جوش و خروش سیاسیات سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔ ہز آنر کو ہم دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتے صاف صاف عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے یہ مذہبی جذبات سائنس اور فلسفے کے زمانے میں بھی نہیں دب سکتے اور جو اخوت پیغمبر اسلام نے پیدا کر دی ہے وہ ہمیشہ ترقی کرتی رہے گی۔ مگر ہز آنر نے جس محبت اور جس درد سے طلبا کو نصیحت کی ہے۔ اُس کی قدر ہمکو کرنی چاہئیے اور طلبا کو اپنی تعلیم کا معیار سامنے رکھنا چاہئیے۔...

کامریڈ دہلی

...... پوری تقریر میں مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ جس سچی ہمدردی کا اظہار ہوا ہے اور اس معاملہ میں مسلمان کارکنوں کے ساتھ جس بے تکلف شراکت کی خواہش ظاہر کی گئی ہے اُس کے متعلق رایوں کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ...... سر جیمس مسٹن کی تقریر میں جوش نہیں ہے بلکہ زور ہے۔ ... علیگڈھ کے بعض معاملات کے متعلق اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرنے میں اور اُس کی ترقی چاہنے والوں کو اُن خطرات سے آگاہ کرنے میں جو آئندہ نظر آتے ہیں، سر جیمس مسٹن نے بہت ہی عاقلانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ...... لیکن علیگڈھ کی مشکلات کے بعض پہلو ایسے ہیں جس کا کوئی حوالہ ہز آنر کی اس جامع تقریر میں نہیں ہے اور ہمیں اُمید بلکہ یقین ہے کہ صرف ناواقفیت کی وجہ سے یہ امور نظر انداز ہو گئے۔ ... علیگڈھ کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی قومیت کو تازہ کرنیکے لیے یہ انسب سمجھا کہ چند

یورپین پروفیسروں سے مدد لی جاوے۔ مگر ساتھ ہی بہت واضح طور پہ بیٹھے کر دیا کہ تمام ٹرسٹی مسلمان ہوں اور سوا مسلمان کے کوئی اور اُنکی تعلیمی پالیسی میں معتمد الیہ نہیں قرار پا سکتا۔ تعلیم کا مقصد انسان کو کامل بنانا ہے اور کمال کا مفہوم مختلف جماعتوں کے مذہبی تخیلات اور آداب معاشرت کے لحاظ سے مختلف ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سرسید احمد خاں جو گورنمنٹ اور مشن کالج کے طریقہ تعلیم اور منشا تعلیم کی طرف سے مطمئن نہیں تھے، ایسے انتظام کو پسند نہیں کرتے جس کی وجہ سے علیگڈھ کا معیار کمال اُن لوگوں کے نقطہ خیال کے مطابق ہو نا جنکے مذہبی تخیلات اور آداب معاشرت ہندوستان کے مسلمانوں سے مختلف ہے۔ اسی لحاظ سے اگر علی گڈہ کی تعلیمی پالیسی مطلق العنانی کی محکوم ہوسکتی ہے تو سوا مسلمان کے کسی اور کو اختیار کامل دینے کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو جاتا ہے لیکن ایکبار کسی مطلق العنان مسلمان یا جمہور اسلام کی رائے سے اس پالیسی کے طے ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ جائز ہوگا بلکہ بعض اوقات ضروری ہوگا کہ اُسپر عمل درآمد تمام ذرائع سے کیا جائے خواہ وہ ذرائع اسلامی ہوں یا غیر قومی۔ . . . .

ساقی نامہ

ذیل کا ساقی نامہ جناب مولٰنا بیدم شاہ صاحب کی تصنیف ہے۔ آپ جناب مولانا حاجی سید وارث علی شاہ صاحب قدس سرہ کے منتخب مریدوں سے ہیں۔ نظم میں آپکو حضرت امیر مینائی مرحوم سے تلمذ حاصل ہے۔ زبان اور طرز بیان دونوں کے لحاظ سے آپ کا کلام ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ خصوصاً مثنویاں جو خاص خاص عنوان پر لکھی گئی ہیں لاجواب ہیں۔ بیان کی سادگی اور زبان کی سلاست کے لحاظ سے

میر حسن مرحوم کی مثنوی لاجواب سمجھی جاتی ہے۔ آپکے بیاں زبان کی روانی تو دہی ہے مگر طرز بیان میں خاص نزاکت ملحوظ ہے جو منشی صاحب کے تلمذ کے خصوصیات میں سے ہے۔ صرف اسی ساقی نامہ میں ابر سیاہ اور اُس میں بگلوں کی سفید قطار کی تقلنی تشبیہیں دیگئی ہیں اُن سے آپکی جودت طبع اور نازک خیالی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مگر سب سے بڑی خصوصیت جو آپ میں ہے وہ یہ کہ آپ ہمارے کالج کے اولڈ بوائے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ مسٹر عبد الحق صاحب خاص طور سے اس مثنوی کی داد دیں گے

اڈیٹر

کہاں ہے تو اے ساقی جم وقار
کہ نو روز ہے اور فصل بہار

شباب آفریں می پلا شیب میں
ہزاروں ہنر بھر دے اک عیب میں

صباحِ بیع ولب جوئے بار
یہ خنکی یہ سبزہ یہ ابر بہار

غضب! بھینی بھینی گلوں کی مہک
ستم! ہلکی ہلکی ہوا کی سنک

کھلی مہر خم غنچے کھلنے لگے
گل و بلبل آپس میں ملنے لگے

اُٹھا جام باہیں تو گردن میں ڈال
گلے مل مرے دل کی حسرت نکال

تبسم کناں راح اطہر پلا
نیاز نو دل روح کو تڑپا

سلامت رہے نوجوانی تری
یہ بزم طرب گل فشانی مری
ق

کہاں پھر یہ دن اور ذوق شراب
کہ سیلاب باراں ہے جوش شباب

اُدھر یہ می خم سے بہ جائے گی
کسی کی رہی ہے نہ رہ جائیگی

گیا دور غم توبہ کرنا گئی
بہار آئی ساقی بہار آگئی

کھٹکتا ہے اس وقت خار ملال
پلا پھول دل سے یہ کانٹا نکال

جلال خزاں مل گیا خاک میں
چلی دختِ رز سایۂ تاک میں

زمان گل و کامرانی ہے یہ
نہ ہو مے، تو کیا زندگانی ہے یہ

مری آہِ دل کا یہ چھایا اثر — بنا سوسنی ابر دودِ جگر
گھٹا اودی اودی یہ کیا چھا گئی — بہارِ چمن رنگ پر آ گئی
پروں کو ادھر مور تولے ہوئے — گھٹائیں اُدھر بال کھولے ہوئے
وہ کوئل غضب لے بجاتی ہوئی — پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی
سناتا ہے دیپک کے سُر جی کہاں — تو کہہ "الصلا" اور کہہ دے یہاں
اُٹھی رس بھری بانسری کی صدا — تو اُٹھ کر صراحی کا قل قل سنا
بڑھا جھومتا، کوہ ہے فیلِ ابر — ہے رندوں پہ اب تنگ میدانِ صبر
فلک پر سیہ مست چھایا سحاب — اُٹھی خم سے یا موجِ دودِ شراب
ہوا، دوش پہ شال ڈالے ہوئے — گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے
دوپٹہ رنگا ابر نے کاسنی — اُڑی پھرتی ہے آج تردامنی
اُڑا لکڑے ہو ہو کے دامانِ صبر — ہے زاہد کی عصمت کی چادر پہ ابر
تھے خلوت میں جو سجدہ گاہِ کرام — ہوا پر اُڑے وہ مصلے تمام
ہوا سے مئے خوش نے بھڑکائی آگ — گئے اُڑ کے افلاک پر خم کے جھاگ
گھٹائیں وہ بگلوں کی ہر سو قطار — کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار
سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر — رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر
لئے ہاتھ میں تیغِ عریاں گھٹا — چلی کاٹنے فوجِ غم کا گلا
نکالے ہوئے مانگ ابرِ کبود — دکھاتا ہے زلفوں کی اپنی نمود
اُٹھاتا ہے یہ رندوں کا دودِ فغاں — ہلاتی ہے چادر گھٹا، "الاماں"
یہ اُڑ اُڑ کے نامِ مغاں کر گئے — کہ مینا کے پینے فلک پر گئے
سراپردۂ چرخ ابرِ بہار — یہ جھالر ہے مقیش کی آبدار
یہ طوفانِ بادہ اُٹھا خاک پر — بطِ مے گئی اُڑ کے افلاک پر

یہ کہسار میں راہ چھوٹی ہوئی
سڑک سنگ مرمر کی کوٹی ہوئی

دوا قلب رنداں کے ناسور کی
کف ابر میں تھی کافور کی

گھٹاؤں کے جوڑے ہوا سے اڑے
یہ موباف موتی بھرے کھل پڑے

زمین و فلک پر ہے مستی کا شور
گرجتے ہیں بادل کے چلائے مور

گھٹا ایسی گھنگور چھائی ہوئی
کہ میخانہ ساری خدائی ہوئی

یہ فصل بہار اور ایام دے
کہ ہر بزم ہے رشک کاؤس ہے

وہ روح رواں دے تو اس ابر میں
کرے وجد جمشید بھی قبر میں

رواں ہر گلی میں ہوئی موج آب
بھی میکدے میں بھی جوئے شراب

طرب آشنا ہو غم بے کراں
بط مے ہو کشتی کی صورت رواں

ادھر ابر ادھر ہر جواں مست ہے
زمین مست ہے آسماں مست ہے

جو بیہوش گرتے ہیں مست شراب
تو حوریں چھڑکتی ہیں مونھ پر گلاب

زمین و فلک میں تھی کچھ چھیڑ چھاڑ
پڑے بیچ میں بدلیوں کے پہاڑ

کبھی گدگدا کر ہوا رہ گئی
کبھی مسکرا کر گھٹا رہ گئی

ہنسی برق کی جاں فزا ہو گئی
گلوں کی ادا بھی ہوا ہو گئی

ہے چقماق کو تیشۂ تر سے لاگ
نکلتی ہے یا سنگ موسیٰ سے آگ

ہیں دست و گریباں شرار اور آب
فقل ان ھذا لشئ عجاب

کچھ ایسی ہی ٹھنڈی ہوائیں چلیں
گلیم اوڑھ کر جو گھٹائیں چلیں

فلک پر گرجتا ہے ابر مطیر
زمین پر نہ کیوں رند گائیں کبیر

ادھر بجلیاں توڑے ہنس کر سحاب
ادھر شیشۂ رنگ ذوق شراب

کبھی ابر گریاں کبھی خندہ زن
ہے دیوانہ کا سوانگ چرخ کہن

برستا ہے رہ رہ کے ابر بہار
تو بادہ سے پچکاریاں بھر کے مار

چلے اتنے میں ساقی شوخ و شنگ — کہ ہو میکدہ کی زمیں لالہ رنگ
بغل میں سبو ہاتھ میں سنگ ہے — ہے رندوں میں ہولی عجب رنگ ہے
وہ زاہد جنہیں دختِ رز سے ہے لاگ — لنگوٹے پر اب کھیلتے ہیں وہ پھاگ
مئے شعلہ رنگ آ گئی جوش پر — نکل آئی شیشہ پری توڑ کر
سبو بوڑھے ہے غمزے دکھانے لگے — کہ ڈھل ڈھل کے جوبن پہ آنے لگے
نکل آئی پردہ سے بنتِ عنب — صراحی کی گردن اٹھے خاک اب
رچے رنگ مے میں شرابی تمام — گلابی ہوئی ہے گلابی تمام
خم مے یکایک ابلنے لگے — صراحی سے شعلے نکلنے لگے
منایا ہے رندوں نے یہ جشن عام — کہ ہر بزم میں رقص کرتا ہے جام
ترے دم سے اے ساقی جم تبار — وہی انجمن ہے وہی نوبہار
پرانی روش پر ہے تازہ چمن — نئے جوش پر ہے شراب کہن
بہار آئی اک دھوم سی مچ گئی — عروس چمن رنگ میں رچ گئی
طیور سحر خیز شیریں نوا — نسیم دل آویز عشرت فزا
اٹھی موج مے بن کے باد سحر — روش پر گری شاخ گل جھوم کر
وہ شوخی نسیم خوش آہنگ میں — کہ ہر نقش گل کھنچ گیا رنگ میں
گزرتی ہے جو پتیوں سے ہوا — نکلتی ہے کیسی سریلی صدا
جو گاتے ہیں مرغان شیریں زباں — بجاتے ہیں برگ شجر تالیاں
عنادل جو ہوتے ہیں نغمہ سرا — انہیں آس دیتی ہے موج صبا
ہوا نشہ میں سنسناتی ہوئی — بہکتی ہوئی لڑکھڑاتی ہوئی
کبھی نغمہ زن طائرانِ سحر — کبھی گنگناتے ہیں برگ شجر
جو سے پیالے کی اٹکھیلیاں — کہ اٹھتی ہے موج مے ارغواں

یہ جوش بہار اور یہ کاہلی
سلامت رہے تیری دریا دلی

پلا بھر کے مے ساغر نور میں
جگہ دے مجھے چشم مخمور میں

یہ مقبول ہو بادہ نوشی مری
کرے زہد حلقہ بگوشی مری

اُٹھا دے یہ پردہ محبت کا جوش
کہ دامان رحمت ہو خود عیب پوش

بہی ندیاں نشہ میں نور کی
اندھیرے میں سوجھی بہت دور کی

جدا میرے لب سے لب خم نہو
بھٹکنے میں بھی راستہ گم نہ ہو

اولڈ بوائے اسٹور

اولڈ بوائے کئی ماہ کے انتظار کے بعد اپنی باقاعدہ بے قاعدگی کے ساتھ وصول ہوا۔ اسٹور پر کے متعلق مضامین دیکھکر معلوم ہوا کہ پھر باسی کڑھی میں ابال آیا ہے۔

میں نے جو اسکیم مرتب کر کے پیش کی تھی میرے خیال میں وہ ایسی تھی کہ اگر کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی ذرا دلچسپی سے کام لیکر اس پر عمل کرتا تو کوئی صورت نقصان کی نہ تھی۔ اولڈ بوائز اور موجودہ طلبا، سب کو اس بات کا کافی تجربہ ہے کہ لباس کی تیاری کتابوں اور دیگر سامان کی فراہمی میں انہیں کسقدر زحمت گوارا کرنا پڑی ہے۔ تجارت کا یہ کھلا راز ہے کہ جب مانگ پوری کر دی جائے تو کوئی اندیشہ نقصان کا نہیں ہوتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے انکی مانگ نہیں ہے۔

میں نے اپنی اسکیم میں یہ عرض کیا تھا کہ جس طرح علم و تہذیب کے لیے علیگڑھ

سرچشمہ مانا جاتا ہے اسی طرح تجارت (جس سے میری مراد مسلمانوں کی تجارت ہے) کا مرکز بھی یہی ہونا چاہیئے۔

میرے خیال میں قطع نظر آرام و مالی فائدہ کے یہ ایک بڑا فائدہ اس سے حاصل ہو سکتا ہے کہ جن نوجوانوں کا رجحان طبع تعلیم کی طرف نہو انہیں کوئی ہنر یا پیشہ سکھانے کا یہ عمدہ ذریعہ ہوگا۔ اگر ہمت و استقلال سے کام لیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ آیندہ برقی قوت سے کام لیکر تمام بورڈنگ کی روشنی و پنکھوں کا انتظام کیا جا سکے اور اسکے ساتھ ایک ورکشاپ بھی قایم کر دیا جائے۔ جہاں الکٹرسٹی کی عملی تعلیم دیجا سکے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس وقت تو یہ خیال دیوانے کی بڑ معلوم ہوگا لیکن جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے ہمت و استقلال سے کام لینے پر یہ امر دشوار نہیں ہے۔

میں نے اپنی اسکیم میں عرض کیا تھا کہ فروخت حصص میں جہانتک ہو سکے سہولت خریداروں کے لیے رکھی جائے۔ میں اس تجویز سے بالکل متفق ہوں کہ عسے کا سرمایہ ہوجا ے پر کام شروع کر دیا جائے۔

اگر یہ ہوں سو دا ثر کا سا جوش نہیں ہے اور درحقیقت اسپارہ میں کوشش کرنا مقصود ہے تو بسم اللہ کہکر کھڑے ہو جائے۔ کوئی صاحب اس کام پر آمادہ ہو جائیں اور فروخت حصص کا بندوبست کریں۔ بورڈ آف ڈایرکٹرس منتخب ہو اور کام شروع کر دیا جائے۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر میں کسی کام کے قابل سمجھا جاؤں تو میں نہایت خوشی سے ایک دو ماہ کے لیے رخصت لیکر اس کام کو چلا کر دکھا سکتا ہوں۔

اگر اب بھی کوئی لیس و پیش ہے اور زیادہ اطمینان کرنے کی خواہش ہے تو میری رائے میں ایک کمیٹی ابتدائی تجاویز پر غور کرنے کے لیے قائم کی جائے جس میں اصحاب ذیل ضرور شریک ہوں۔

(۱) میر ولایت حسین صاحب بی اے۔

(۲) شوکت علی خاں صاحب "

(۳) محمد علی خاں صاحب

(۴) برادر شاہی عمارت والہ۔

(۵) سید لائق حسین صاحب۔

اگر ایک وقت میں سب صاحبوں کا ایک جا جمع ہونا ناممکن ہو تو براہ کرم مجھے ان حضرات کے نام سے مطلع فرمائیے جو اس سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ یا ایسے حضرات براہ کرم خود اپنی تجاویز سے مجھے ممنون فرمائیں۔ اور اسکے متعلق ابتدائی امور خط و کتابت سے طے کر کے اولڈ بوائے میں شائع کردونگا۔ شاہی عمارت والا

ہماری بہبود کے وسائل

ذیل میں ہم آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی اُس تقریر کو درج کرتے ہیں جو اُنھوں نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعے پر بہ مقام لکھنو کی تھی۔ یہ تقریر تین حصوں پر منقسم ہے جس میں سے حصہ اوّل ہم اس پرچہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ خالص اسلامی تمدن کے انحطاط کے جو وجوہ خواجہ صاحب نے بیان فرمائے ہیں ہمیں اُنسے لفظ بلفظ اتفاق ہے ہم تمام مسلمانوں کو خواجہ صاحب کے اس فقرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ ہمکو سادہ تمدن کی ضرورت ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنے جسم اور طاقت کی حفاظت کے لیے جائز اور نہایت ضروری خرچ کے سوا باقی سب

فضول لغزچیاں چھوڑ دیں" ہمکو اپنے کالج کے تعلیم یافتہ اصحاب سے خصوصیت کے ساتھ یہ امید ہے کہ وہ ان الفاظ کو اپنا دستور العمل بنانے میں دوسروں پر سبقت لیجائینگے۔ اڈیٹر

یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبونہ ویحبھم اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین (ترجمہ) اے مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے (تو کوئی پرواہ نہیں) آگے جا کر ایک زمانہ آئیگا کہ خدا ایک قوم کو اُٹھائے گا۔ جو خدا سے محبت رکھیگی اور خدا اُنسے محبت رکھیگا یہ لوگ مومنوں کے لیے منکسر مزاج اور منکروں کے لیے سخت ہونگے۔

حضرات! ہر قوم میں بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جنکی دانشمندی اور لیاقت کی تعریف صرف اُنکی قوم اور ملک تک محدود نہیں ہوتی بلکہ جہاں جہاں اُنکا کلام یا اُن کے خیالات پہنچے ہیں سب لوگ اُنکے سامنے ادب سے سر جھکاتے ہیں۔ انھیں چیدہ اور خاص آدمیوں میں شیراز کا وہ بزرگ اور مسلمانوں کا وہ شاندار منشی اور معلم اخلاق شاعر گزرا ہے جو سعدی کے نام سے ایشیا کے علم ادب و شاعری اور فلسفۂ علمی میں ہمیشہ ممتاز رہیگا ہز ہائنس سر آغا خاں جو اس وقت موجود ہیں اگرچہ ہمارے لیے موجب فخر ہیں لیکن اُنکے لیے بھی یہ امر فخر کا باعث ہے کہ وہ سعدی کے ہموطن ہیں۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ بلقان کے علاقہ میں اُنسے اور ایک عابد سے ملاقات ہوئی عابد سے اُنہوں نے فرمایش کی کہ ایسی نصیحت کیجئے اور ایسا اصول بتایئے کہ طبیعت سے جہالت دور ہو ؎

در خاک بلقاں برسیدم بعابدے
گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن،

اس کا جواب اُس عابد نے کسقدر پاکیزہ دیا ہے ؎

گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ ۔۔۔ یا ہر چہ خواندہ ہمہ در زیر خاک کن

ناتربیت یافتہ اور وحشی انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے جذبات اُس پر حاکم ہوتے ہیں اور جس طرف اُسکو چاہتے ہیں لیجاتے ہیں۔ اُس کی خواہشیں دم بدم بدلتی رہتی ہیں اور اُسکو یہ یاد نہیں رہتا دیا اسقدر دور اندیشی اُس میں نہیں ہوتی کہ سمجھ سکے) کہ اب میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اور جس جذبہ کو پورا کر رہا ہوں اُس کی وجہ سے کل ایک سخت نقصان میں مبتلا ہونگا۔ اور اُس سے اور بھی زیادہ ضروری کام نہ کر سکونگا۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں کلام الٰہی میں آیا ہے۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (اعراف) اُنکے دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اُن کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ اُنکے کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر۔ دیکھنے میں وہی خواہشیں وہی ضرورتیں وہی اُمنگیں وہی حاجتیں وحشیوں میں ہیں جو مہذب آدمیوں میں ہیں بلکہ حیوان میں بھی وہی ہیں اور نہ صرف دیکھنے میں بلکہ حقیقتاً نیچر نے بعینہ وہی باتیں دونوں میں رکھی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ حیوان یا وحشی یا ناتربیت یافتہ انسان ان خواہشوں کو مغلوب کر کے اُن کو اپنے لیے ایک مفید آلہ نہیں بنا سکتا۔ مہذب آدمی انہیں خواہشوں کو دبا کر اُنسے بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔ بلقان جہاں اب بلند نظری کیوجہ سے گھمسان کا رن پڑ رہا ہے اور درندہ صفت انسان شہنشاہ امن و امان مسیح ابن مریم علی نبینا و علیہ السلام کے نام سے اُس ملک کو مذبح بنا رہے ہیں۔ اسی بلقان کے ایک یا فرضی عابد نے یہ رمز بتایا ہے کہ تربیت نفس بغیر تحمل یا غم کھانے کے حاصل نہیں ہوتی اس تمہید کو میں اس لیے بیان کرتا ہوں کہ آپکو بہت زیادہ تحمل اور بردباری کی اور خیالات سابقہ کو برکنار رکھنے کی ضرورت ہوگی تب آپ میری اس تقریر کو سن سکینگے کیونکہ میں اپنی باتیں سہل طور پر کہنا چاہتا ہوں نہ کہ رمز و اشارہ میں اور چونکہ میرے خیالات کسی خاص فرقہ کے تابع نہونگے اسلیے ممکن ہے کہ اکثر لوگ اُنکو پسند نکریں

جو جماعتیں خلاف طبع یا سابقہ خیالات کے برخلاف امور سننے سے گریز کرتی ہیں وہ ایک نامبارک سٹرک پر چل رہی ہیں اور جو جماعتیں ہر قسم کی نکتہ چینی سننے کے لیے تیار ہیں وہ مبارک رستے پر ہیں ؎

گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ
یا ہرچہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

حضرات! مسلمانوں کی بہبود کے وسائل بتاتے بتاتے لوگ تھک گئے اور کہتے کہتے باتوں کا اثر ہی جاتا رہا۔ مگر میں اس تقریر میں ایک خاص بات پر زور دونگا اور دوسرے مسائل اور وسائل کو صرف ضمنی طور پر آخر میں بتاؤنگا تاکہ دیگر مسائل کی اہمیت کو بھی لوگ فراموش نکریں۔

اسلام ایک نظام تمدنی وروحانی ہے جس کی بنیاد ازلی و ابدی قوانین اور حکیمانہ اصولوں پر ہے اُس میں روحانیت ہے اُس میں خاص عقائد ہیں نیز اُس میں صفائی یا پاکیزگی کے جزوی احکام معاملات کے قوانین عبادات کے طریقے میل جول اور ملاقات کے قواعد ہیں۔ اس میں چند باتیں ایسی لابدی ہیں جن کے انکار سے آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں اختلاف اور آزادی رائے کی گنجایش ہے باوجود بے حد اختلافات کے اُس میں ایک جزو مشترک ایسا ہے جس سے آدمی فوراً پہچانا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اُس جزو مشترک کا کمزور ہونا اسلام کی کمزوری ہے اور اُس شناخت کا جاتا رہنا سب سے بڑی اسلامی تباہی اور قومی شکست ہے۔

آنحضرت (علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام) نے جب عربوں کو اسلام کی تلقین شروع کی تو باوجودیکہ قوم عرب اور حجاز کے بعض مقامات میں تہذیب و تمدن کی کچھ علامات موجود تھے اور عرب کے بعض قبائل میں قوت اور زندگی کے آثار پائے جاتے تھے لیکن واقعاً اسقدر لاکھوں باتیں سکھانے کی آپکو ضرورت تھی اور اتنی باتیں سکھائی گئیں

کہ اُن پر غور کرنے اور اُن پر احاطہ کرنے سے لائق سے لائق انسان کا دماغ متحیر اور عقل خیرہ ہو جاتی ہے۔ اسکے متعلق مجھے ایک مخالف نکتہ چین پروفیسر ہال گو ئتہ کا قول یاد آتا ہے جس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ صرف آیت ذیل کی بابت اگر مجکو یقین ہو کہ بغیر تعلیم واثرات انسانی کے یہ تخیلات جو اس آیت میں شامل ہیں محمد (روحی فداہ) نے نکالے ہیں تو میں اُنکو روئے زمین کا سب سے بڑا انسان ماننے پر تیار ہوں۔

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق۔ اقراء و ربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

اس اولین آیت قرآن کی متعلق اس پروفیسر کا استعجاب بالکل بجا ہے۔ کسقدر کلیات اس میں ہیں۔ قرأت۔ اسم۔ رب۔ خلق۔ خلق الانسان اور خود انسان۔ انسانی ترقی ابتدائی کیڑے کی حالت سے یعنی خلق الانسان من علق۔ خدا کے اخلاقی کمال یعنی رب اکرم کا تصور پھر علم اور قلم اور تعلیم بالقلم کا خیال اور تعلیم الانسان کا تصور ماعلم (جو جانتا ہے) اور مالم یعلم (جو نہیں جانتا) اس کا امتیاز۔

مگر میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ آنحضرت کی تعلیم ایسی وسیع ہے کہ بہت سے بڑے بڑے دماغ اُس کے پوری طور پر سمجھنے اور قدر کرنے اور سمجھانے کے قابل بغیر توفیقات الٰہی اور ملکۂ فطری کے نہیں ہو سکتے توم بنا سکے جو اصول ہمارے رسول نے اپنی زندگی میں سمجھائے ہیں صرف اُنھیں کو سمجھانے اور بتانے کے کے لیے بڑے سے بڑے مدبرین اپنی زندگی وقف کر سکتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ معمولی انسان ہو، بادشاہ ہو، نبی ہو، اپنے کاموں میں بغیر استعمال وسائل کوئی عملی نتیجہ نہیں دکھا سکتا۔ آنحضرت کو انسانی وسائل کی ضرورت تھی اور جو وسائل آپ کے سامنے تھے اُنکی لیاقت اور درک اور مادہ قابل کے مطابق اس فخر رسل نے کام لیا اور جس میں جو ملکہ مخفی تھا اُسکی تکمیل کی۔

خاص خاص مصالح سے کچھ لوگ کچھ ہی ظاہر کریں۔ مگر اثر صحبت اور فیض رسالت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ اثر جو ایسا زبردست تھا کہ بد اور خبیث آدمیوں پر بھی پڑا اور نیکوکاروں پر بھی۔ نہایت درجہ مقناطیسی بلکہ روحانی اثر تھا۔ اُس کی ایک ادنیٰ مثال میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

عرب میں کاتب بہت کم تھے لکھنے کے ماہر ایسے ہی کمیاب تھے جیسے کہ آجکل بے تار کی تار برقی جاننے والے ہندوستان میں بہت کم ہیں۔ اسلیے جو شخص اچھا بُرا ملجاتا بلالحاظ اُسکی ایمانی یا روحانی حالت کے کاتب وحی کا کام اُس سے لیا جاتا تھا کیونکہ بسا اوقات معتبر صحابہ یا اہبیت جو کتابت کا کام جانتے تھے ضروریات کیوجہ سے باہر جانے پر مجبور تھے۔ چنانچہ ایک شخص جس کا نام شاید حکم ابن عاص تھا کتابت وحی پر مقرر تھا۔ وحی (جو مثل ایک سرچشمۂ فیض اور ایک روحانی سلسلہ مثل بے تار بجلی کے خالق اور مخلوق کے درمیان ہے) رسالتمآب پر آرہی تھی آیت ذیل حضرت پر نازل ہوئی لقد خلقنا الانسان من سللة من طین۔ کاتب برابر لکھتا جاتا تھا جب آیت ختم ہوئی اور آپ اگلی آیت بتانیوالے تھے تو یکایک کاتب کی زبان سے نکلا فتبارك الله احسن الخالقین۔ آپ نے فرمایا کہ درست ہے اسی طرح وحی آئی ہے اسی کو لکھہ لو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور بھاگ گیا اور کافروں سے جاملا اور کہا کرتا تھا کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ نے تو خود میرا کلام قرآن میں لکھدیا ہے۔ وحی وغیرہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ یہ قصہ بالکل معتبر ہے اور جو لوگ علم باطنی اور قدرت الٰہی کے گوناگون ظہورات کے قائل نہیں وہ مجبور ہیں کہ ایسا ہی خیال کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نور کا زبردست چمکارہ اس شخص کے قلب پر پڑا اور اُچٹ کر یہ آیت قلب رسالتمآب سے اُس شخص کے قلب پر گری اور وہ چلا اُٹھا۔ مادہ قابل نہ رکھتا تھا۔ تنگ خیال اور ظاہر بیں اور شاید بدکاریوں کیوجہ سے سیاہ قلب بھی تھا اس رمز کو نہ سمجھہ سکا اور صحبت رسالتمآب سے مستفید نہ ہو سکا۔ میں نے یہ مثال اس غرض سے

دی کہ بہ قدر استعداد ہر شخص پر اثر ہوتا ہے۔ اب یہ اُس کی قابلیت یا حالات پر ہے
کہ وہ اُس سے فائدہ اُٹھائے یا نہ اُٹھائے۔ ابوجہل پر رسالت مآب کا اثر ضرور پڑتا اور
پڑا۔ مگر اُس کے دل میں تاریکی کی کرنیں (اگر میں برخلاف سائنس کے ایسا استعارہ
استعمال کرسکوں) اسقدر غالب تھیں کہ اُنکی وجہ سے نور کی کرنیں آچٹ گئیں بہت سے
آدمی آپکے فوق العادۃ حسن خلق سے۔ بہت سے جناب کی تدبیر مملکت سے بعض ملکہ
الہیئت و روحانیت سے مستفید ہوئے اور مجبور ہو کر قائل ہوئے۔ صرف للہیت کے
دو پہلوؤں کو مولنا حالی نے اپنی ایک رباعی میں لیا ہے۔ لیکن اس مضمون کو وسعت
دیکر تمام عالم کے علوم وحکم پر منطبق کر سکتے ہیں ؎

زہاد کو تو نے محوِ تمجید کیا عشاق کو مست لذت دید کیا
باقی نہ رہا خدا کا ساجھی کوئی توحید کو آکے تو نے توحید کیا

قوم بنانیکے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی اُن میں ایک چیز معاشرت کی سادگی تھی
اور ذاتی خواہشوں کو مجموعی خواہشوں کے تابع کرلینا یہی چیز ہے جس نے پچھلے بارہ
سال میں کئی قوموں کو بے حد سربرآوردہ کردیا ہے اس اصول پر عمل کرنا رسالتمآب نے
بدرجۂ اتم لوگوں کو سمجھایا۔ اگرچہ نومسلموں نے آخر زمانہ میں اپنی خواہشوں کو خواہش رسالتمآب
کے ماتحت کرنے میں پس وپیش کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے رسالتمآب کو ریاست
مدینہ کی نہایت مختصر آمدنی اور محدود خزانے میں سے پرانے اور اصلی مسلمانوں سے دو چند
وظیفہ دیکر نومسلموں کو راضی کرنا پڑا۔ مگر فخر رسل نے مسلمانوں کے کسی خام طبقے کو بھی دائرہ
اسلام سے نکلنے نہ دیا۔ اے کاش ہمارے مختلف فرقے بھی اس امر کو سمجھ لیں۔ الغرض آنحضرت
نے اسلامی تمدن کے شیرازہ کو قائم رکھنے کی غرض سے سب گروہوں کی خواہشات
کو معتدل فرمایا اور آخر زمانے میں بھی کوئی ایسی صاف ہدایت نہیں فرمائی جس سے یہ
ثابت ہوتا کہ آپکے بعد دنیادی اقتدار وحکومت قطعی طور پر کس شخص یا خاندان کے ہاتھ

میں آئے اگرچہ منجملہ اکابر عرب کے اکثر صنادید قریش اپنے اقتدارات کو عارضی طور پر آنحضرت کے ماتحت کرنے پر راضی تھے. لیکن بہت بڑی کثرت رائے اس طرف تھی کہ ہمیشہ کے لیے خاندانِ بنی ہاشم. خواہ اولاد رسول کی ابدی حکومت میں رہنا اور گمنام ماتحتوں کی سی زندگی بسر کرنا مناسب نہیں. لیکن حسن اتفاق سے معاملات کی باگ چند ایسے پُر مغز مدبروں کے ہاتھ میں آگئی تھی جنھوں نے ایک طرف عرب کو متفق رکھا اور دوسری طرف انکی توجہ غیر ممالک کی تسخیر کی طرف پھیر دی. تیسری اور سب سے زبردست بات یہ تھی کہ تمدن کی جو رفتار رسالتآب نے قائم کی تھی انھوں نے اُسی کو برقرار رکھا بلکہ ترقی دی. خاصکر حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی جن کا زمانۂ خلافت در اصل آنحضرت کے انتقال سے سمجھنا چاہیئے. آنحضرت کی اس تمدنی اور دینی رجحان پر قایم رہنے کے زبردست طرفدار تھے کہ عرب اور مسلمانوں میں سادگی باقی رہے اور فتوحات کی کثرت اور دولت کی بہتات اور بلند نظریوں کے بڑھنے سے عیش و عشرت اور حب زر کی مہلک خرابیاں اُنمیں نہ آجائیں اسلامی سادگی اور تمدن کے قیام کی خواہش ہی ایک بڑا جذبہ ایسا تھا جس کی وجہ سے رئیس اہلبیت اور برادر رسول نے بھی اکثر معاملات میں اس سادہ خلافت کی تائید کی جس نے اگرچہ خاندان رسول کو رعایا کا درجہ دیدیا لیکن اُس نے مسلمانوں کو بھی خالص امرائی حکومت کے محکوم ہونے سے بہت کچھ بچالیا. اسی مضبوط نظم و نسق اور سادگی اور چند سالہ اتفاق کا یہ ثمرہ ہوا کہ اسلامی تمدن نصف ایشیا و افریقہ پر بارہ برس کے عرصہ میں چھا گیا اور تقریباً سب قومیں جو اُس کے تحت میں آئیں اسلام میں داخل ہوگئیں اسلام کی روحانی حقیقت اور برکات سمجھنے کے لیے یہ قومیں تو کیا خود آنحضرت کے ساتھیوں میں شاید بارہ حضرات ہی بمشکل ملینگے اور بارہ تیرہ برس میں وہ اسلام کی حقیقت کو کیا سمجھتے جبکہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اسلامی حقیقت کو اُن قوموں نے بخوبی نہیں سمجھا.

بہرحال اسلام کی مشین نہایت زور سے چل رہی تھی کہ یکایک تمدنی حیثیت سے

اُسکو ایک خوفناک صدمہ پہونچا اور وہ یہ تھا کہ حکومت ایک ایسے مضبوط قبیلے کے ہاتھ
میں آگئی جس کے برائے نام سردار اور خلیفہ کیسے ہی نیک نفس تھے مگر اُس قبیلے کے رؤسا
آنحضرت صلعم کی دینی اور تمدنی تحریکات کے آخر عمر تک علانیہ خلاف رہے تھے اور وہ
بدرجۂ مجبوری اسلام لائے تھے۔ یہ قبیلہ زبردست تھا اُس نے یکایک نصف دنیا کی ایک
بڑی اور منتظم سلطنت پر قبضہ کرلیا اور وہ اس وسیع رقبہ پر اس سرے سے اُس سرے
تک محیط ہوگئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اکابر قریش وعرب نے خاندان رسالت کی حکومت قبول
کرنے سے آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد گویا انکار کر دیا تھا۔ مگر حکومت کے افسر ایسے
لوگ تھے جو آنحضرتؐ کی تحریک کے تمدنی پہلو اور قوم سازی کے اصولوں کو بخوبی
سمجھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں عدالت اور معاشرت میں سادگی
پر عمل کیا اور لوگوں سے کرایا۔ اور محض دولت کو حقارت سے دیکھا اور رئیس اہلبیت کو
اپنے شائستہ طرز عمل سے اپنا بہت کچھ حامی کرلیا جس حکومت کی کل عمرؓ جیسے منتظم اور مدبر
اور علیؓ جیسے صاحب علوم باطنی کے ہاتھ میں تھی وہ دیکھتے دیکھتے چند سال کے اندر مروان
ابن حکم کے ہاتھ میں آگئی۔ بدنظمیوں اور رشوت وظلم کا بازار گرم ہوگیا۔ اگرچہ انصاف یہ ہے
کہ بعد میں جو حالت ہوئی اُس وقت اس کے پاسنگ بھی سختی نہ تھی۔ مگر لوگ اتنے ظلم کے
بھی عادی نہ تھے اس وقت سے مسلمانوں میں علانیہ پھوٹ پڑنی شروع ہوئی رئیس اہلبیت
کی ہمدردی بھی جو اس شرط کے ساتھ تھی کہ سادگی کا طریقہ جاری رہے اور دولت سے
لوگ مست نہوں اس حکومت سے جاتی رہی۔ حضرت عثمانؓ کے افسوسناک واقعہ کے بعد
جو ۸۲ برس کی عمر میں عمداً کرایا گیا تاکہ بستر مرگ پر اُن کی موت واقع ہوجانے سے حکومت
باسانی ابن عم رسول تک نہ جاسکے۔ اب اسلامی تمدن اور سادگی کے مخالفوں اور آزاد
خیالی اور عیش وعشرت کے طالبوں اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر مقدم سمجھنے والوں کو
جن کی تعداد ہر زمانے میں بہت خاصی تھی۔ مگر وہ مصلحت وقت سے دبے ہوئے تھے

ایک کافی بہانہ ہاتھ آیا پچھلے بارہ سال میں جو دولت وحکومت اُن کے ہاتھ آئی تھی اُس سے اُنھوں نے قوی دل ہو کر خاندان رسالت کے افسر کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ کیونکہ یہ روسائے قبیلہ مساوات کے عمل سے بہت خائف ہو رہے تھے۔ عوام الناس اور نومسلم روپیہ کے خرچ اور غلط بیانیوں سے اُن مرکزوں میں جو مدینہ منورہ سے دور تھے موافق کر لیے گئے اور اسلام کی یکجہتی۔ اتفاق اور روحانی اور مادی قوا کے مجتمع کرنے کا جو موقع ملا تھا وہ ہمیشہ کے لیے غارت کر دیا گیا۔ اور جو آخری امیدیں باقی تھیں اور جن لوگوں سے باقی تھیں وہ دشت کربلا کے پرخون میدان میں ایسے ظلم وستم وبے ادبی اور ناخداترسی کے واقعات کے ساتھ گم کر دی گئیں کہ اُن واقعات کو دیکھتے (اگرچہ یہ بدعات صرف ظاہری مسلمانوں نے کیں) اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر دائمی دھبہ لگ گیا۔ عام مسلمان بھی اس بات سے بے خبر نہیں ہیں کہ یہ دھبہ ہے اور اسی کو مٹانے کے لیے محرم میں شہدائے کربلا کی عظمت زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

آجکل کے فقہی اختلافات کی رو سے حسین ابن علی اور اُن کے ہمراہی نہ سُنّی تھے نہ شیعہ۔ بلکہ سب کے مقتدا تھے۔ اُنکے قاتل بھی نہ سنّی تھے نہ شیعہ۔ لیکن یہ واقعہ ہرگز نہ ہوتا اگر دونوں کے اسلاف اور اکابر فرزند رسول کی مدد کرتے۔ لہذا میں کسی گروہ یا فرقہ کو مستثنیٰ کرنیکے لیے تیار نہیں ہوں روحانی نکبت اس واقعہ کی سب تک پہونچ رہی ہے آرام طلبی کو سب نے ترجیح دی ہے اس واقعہ ہائلہ کربلا کے اثر سے آل سفیان تو چار ہی سال میں تباہ ہو گئے اور یزید کے نوجوان پسر نے اس آتشی شعلوں کی حکومت کو دور ہی سے سلام کیا۔ مگر اب آل مروان کا دخل ہوا۔ انصافاً تاریخ کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اگرچہ عبدالملک ابن مروان (جس کے ہاتھ معرکۂ کربلا کے خون بلکہ مشورہ تک سے پاک تھے) ایسی اسلامی سادگی قایم نہ کر سکا جو ابتدا میں تھی اور نہ وہ کافی عدالت پر عمل کر سکا۔ مگر اُس نے نظم ونسق کو مکمل ابتدائی نمونوں پر بہت کچھ قائم کیا اور اُس کی اولاد میں سے بعض

دیگر فرمانرواؤں نے بھی مروان کے نام کو چمکایا۔ چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز اسلامی سادگی کو قائم کرنے کی دھن میں ختم کر دیئے گئے لیکن چونکہ بنی مروان بنی امیہ میں سے تھے اور بنی امیہ کی ایک سربرآوردہ شاخ پیغمبر عربی کے نواسوں کا خون علی الاعلان بہا چکی تھی اس لیے عام میلان اس خاندان کے خلاف ہی رہا۔ بنی ہاشم کے چند ہوشیار لوگوں نے اس مخالفانہ جوش سے فائدہ اُٹھا کر دولت عباسیہ قائم کی مگر عجم کے سازشی دماغ اور خراسان کے تازہ دم حبشیوں کی مدد سے۔ اس حکومت میں نہ خلافت ابتدائی کی سادگی و عدالت تھی اور نہ آل رسول کا کامل تقویٰ اور روحانیت پائی جاتی تھی۔ نہ اس حکومت میں بنی امیہ کے بعض خلفا کا سا انتظام و جبروت تھا اور نہ وہ خالص عربی حکومت قائم رہی تھی۔ چند پشتوں تک تو اس کا دبدبہ عم رسول کی اولاد ہونے کیوجہ سے بظاہر قائم رہا۔ مگر عربی سادگی جا چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اول عجم کے ہاتھ میں پھر کُردوں اور ترکوں کے ہاتھ میں آگئی جو غلام تھے۔ اس زمانہ میں رشوت اور ظلم اور عیش و عشرت کا دورہ تھا۔ اسلامی تمدن اُس وقت سے آجتک برائے نام رہا۔ اس زمانہ سے صرف ناول پڑھنے والے یا الف لیلہ کی داستانوں کو معراج تہذیب کا زمانہ سمجھنے ولے خوش ہو سکتے ہیں۔ اسی زمانہ میں یہ بدعت جاری ہوئی کہ علاوہ سلطنت کے جرائم کے مذہبی عقائد کی وجہ سے لوگوں کو سخت سزائیں ملنے لگیں جس کا چسکا آجتک بھی ہم سے نہیں گیا۔ انجمن اتحاد ترقی نے اس میں اب اصلاح کی تھی۔ اس زمانہ کی ایک خاص علامت یہ تھی کہ مسائل فقہ تو کجا عقائد تک بادشاہوں اور خاندانوں کی مصالح کے موافق بدلے جانے لگے۔ وہ قریش جو سوا سو سال پہلے آل رسول کی اطاعت سے اسوجہ سے ناخوش تھے کہ قریشی نسل کسی سے کم نہیں ہے اور وہی حکومت کی سزاوار ہے غلاموں کی محکوم ہوگئی اور اسلامی مرکز حکومت غلاموں اور خواجہ سراؤں کی سازشوں کے ماتحت مدت تک رہا

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ طوائف الملوکی کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ بہت سے خاندان کھڑے ہوگئے جو حکومت کے دعویدار تھے مغلوں اور چنگیز خانیوں کو عروج ہوا۔ اس پریشان بلند نظری نے عربی مرکزیت کو ہمیشہ کے لیے فنا کردیا۔ یہ حالت اس وجہ سے ہوئی کہ اب مسلمان پہلے جیسے نہیں رہے تھے اور عم رسول کی اولاد کی وقعت اُن میں بس اسقدر باقی تھی کہ اُن کا نام مٹانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ورنہ ماموں کے بعد ہی سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ ؎

وہ دل ہیں قوی اور نہ وہ بازو ہیں توانا
بس کوچ کا اب سمجھو کہ آپہونچا زمانا

غرضکہ اسلامی سادہ تمدن کے نہونے کی وجہ سے پچھلے تیرہ سو برس کے اندر مسلمانوں کی ظاہری حکومت توجگہ جگہ رہی۔ مگر واقعی اسلامی حکومت کہیں نہ رہی۔ اس کے تاریخی وجوہات واسباب کا اگر میں کھوج لگاؤں تو پوری ایک کتاب ہوجائیگی مگر یہ سب واقعات ایک قصے کی شرح ہیں۔ غالباً یہ مشہور روایت اکثر تفسیروں میں اور غالباً روح المعانی علامہ الوسی میں بھی ہے۔ جنگ احد کا قصہ معروف ہے مسلمانوں کی یہ حالت آنحضرت نے ملاحظہ فرمائی کہ وہ مال غنیمت دیکھکر بیتاب ہوگئے اور خلاف حکم رسول لوٹ میں مصروف ہوگئے اور جس گھاٹی سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا اُسکو چھوڑ دیا۔ کفار قریش نے لپشت کی جانب سے حملہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان گھبرا گئے اور بجز چند کے ثابت قدم نہ رہ سکے اور اُنکو سخت شکست ہوئی مگر دشمن محض اپنی حماقت سے یا مسلمانوں کے مقدر کی خوبی سے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے رہ گئے تاہم باوجود بھاگ جانے اور شکست پانے کے اسلام سے کوئی شخص یا کوئی جماعت منحرف نہیں ہوئی۔ عالم رویا میں رسالتمآب کے سامنے امت محمدی کی تمام حالت مستقبلہ لائی گئی۔ آپ نے بعد ملاحظہ کے فرمایا کہ میں اس سے

تو مطمئن ہوا کہ میری اُمت شرک اور بت پرستی کی طرف نہ لوٹیگی۔ مگر دنیا کی محبت اس پر غالب رہیگی۔

یہ مسلمانوں کی تیرہ سو سال کی تاریخ کا خلاصہ ہے اُنہوں نے یہ سبق تو بیشک سیکھ لیا ہے کہ خدا ایک ہے۔ مگر دنیا کی آسودگی اور طمطراق کی خواہش نے اعلیٰ اصول اور اعلیٰ نصب العین خیال کو اُن کے دلوں سے فراموش کر دیا ہے۔ انجام یہ ہوا کہ ظاہری شان و شوکت بھی آہستہ آہستہ اُن سے رخصت ہونے لگی اور رخصت ہو رہی ہے۔ جس چیز کی خاطر اُنہوں نے قرآنی تعلیم اسلامی اخوت و ہمدردی کو چھوڑا وہ چیز بھی ہاتھ سے گئی اور یہ بھی ۵

ہم سے خود دنیا ہی بیتائی نہ حالی ورنہ ماں
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

پس اس سوال کے جواب میں کہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے۔ میں کہونگا کہ سادہ تمدن کی ضرورت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے جسم اور طاقت کیلئے جائز اور نہایت ضروری خرچ کے سوا باقی سب فضولیات چھوڑ دیں اور اس کی وجوہات میں نہایت کثرت سے بتا سکتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جب سے ہم نے سادہ تمدن چھوڑا ہے اُس وقت سے ہم برابر گرتے چلے آتے ہیں اور جب کبھی خیر و برکت نے رجوع کیا تو یہ سادہ تمدن کی عارضی واپسی سے ہوا ہے۔

(۲) ہمارے خرچیلے اور شاندار تمدن نے ہماری قوم کے اکثر اکابر علما، مدبرین سلطنت اور واعظین کو دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ خرچ لازم ہے وہ آئے کہاں سے۔ وہ جھوٹ سے۔ دھوکے سے۔ پبلک کے غلط جذبات کی خوشامد سے، بادشاہ اور امرا کی ناجائز حمایت سے اور خلائق کے حقوق کو تلف کرنے سے حاصل ہوا اور حاصل ہوتا ہے۔

(۳) اسلامی حکومتوں کی تباہی اسی خرچیلے نظام تمدن سے ہوئی۔ رشوت ستانی اور

دولت سے اپنا گھر بھرنے اور فرنگستان کی غلط اور بیجا تقلید نے ہمکو اس قابل نہ رکھا کہ بغیر بے ایمانی کے ہم عزت سے بسر کرسکیں اسی وجہ سے مصر ٹرکی اور ایران تباہ ہوئے۔ اس موضوع پر اگر کوئی شخص چاہے تو ایک کتاب لکھ سکتا ہے۔

(۴) ایشیا میں نمایشی تمدن ہم نے ایران سے سیکھا۔ اس تمدن کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہی اہل ایران ظلم وستم اور بدکاری کا شکار بنے ہوئے تھے۔ جو خراب حالت ایران کی اب ہے اس سے زیادہ خراب حالت اسلام کے حملے سے پہلے ہو چکی تھی۔ اس تمدن نے ایران کے جاہ وجلال میں ظاہری ترقی کردی تھی مگر درپردہ ملک ایسا کمزور اور خراب ہو گیا تھا کہ عرب کی چند فوجوں نے اتنی بڑی اور اسقدر قدیم اور عظیم الشان سلطنت کو اس طرح اُلٹ دیا جیسا کہ اسلام سے ہزار سال پہلے سکندر اعظم کے چند ہزار سپاہیوں نے اُلٹ دیا تھا۔

(۵) اس نمایشی تمدن کی تائید میں فرنگستان کی مثال پیش کیجاتی ہے۔ مگر یہ مثال کئی وجہ سے غلط ہے۔ اول اسلیے کہ فرنگستان کا تمدن سرد ملکوں کا تمدن ہے جہاں خرچ زیادہ رکھنا لازم ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کا تمول اور ہمارا تمول ایک سانس میں بیان کرنیکے قابل نہیں ہے۔ وہاں اوسط آمدنی ہم سے دہ چند ہے۔ نیویارک یا لنڈن کے کروڑپتی سوداگر ہمارے تمام ملک کو جس میں تیس کروڑ باشندے ہیں خرید سکتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ یورپ کا اکثر خرچ آمدنی بڑھانیکے لیے ہوتا ہے اور ہمارا اکثر خرچ ہماری آمدنی کم کرنے کے لیے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ یورپ کی سب باتیں قابل تقلید نہیں ہیں۔ وہاں بھی ذی فہم آدمی وہاں کی سب چیزوں کو اچھا نہیں کہتے۔ برخلاف اسکے وہاں کے مصلحین ان سب خرابیوں کو محسوس کر رہے ہیں جو اس تمدن کی جڑ میں ایک خوفناک گڑھا کھود رہی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی ترقی یافتہ قوم کے عیوب بھی ہنر معلوم ہوا کرتے ہیں مگر دانشمند اہل ملک کا کام ہے کہ وہ عوام کو اُن عیوب سے بچانے کی فکر کرتے رہیں

مثلاً جاپان ایک نہایت ترقی یافتہ قوم ہے اور چند برسوں میں اس نے حیرت انگیز عملی ترقی کی ہے لیکن وہاں سود کا لین دین کثرت سے ہے کیا ایسے مسلمان ملینگے جو اس باب میں جاپان کی تقلید گوارا کر سکیں۔ پس تقلید جس چیز کی ہو عقل سلیم کے مطابق ہونی چاہیے

(۶) خود مسلمانوں میں نمود اور ظاہر پرستی کا مرض مدت سے آیا ہوا ہے۔ عجم کی تقلید اور زوال سلطنت کے دور نے جس میں بہت سے فواحش جاری تھے اس میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ اس حالت میں اُن کو ایک سادہ تمدن کے سکھانے کی ضرورت ہے۔ نہ کہ پیچیدہ اور پُرشکوہ زندگی کی جس کے وہ پہلے ہی سے دلدادہ ہو رہے ہیں۔

حضرات اسی نمایشی تمدن اور تہذیب کے غلط معیار نے قاہرہ، طہران اور اسلامبول پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہ مسلمانوں کی رہی سہی دولت کو برباد کرتا جاتا ہے۔ ذرائع معاش کی توسیع بغیر سرمایہ ممکن نہیں۔ سرمایہ نمایش میں صرف ہو جاتا ہے۔ کچھ پس انداز نہیں ہوتا تجارت، زراعت، صنعت و حرفت کے کارخانے کھولنا، غربا کی تعلیم کے لیے مدارس جاری کرنا کیسے ہو، اگر بے غرتی سے روپیہ حاصل کر کے اُس کو فواحش میں صرف کرنا ہی مقبول ہے تو اس سے اسلام پر الزام آتا ہے جس نے ابتدا سے دولت، طاقت اور لیاقت سب کو بطور امانت اپنے اور خلائق کی بہبود کے لیے خرچ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

الغرض آرام طلبی اور عیش اور نمایش کی زندگی سے ایک قلم نفرت کرنے کی ضرورت ہے مگر جب سادہ معاشرت کی عزت آپکے دلوں میں پیدا ہو گی اور جھوٹ کا غلبہ رہے گا اُسوقت تک یہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زید میں اتنی استطاعت نہیں کہ وہ ریل کے دوسرے درجے یا انٹر میں سفر کر سکے۔ اُس کے دوست آشنا بھی عموماً جانتے ہیں کہ وہ زیادہ کرایہ دیتا ہے تو اپنے عزیزوں پر بار ہوتا ہے۔ یا اُن کی حق تلفی کرتا ہے۔ یا مقروض ہوتا ہے یا ضروری قومی کاموں میں روپیہ خرچ نہیں کر سکتا۔ باوجود اس کے لوگ زید کی عزت اُس کے درجۂ سفر یا کپڑوں سے کرینگے۔ گرچہ اور اصلی قوموں میں ایسا نہیں

ہوتا، اسی غلط مسابقت اور ایک دوسرے سے مصائب میں بڑھ جانے کی خواہش نے وہ حالت کردی ہے جسکی تصویر مولانا حالی نے اس شعر میں کھینچی ہے۔

صورتیں تونے بدل دیں مسخ کردیں سیرتیں
آبرو تونے ڈبودی کھودیا تونے وقار

مسلمانوں کے پولیٹکل زوال کی ابتدا روپیہ کی خواہش تھی جبکہ آنحضرت کی رحلت سے بیس پچیس سال کے اندر رشوتوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے گورنر ٹوٹنے لگے اور موجودہ زوال بھی اسی حب جاہ اور حب زر اور آرام طلبی سے ہوا۔ کہیں اسمٰعیل پاشا رسابق خدیو مصر) کی فضول خرچی نے ایسے ملک کو عملاً رہن کردیا جس کا رقبہ پندرہ لاکھ میل مربع ہے کہیں مظفر الدین شاہ مرحوم کے اسراف نے ملک کو قرضہ کا زیر بار کرکے اُسکے لیے قبر کھود دی اور موجودہ ایرانی نسل کی آرام طلبی اور حب زر کی خواہش نے بہترین جذبات سے بدترین کام لیئے۔ کہیں سلطان عبد العزیز خاں مرحوم کے بے حد اخراجات نے انقلاب کی بنیاد ڈالی اور فضول خرچ اور رشوت خوار عمال اور حکام نے عہد حمیدی میں اور اس زمانہ میں وہ کام کئے جنکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسلام کی سادگی سے انحراف فرانس کی غلط تقلید اور یورپ کی جھوٹی شاگردی سے صرف چار ملک باقی تھے جن کا گودا اب کھایا جاچکا ہے صرف اوپر کا خول باقی ہے۔

ان سب خرابیوں کے دور کرنے کے لیے اگر آپ مجھ سے سوال کرینگے تو میں مکرر یہی کہونگا کہ سادہ تمدن اختیار کرو کیونکہ اپنی ضرورتوں کو ہم جسقدر مختصر کرینگے اُسیقدر ہم میں حریت اور اولوالعزمی زیادہ ہوگی اور خوشامد کم ہوگی۔ تھوڑے روپیہ سے بہت کام لے سکینگے اپنی ضرورتوں سے سرمایہ بچا کر اُسکو ایسے کاموں میں لگا سکینگے جن سے ہم دین و دنیا میں ممتاز ہوں اور اطمینان قلب حاصل کرسکیں۔ نفس امارہ کو زیر کرنیکے لیے یہ بہترین صلاح ہے جو دی جاسکتی ہے، اُسوقت ہم ان النفس لامارۃ بالسوٓ

الا ما رحم ربی میں سے استثنا، ما رحم ربی میں داخل ہو سکیں گے اور اپنے تئیں بہادر اور شجاع کہہ سکیں گے اور سمجھ سکیں گے ؎

عنان باز پیچان ز نفس حرام
بہ مردی ز رستم گزشتند و سام

(باقی آیندہ)

تنقید

اتالیق

اس نام کا ایک رسالہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے کچھ عرصہ ہوتا ہے شائع کیا گیا ہے۔ موضوع اس کا خوردسال بچوں کی تعلیم ہے اور مصنف اس کے سید مخدوم عالم صاحب بار ہروی ہیں۔ ہماری رائے میں ابتک جتنی کتابیں زبان اُردو میں بچوں کی تعلیم کے لیے رائج ہیں اُن میں سے کسی کو "اتالیق" پر فوقیت حاصل نہیں ہے اسلام کے ابتدائی عقائد بچوں کے فرائض، بزرگان دین کے بچپن کے حالات اور چند اخلاقی قصے اور نظمیں ایسی سہل اور سلیس عبارت میں لکھی گئی ہیں جنکو از بر کر لینے میں بچوں کو بالکل دقت نہیں ہو سکتی اور اُسکے ساتھ ہی اس کا بھی التزام کیا گیا ہے کہ اُنکی دلچسپی یکساں قایم رہے۔ فاضل مصنف کو اس کے صلہ میں کانفرنس کی طرف سے مبلغ ۵۰ انعام کے بھی دیئے گئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب بہت مقبول ہو گی قیمت اس رسالے کی چار آنہ ہے اور کانفرنس آفس سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

جوابِ شکوہ

حضرت اقبال کا "شکوہ" عرصہ ہوا، شائع ہو چکا ہے اور ہمارے ناظرین بہ خوبی اُس سے واقف ہونگے۔ حال میں اُنکی دوسری نظم "جواب شکوہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ پہلی نظم میں بندوں کی طرف سے خدا کی شکایت کی گئی تھی، دوسری نظم میں خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کیا ہے، چاہیئے تھا کہ نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوتا۔ مگر جواب شکوہ بالکل اسکے برعکس ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی شاعری اسی لحاظ سے کہ اُس میں اسلامی جذبات کی جھلک پائی جاتی ہے ہندوستان میں بہت زیادہ مقبول ہو رہی ہے اور اس وجہ سے ہمارے نزدیک اُسے صحیح تنقید کی ضرورت ہے۔ ایک زمانہ میں جب حضرت اقبال کی شہرت کی ابتدا تھی تو اُردو کے بعض مضمون نگاروں نے اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی تھی اور ہم نے اُس زمانہ میں دیکھا تھا کہ اقبال نے زبان اور محاوروں کے صحت استعمال میں عمدہ ترقی کی تھی۔ ولایت سے واپس آنیکے بعد جتنی نظمیں اُنھوں نے لکھی ہیں اُن پر علی العموم کسی قسم کی تنقید نہیں ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ حضرت اقبال کی شاعری زبان اُردو کے قیود سے آزاد ہو کر "بے زبانی" کے مدارج کو طے کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

جب کبھی ہم اپنے کسی پنجابی دوست سے اقبال کی شاعری کے اس نقص کے متعلق کچھ کہتے ہیں تو وہ بے دھڑک کہہ اُٹھتا ہے کہ "آپ للہ زبان اُردو کو اسقدر پابندیوں میں تو نہ جکڑیئے کہ ہم ادائے مطلب سے بھی قاصر رہیں"، اسکا جواب تو صرف اتنا کافی ہے کہ، "للہ اُسے اتنا آزاد بھی نکر دیجئے کہ زبان اُردو کی خصوصیات اور خوبیاں ہی جاتی رہیں"۔

بالفعل اس اصولی بحث سے علحدہ ہو کر صرف "جواب شکوہ" کے ہم اُن اشعار کی

طرف متوجہ ہوتے ہیں جنکی وجہ سے ہم نے یہ چند سطور لکھے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

بند دوم

جب مئے درد سے ہو خلقت شاعر مدہوش، آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشور دل میں ہوں خاموش خیالوں کے خروش چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش

قید دستور سے بالا ہے مگر دل میرا
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا

جس عرق ریزی اور کوشش سے اتنی فارسی ترکیبیں اکٹھا کر کے یہ بند پورا کیا گیا ہے اس کا مقابلہ جسوقت اُس معنی سے کیا جاتا ہے جو کوشش وکاوش کے بعد پیدا ہوتا ہے تو شعر فصاحت وبلاغت دونوں کے مدارج سے کہیں آگے چیستان ومعما کے درجوں کو طے کرتا ہوا مہملیت کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تیسرے مصرعہ میں "خاموش خیالوں کے خروش" شاید انگریزی صنعت آلٹریشن پیدا کرنیکے لیے لکھا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ "خیال" کی صفت "خاموش" محض زائد ہے اور "خموشی اور خروش" کا اجتماع محال ہے۔ اور اگر خروش بہ معنی ہجوم ہے تو غلط ہے۔ چوتھے مصرع کا ربط مصرعہائے اولی وبعد سے بالکل مفقود ہے۔ ٹیپ کے بند میں "دل" کو "قید دستور سے" آزاد بنایا ہے۔ حالانکہ "دستور" کے قیود سے ہر ایک کا دل آزاد ہوتا ہے کچھ حضرت اقبال ہی پر منحصر نہیں ہے۔ دستور کی پابندی خارجی اُمور میں برتی جاتی ہے نہ کہ قلبی اُمور میں۔ مثلاً یہ کہ ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم دستور شاعری کے قیود سے آزاد ہے۔

بند نہم

کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے ÷ قوم دنیا میں یہی احمد بے میم کی ہے

معلوم نہیں ڈاکٹر اقبال احمد بے میم سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اگر "احد" یعنی خدا مقصود ہے تو قوم کی اضافت اس کی طرف بے معنی ہوئی جاتی ہے۔ اور اگر رسول خدا مراد ہیں

تو "بے میم" محض برائے بیت رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس موقع پر یہ فقرہ استعمال کیا گیا ہے وہ اُس کا اصلی موقع نہیں۔ اور اس وجہ سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔

بند دہم

کشورِ ہند میں کلیہ ناکام کا بت ہے ۔۔۔ عربستان میں شفاخانہ اسلام کا بت
اور لندن میں عبادت کدۂ عام کا بت ۔۔۔ لیگ والوں نے تراشا ہے بڑی نام کا بت

بادہ آشام نئے۔ بادہ نیا خُم بھی نئے
یعنی کعبہ بھی نیا۔ بت بھی نئے تم بھی نئے

یہ وہ باتیں ہیں جو خدا اپنے بندوں کو۔ مخاطب کرکے کہہ رہا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ گزارش ہے اُس کی شان بے نیازی والو ہیت سے یہ بہت گری ہوئی ہیں۔ مولویت کو علیحدہ رکھکر بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بات سخت ناموزوں معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں صرف اتنے لیے خفا ہیں کہ تم یونیورسٹی کے لیے کیوں بیکار کوشش کر رہے ہو یا جدہ میں شفاخانہ یا لنڈن میں مسجد کی تعمیر کے کیوں پیچھے پڑے ہو۔ حکمائے قدیم میں اکثر فلاسفر اس بات کے قائل تھے کہ خدا مدرک کلیات ہے اور جزئیات کا اُسے بالکل علم نہیں اس اعتقاد کی بنیاد غور کرنے سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے نزدیک ادراک جزئیات سے اُس کی شان ارفع ہے۔ تعجب ہے جو ڈاکٹر صاحب نے اس نکتہ پر نظر نہیں رکھا۔ ادراک کا مسئلہ تو خیر بحث طلب ہے مگر اتنا تو ہر ایک اس بند کو پڑھکر محسوس کر سکتا ہے کہ اُن اُمور کو جو عارضی طور پر آج کل معرض بحث میں آ رہے ہیں جنہیں غالباً ڈاکٹر اقبال کی رائے دوسروں کی رایوں سے مختلف ہے، خدائے عز و جل کی خفگی کی وجہ قرار دینا شاعر کی تنگ نظری پر دلالت کرتا ہے۔ "کلیہ" کیساتھ "ناکام" کی تخصیص اور "لیگ" کے ذکر نے مذاق کو اور بھی پست کر دیا ہے۔ حالیؔ کا شعر ہے۔

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے۔ الخ۔

واضح ہو کہ بول بالا ہونا یا کرنا ایک فعل مرکب ہے۔ اور مرکب امتزاجی ہے ایسے محاورات میں الفاظ کو متفرق کر کے بولنا یا لکھنا ناجائز ہے۔

ان چند اشعار کے علاوہ جو ہمنے بطور نمونہ کے یہاں لکھے ہیں۔ اس نظم میں اور بھی ایسی کمزوریاں ہیں جو خاص توجہ کی محتاج ہیں۔

(۱) جا و بیجا ہر شئے کو شراب سے تشبیہ دینا۔ مثلاً۔ مئے درد۔ مئے فریاد۔ مئی ذوق تن آسانی

(۲) بلاضرورت فارسی ترکیبوں اور دور از کار استعارات کا استعمال جیسے۔

ع نازش موسم گل لالہ صحرائی۔

ع نسخۂ فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک۔

ع اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا۔

ع گُل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی۔

ع نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفان ہوگا۔

(۳) شروع سے لیکر اخیر تک پوری نظم کا مذاق بہت ہی پست ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ اُس میں خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کیا ہے۔

م۔ ف۔

اولڈ بوائز

(۱)

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ نواب سربلند جنگ بہادر نے حیدر آباد سے وظیفہ مقرر کرنے کے بعد الہ آباد میں بیرسٹری شروع کی ہے۔ یہیں سے وہ حیدر آباد گئے تھے۔ نواب صاحب ہمارے کالج کے سب سے پہلے طالب علموں میں ہیں اور گو انھیں ہمارے

ایسوسی ایشن میں فضل تقدیم حاصل نہیں لیکن ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ اس جانب بھی توجہ فرمائینگے۔

مسٹر محمد نصیر صاحب بی اے (علیگ) گریجویٹ ہونے کے بعد سے ابتک اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے سیکنڈ ماسٹر (اور کبھی قایم مقام ہیڈ ماسٹر) رہے ہیں۔ اب ہمارے ناظرین کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ وہ اپنے وطن پنجاب میں منصفی کے لیے نامزد ہو گئے ہیں۔ ہمیں اُنکی ذات سے اُمید ہے کہ وہ جہاں رہیں گے قومی خدمت کو اپنا شعار بنائیں گے۔ ہمارے لیے یہ بھی کچھ کم مسرت انگیز امر نہیں ہے کہ مسٹر نصیر کے خدمات کا جائزہ مسٹر مہدی حسن لیں گے جو ہمارے کالج کے گریجویٹ ہیں اور جوالہ آباد میں تعلیمی خدمات کے متعلق ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔

مسٹر عبدالرحیم بی اے جو ہمارے کالج میں ایم اے (عربی) کی تعلیم حاصل کر رہے تھے فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں۔

مسٹر صابر علیخاں شروانی۔ ایم۔ اے ایل ایل بی وغیرہ وغیرہ کانپور کے پروبیشنری ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے ہیں اور خبر ہے کہ اب اُن میں اور مسٹر سید مسعود الحسن میں خوب گاڑھی چھنتی ہے۔ یقین ہے کہ اس خوشی میں مسٹر شروانی ہمیں اور کالج کو فراموش نہ کرینگے اور ہمارے قرضہ کی پہلی قسط جہاں تک جلد ہو سکے گا روانہ کر دیں گے۔ نہیں تو ہم ہیں اور "عدالت اولڈ بوائز"

اس سال مرتبہ سالِ نو کے خطابات میں ہمیں تین اولڈ بوائز کے نام بھی نظر

آتے ہیں۔ ان میں ایک تو ہمارے کالج کے اولین طلبا کی یادگار مولوی میر سید حسین صاحب جوڈیشنل ممبر ریاست ٹونک ہیں اور دوسرے مقبول حسین صاحب قدوائی وزیر مال ریاست کشمیر اور خوشی محمد خاں ناظر گورنر کشمیر ہیں۔ میر صاحب کو خان بہادری کا خطاب ملا ہے اور باقی دو صاحبوں کو خان صاحبی کے خطابات سے عزت دی گئی ہے۔ ہم اس موقع پر اپنے ان عزیز دوستوں کو مبارک باد دیتے ہیں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ خطابات ان کے درجہ سے بہت نیچے ہیں۔

ہمارے دوست صاحبزادہ شمشاد احمد خاں صاحب خلف الصدق صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب ولایت سے بیرسٹری اور بی اے کے امتحانات پاس کرکے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ ہم مسٹر شمشاد کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُن سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے نامور والد کے نقش قدم پر چلکر کالج اور قوم کے لیے مفید ثابت ہونگے۔

مسٹر سید محمد رضی صاحب کو قدرتی طور پر تعلیم و تعلم سے شوق ہے اُنھوں نے حال ہی میں پریکٹیکل ٹرانسلیشن سیریز کے دو حصے ترتیب دیکر ملک کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اور ابھی کئی حصے باقی ہیں کتاب کی ترتیب میں ہمارے مکرم دوست نے علاوہ زبان کے خیال کے یہ لحاظ بھی رکھا ہے کہ بچوں کو اخلاقی سبق؛ جن کی ملک کو بے حد ضرورت ہے ان کتابوں کے ذریعہ سے حاصل ہوسکیں۔ ان کتابوں کی قیمت عہ ہے اور اخبار ذوالقرنین بدایوں کے دفتر سے دستیاب ہوتی ہیں۔

ترکی افسر کا دہوکہ

بھائی شمشاد ولایت سے بیرسٹری اور بی اے کے امتحانات پاس کرکے واپس آگئے اور تازہ ولایت ہونیکے سبب دلچسپ قصے حکایتوں اور روایتوں کا بالکل نیا جال ان ساتھ لیتے آئے ہیں منجملہ اُنکے ایک ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے یقین ہے ہر ایک کو دلچسپی ہوگی۔

راست و دروغ برگردن راوی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن صاحب بجنوری جو آجکل یورپ میں تعلیم پا رہے ہیں قسطنطینہ بغرض سیر و تفریح گئے ہوے تھے۔ اسی زمانے میں بلقان کی جنگ شروع ہو گئی۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے آپکی صورت بالکل ایک ترکی افسر کے مشابہ تھی واپسی کے وقت ایک یونانی جاسوس نے اپنی گورنمنٹ کو اطلاع دی کہ فلاں جہاز پر فلاں ترکی افسر جنینہ کی فوجوں کو لڑانے کے لیے جا رہا ہے اُسے راستہ ہی میں گرفتار کرلینا چاہیے بندرگاہ پیبار (ملک یونان) سے گزرتے وقت جہاز روک لیا گیا۔ یونانی فوج کے افسر نے کیبن میں پہونچکر عبدالرحمٰن صاحب کو فوجی سلام دیا اور ساتھ ہی یہ خبر سنائی کہ آپ اسوقت سے یونانی گورنمنٹ کے قیدی ہیں۔ ہمارے دوست نے ہرچند کوشش کی کہ اپنی بریت کے ثبوت دیں مگر ایک کارگر نہ ہوا۔ بالآخر انگریزی سفیر کو اطلاع دی اور باوجود اسکی کہ سفیر مذکور نے اپنی تشفی کرنیکے بعد تصدیق بھی کی پھر بھی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ بہرحال شاہی قیدی کی حیثیت سے ایک ہوٹل میں ٹہرائے گئے جو صرف ہمارے مشتبہ ترکی افسر کے قیام کے لیے بالکل خالی کرالیا گیا تھا اور جس کے ہر چہار طرف فوجی پہرہ تھا۔ دو روز جب برطانیہ کے صیغہ خارجہ کی طرف سے یونانی حکومت کے خیال سے اشتباہ کا پردہ اُٹھایا گیا تو ہمارے دوست کو رہائی دی گئی اور جرمانہ میں ایک اسپشل ٹرین پر سوار کرکے اگلے بندرگاہ تک پہونچا دیئے گئے جہاں اُنھیں اپنا جہاز ملگیا۔ اور اسطرح بھائی بجنوری کی دو دن کی ترکی فوج کی افسری کا خاتمہ ہوا ۔

رشک آتا ہے کہ وہ شخص ہمیں کیوں نہ ہوئے
نظام الدین سقائی کے بعد دنیا کی تاریخ میں یہ دوسرا واقعہ ہے۔ یقین ہے کہ مورخین اس کو معتبر سمجھکر اپنے صفحات ضرور نوٹ کریں گے۔

کون اولڈبوائے ہوگا جو سرفراز خاں صاحب سے ناواقف ہوگا۔ آپ کی ہماری ہر کم شان ماشاء اللہ انتظام امور کالج کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح گھڑی کے ساتھ لنگر یا عمارت کے ساتھ سنگ بنیاد خصوصاً جب سے محکمہ تعمیرات کا چارج آپ نے لیا ہے اُس وقت سے ابعاد ثلثہ میں چشم بد در خاصی ترقی ہوگئی ہے۔ مگر سب سے بڑی ترقی جو ہم سب کے لیے مسرت بخش ہے وہ یہ کہ ایک روز جب سرفراز سے ہم ملنے کے لئے گئے تو غیر معمولی طور پر کچھ گھبرائے ہوئے۔ کچھ خوش اور کچھ شرمائے ہوئے بیٹھے تھے۔ بہ اصرار تمام دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں فرزند ارجمند تولد ہوا ہے۔ ہم تمام اولڈبوائز کی طرف سے اپنے ہر دلعزیز جوائنٹ سکرٹری کو مبارک باد دیتے ہیں۔

جو لوگ خدا کی خدمت کرتے ہیں خدا انکو ضرور اجر عظیم دیتا ہے۔ ہمارے عزیز مسٹر محمد علی اس وقت سر تا پا قومی خدمت میں منہمک ہیں۔ پھر دیکھیے کہ اُن کا اور اُن کے اعزہ کا گھر بھی خصوصیت کے ساتھ مورد رحمت ہو رہا ہے۔ رامپور کے خطوط سے ہکو معلوم ہوا کہ علی التواتر اس گھر پر سوا پھر نور برستا رہا۔ سب سے پہلے اُن کے بڑے بھائی اور ہمارے کالج کے اولڈبوائے مسٹر ذوالفقار خاں کے یہاں لڑکی تولد ہوئی۔ چند دنوں کے بعد مسٹر محمد علی کے یہاں چوتھی لڑکی پیدا ہوئی اور ابھی اس نور کا اُجالا دھیما بھی نہیں پڑا پڑا تھا کہ اُن کے بھائی مسٹر فاروق علی کے یہاں بھی نور برسا۔ ہم اس برگزیدہ خاندان کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اس موقعے پر یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر محمد علی

جس زمانے میں ہمارے اسکول میں تعلیم پاتے تھے تو انہوں نے بارہا یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ خدا مجھے سات لڑکیاں دے۔ قیاس کہتا ہے کہ دعا ضرور قبول ہوئی اور بھائی محمد علی نے ایمان بالغیب کے اصول پر ساتوں نام بھی پیشگی تجویز کر لیے ہیں۔ اس لڑکی کا نام گلنار بانو ہے۔

ایک اور خبر ہے جس سے ہمارے ناظرین کو تعجب اور خوشی دونوں ہو گی۔ مسٹر محمد یعقوب اطلاع دیتے ہیں اور مسٹر مسعود الحسن اور آنریبل مسٹر علی رضا الصدیق فرماتے ہیں کہ بالآخر مسٹر ابو الحسن (بیرسٹر ایٹ لا مراد آباد) کی واقعی شادی ہو گئی۔ ہمکو ہرگز یقین نہ ہوتا۔ مگر کیا کریں کہ اس مرتبہ راوی معتبر اور گواہ ثقہ ہیں۔ ہم اپنے عزیز دوست کو سچے دل سے مبارک باد دیتے ہیں۔

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ پروفیسر عبد المجید صاحب قریشی کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ آل قریش میں یہ مزید اضافہ ہمارے لیے بہمہ وجوہ مسرت بخش ہے مگر معلوم نہیں ہمارے کرم فرمانے کس مصلحت کی بنیاد پر ہم سے یہ خبر پوشیدہ رکھی۔ ہم اُن کے اطمینان کے لیے یہ لکھ دینا چاہتے ہیں کہ ایسی خوشی کے موقعوں پر ہم جو کبھی کبھی مٹھائیوں کی فرمائش کر دیتے ہیں اُس سے صرف اظہار نیازمندی مقصود ہوتا ہے ورنہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے ہنوز اس قسم کا کوئی ٹکس نہیں تجویز کیا ہے۔

اولڈ بوائے

جلد ۳ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۶

اڈیٹر

مسٹر شوکت علی بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام جناب مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبوعہ احمدی پریس واقع علیگڈھ

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈہ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُس کے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہرطرح کوشاں رہنا۔ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اور اس۔

(۲) اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اور اس کو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) اولڈبوائز ایسوسی ایشن اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا کہ مادر مہربان کے خدمتگزاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط کتابت دربارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر اولڈبوائے" علیگڈہ سے ہونی چاہیئے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر" اولڈبوائے علیگڈہ ہونا چاہیئے اسیطرح ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلہ کے لئے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈبوائے ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔ سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُولڈبوائے

ہمارے بہبود کے وسائل

میں نے اس اعتراض کو بجا اس واسطے کہا ہے کہ جب تک میرے پورے خیالات معلوم نہ ہوں ضرور یہ کہا جائے گا کہ یہ رائے ناقص ہے مگر میں جہاں زندگی کی سادگی پر زور دیتا ہوں وہاں صفائی اور پاکیزگی کو بھی لازم سمجھتا ہوں جو اسلام کا جزو اور عبادت کا وہ ضروری حصہ ہے جس کے بغیر عبادت کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ میرے خیال میں اصلی سادگی ہی کے ساتھ پاکیزگی ہو سکتی ہے اور زندگی کی ظاہری پاکیزگی سادگی ہی کی وجہ سے ترقی کر سکتی ہے۔ بہت سے بڑے بڑے طمطراق والے لوگ بائبل کے محاورہ کے مطابق چونے قلعی کی لپی ہوئی قبریں ہیں جن میں خراب نعشیں بھری ہوئی ہیں۔

دوسری چیز جو ہمکو یورپ سے لینی چاہئے وہ ہر کام میں نظم و نسق ہے یورپ سے اسلئے کہ اس کا سبق ہم نے سب سے اوّل فراموش کر دیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ نظم و نسق ہمیشہ صحیح

دماغ اور مستعد قلب کا نتیجہ ہوتا ہے اور کسی چیز میں محض نمایش سے نظم ونسق نہیں ہو سکتا. نظم ونسق سے اُسی کام کو جس کو پانچ آدمی نہایت بے ترتیبی سے اور بُری طرح کر سکتے ہیں ایک یا دو آدمی بہ اطمینان انجام دے سکتے ہیں. اسی سادگی اور نظم ونسق سے یورپ میں مزدوری پیشہ انجمنیں اور غریب آدمی وہ کام کر سکتے ہیں جو ہماری بڑی بڑی سلطنتیں نہیں کر سکتی ہیں اسی نظم ونسق کا نہ ہونا اور سادگی کا فقدان اس بات کا باعث ہے کہ کسی فوج کا تو کیا آپ آریہ سماج کا مقابلہ باوجود کثرت تعداد۔ افراط ثروت ۔لیاقت علمی کی ہیبات اور روایات واعتبار کی زیادتی کے نہیں کر سکتے۔ حالانکہ آپ ہندوستان میں جتنے کروڑ ہیں وہ اُتنے لاکھ بھی نہیں ہیں۔ آپ کی بڑی تعلیم گاہیں جسقدر خرچ میں جتنے آدمی پیدا کرتی ہیں اصول کفایت ونظم ونسق پر عمل کرنے سے اُسقدر خرچ میں اُس سے دہ چند فوائد مترتب ہو سکتے ہیں اگر تاریخ پر آپ غور کرینگے تو جو قومیں اور جو اشخاص بڑھے ہیں اُنھوں نے انھیں دونوں اصولوں پر عمل کرنے سے فوقیت حاصل کی ہے ان دونوں اصولوں یعنی سادگی اور نظم ونسق کی بنیاد زمانہ رسالتمآب میں ڈالی گئی تھی۔ اُن پر جسقدر عرصہ تک عملدرآمد رہا ہماری قوم زبردست رہی ملاحظہ کیجئے تاریخ خلافت کے ابتدائی زمانہ کی۔ عبدالملک ابن مروان کے عہد کی۔ تیمور کے زمانہ کی۔ نادر کے زمانہ کی۔ سکندر لودی اور شیر شاہ کے زمانہ کی اور سالارجنگ اوّل کے زمانہ کی۔ دوسری طرف ملاحظہ کیجئے نظم کی ابتری وفضولخرچی آل سفیان و بنی عباس اور آخر کے سلاطین ایران کی۔ اورنگ زیب کے بعد مغلیہ خاندان کی اور خاندان شجاع الدولہ کے بعد سعادت علیخاں کے دور کی۔

اسلام کا ثلث حصہ قواعد عبادات سے متعلق ہے اور ثلث نظم ونسق سے عبادت بھی بندوں کو خالق سے ملانے کا جتنا ذریعہ ہے اُسیقدر اُنکو باہم منسلک کرنے اور انسانی یکجہتی پیدا کرنے کا آلہ قرار دیگئی ہے۔ حج۔ زکوٰۃ۔ نماز جماعت۔ نماز جمعہ۔ روزہ، فطر اور کفارہ صیام یہ سب ہمکو منتظم کرنے کے ذریعے بھی ہیں اور ہمارا تعلق خدا سے پیدا

کرینکے وسیلے بھی ہیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یہ حکم جس طرح ایثار علی النفس اور امداد باہمی کا سبق سکھاتا ہے اسی طرح وہ خدا ترسی اور جذبات کو دبانے کی ہدایت صاف صاف کرتا ہے۔

اسلام کا باقی تیسرا حصہ معبود کی عظمت و حقیقت معرفت الٰہی کے حصول، فطرت کے مطالعہ قدرت سے سبق سیکھنے اور علوم کو حاصل کرنے کی اور اُنسے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب سے بھرا ہوا ہے۔ نیز وہ خاصان خدا سے ہدایت حاصل کرنے اور اُنسے تعلق پیدا کرنے کی ہدایت کرتا ہے

علاوہ نظم و نسق کے جو واقعی طور سے اسلام کی حقیقت میں نمایاں ہے ایک اور چیز ہے جو اسلام کی حقانیت اور حقیقت میں پنہاں ہے اور وہ مطالعہ فطرت اور قدرت کے علوم و حکم کا حاصل کرنا ہے۔ کما قال عز و جل هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ. مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ. إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ. إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ. أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ جو لوگ خدا سے ملاقات کا یقین نہیں کرتے اور جو لوگ قدرت کے نشانات سے غافل ہیں اس آیت میں اُن سب کا ماوی جہنم بنایا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ باوجود مولانا حالی کی دلفریب ور مبالغہ آمیز نظم کے دعاوی اور مولانا شبلی قبلہ کی نجتہ اور مورخانہ نثر کے تفاخر کے مسلمانوں نے سائنس کی طرف کسی زمانہ میں بجز علم طب کے کوئی توجہ نہیں کی۔ خاصکر پچھلے چارسو سال میں تو وہ طفل مکتب سے بھی بدتر رہ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کا ہر متنفس بادشاہ سے لیکر گدا تک دوسروں کا محتاج ہے۔ ہم لوگ نہ عمدہ اور کارآمد سامان اپنی حفاظت کا بنا سکتے ہیں نہ علمی طریقہ سے زراعت کرسکتے ہیں نہ جہازرانی اور جہازسازی کا فن جانتے ہیں۔ نہ سامان آسائش مہیا کرسکتے ہیں۔ نہ دولت بڑھا سکتے ہیں۔ نہ دولت پیدا کرسکتے ہیں۔ کچھ لوگ آپس میں اوپرسے اوپر کچھ اوچک لیتے ہیں اسی کو دولت پیدا کرنا اور جلب منفعت سمجھتے ہیں۔ نہریں بنانے یا پولیس کو قواعد سکھانے یا محاسبی کے قواعد ترتیب

دینے کے لیے جو قومیں آدمی نہ رکھتی ہوں وہ بھلا منظم قوموں کا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں یہ جو کچھ ٹوٹی پھوٹی حیثیت نظر آرہی ہے وہ بھی اس وجہ سے ہے کہ گروہ غالب کے حکما اور عقلا مناسب نہیں سمجھتے کہ خود غرضی اور جوع الارض کا مرض جو اُن پر طاری ہے وہ ایک دم کھل جائے۔ وہ آہستہ آہستہ زمین کو نگلنا اور ہضم کرنا چاہتے ہیں ورنہ کورو پانڈوں کی سی اٹھارہ کروڑ فوج اور رستم اور ہرکیولیز کی سی شجاعت بھی کچھ نہیں کرسکتی۔ پس یورپ سے صرف سائنس سیکھنا لازم ہے جس میں اُنہوں نے بے حد ترقی کی ہے۔ اور یورپ کی مثال سے فائدہ اُٹھا کر نظم ونسق جو اسلام کی جان ہے سیکھنا چاہیئے۔ وہ علوم اور سائنس جن کا حاصل کرنا لازم ہے تعداد میں بیشمار ہیں۔ مثلاً علم برق اور اُس کی شاخیں۔ علم کیمیا اور اُس کی شاخیں۔ علم طبقات الارض۔ علم معدنیات۔ علم فلاحت۔ ریاضیات اور اُس کی بیشمار شاخیں۔ علم جر ثقیل وغیرہ بہت سے علوم جو جدید مجوزہ یونیورسٹیوں کی فہرست میں زیب دہ صفحات ہیں پھر علم اقتصاد ہے۔ مختلف سائنس جو معاش میں مفید ہیں اور جن کی تعداد اگر ستر فرض کرلیا جائے تو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں بمشکل ستر آدمی ایسے ملیں گے جو ان علوم میں سے کسی ایک علم کے ماہر کہے جاسکیں پھر ان ستر میں سے اکثر ایسے ہونگے جو اصول علمی کے متعلق تو بہت وضاحت اور فصاحت سے باتیں کرینگے مگر نظری مسائل کو عملیات اور تجربات پر منطبق کرنے والا اُن میں شاید ایک شخص بھی پورا نہ اُترے۔ پس جہانتک ممکن ہو جان توڑ کر وہ علوم حاصل کرنے چاہئیں جن کا سیکھنا معاش کے لیے ضروری ہے۔

اب تک جو تقریریں میں نے کی اُس سے آپ کو تھوڑی سی کیفیت اُس دماغی افلاس کی معلوم ہوئی ہوگی جو مدت سے ہم پر طاری ہے۔ جو تجویزیں میں نے عرض کیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم یورپ سے طریقۂ نظم ونسق سیکھیں جو واقعی اسلام کا جزو ہے اور اصلی اسلامی سادگی پر قائم ہوں اور کثرت سے مفید علوم سیکھیں جن کے سیکھنے سے آدمی آزادانہ معاش پیدا کرسکیں اس پروگرام میں اصلاح تمدن۔ اصلاح اخلاق۔ اصلاح وترقی ذرائع معاش۔ تربیت دماغی

سب کچھ شامل ہے لیکن غور سے دیکھئے تو ابھی اصل اسلام سے ہم دور رہینگے۔ اب سے آٹھ۔ نو برس پہلے ہم خود جس غلطی میں مبتلا تھا اور جس غلطی میں ایران اور ٹرکی گے گویا کل آدمی اور ہندوستان کے کل سوچنے والے اور قومی کام کرنے والے شامل ہیں چاہیئے کہ اس غلطی سے ہم دور رہیں۔ وہ غلطی یہ ہے کہ عام طور پر مسلمان اسلامی ترقی یا قومی ترقی محض ظاہری شان و شوکت اور پولٹیکل اعزاز و غلبہ کو سمجھتے ہیں اگر ہم نے جدید علوم بھی حاصل کر لیے۔ نظم و نسق اور تمدن کو بھی سمجھ لیا۔ سادگی معاشرت کی وجہ سے دولت بھی مفید کاموں میں صرف کرنے لگے تب بھی ہم مسلمان نہونگے اور یہ ترقی اسلامی ترقی نہوگی۔ یہ اسباب جو میں نے عرض کئے بطور مواد اور مصالح کے ہیں۔ اصل چیز اور ہی ہے۔

مثلاً ہم کالج کی عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ اگر اینٹیں بھی موجود ہیں چونا بھی۔ پتھر بھی مزدور بھی زمین بھی ہے۔ نقشۂ عمارت بھی ہے۔ مگر ایک چیز نہیں ہے۔ یعنی کرۂ ہوائی جو سب چیزوں کی گرد ہے اور جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تو لاکھوں عقلا لاکھوں سال میں بھی ایک چھوٹی سی عمارت نہ بنا سکیں گے۔ برخلاف اس کے اگر گرد کا کرہ ہوائی موجود ہے اور تھوڑا سا مصالح اور چند معمار مہیا ہیں تو مختصر سی زمین پر چند روز میں ایک مکان کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے اور چند ماہ میں اس بنیاد پر ایک شاندار عمارت کھڑی ہو سکتی ہے ہم مسلمانوں سے دنیا کے مختلف حصوں میں جو مذہبی حرکتیں ترقی کے لیے پچھلے چند سال میں کی ہیں انمیں ایک بہت بڑی اور اہم غلطی تھی اور وہ ایسی مہلک غلطی ہے کہ مسلمان جب کبھی وہ غلطی کرینگے بُری طرح پچھاڑ کھا کر گرینگے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے عمل کے لیے کسی اسلامی کرۂ ہوائی کو فضول سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ توفیق الٰہی شامل ہوئی نہ یکے مسلمان اُس پر متفق ہوئے نہ اجانب مرعوب ہوئے نہ شیرازۂ اسلام مضبوط ہوا مسلمانوں نے چند سطحی سبق جو سیکھے تھے انکو رٹنا شروع کیا وہ یریدالآخرۃ کی جگہ یریدالدنیا پڑھ گئے۔ نہ اس لئے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ ہے بلکہ اسلیے کہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ حضرات یہ حالت قائم نہیں رہ سکتی اور

قائم رہنی نہیں چاہیئے اور موجودہ علامات سے پایا جاتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ حالت قائم نہیں رہیگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ کچھ کوشش کرنے والے ہر جگہ اس غرض کے لیے کھڑے ہوجائیں۔ اس وقت بموجب کلام الٰہی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا توفیق الٰہی ہمارے شامل حال ہوگی اور ایک دن میں نہیں مگر ایک دو نسل کے اندر تینوں طاقتیں یعنی عوام کی مادی طاقت۔ خواص کی عقلی طاقت اور روحانی طاقت متفق ہوجائے گی جیسا کہ کچھ مدت تک صدر اسلام تھا۔ مگر جب تک کہ موجودہ حالت کی طرح دین اور دنیا دونوں چیزیں جدا جدا سمجھی جاتی ہیں اس وقت تک کوئی کروٹ درست نہیں بیٹھیگی۔

اس اسلامی ماحول کو پیدا کرنے کے لئے چند شرطیں ہیں۔ اس کے لیے نہ زیادہ دھوم دھام کی ضرورت نہ غلط جوش کا اظہار مفید ہے۔ نہ اپنی غلط تعریفوں اور اغیار کی غلط ہجوؤں کی شراب سے بدمست ہونے یا بدمست کرنے کی حاجت ہے۔ نہ یورپ کی تقلید کی رو سے ڈارون یا سپنسر کی شاگردی درکار ہے۔ بلکہ اس یقین کی ضرورت ہے کہ واقعی اسلام خدا کا دین ہے اور قرآن اس کی کتاب ہے اور ایک دن آنیوالا ہے جبکہ یہ دین اپنی اعلیٰ قوت سے تمام عالم پر حاوی ہوگا هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (ترجمہ) وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں اور مخالفوں کو ناگوار گزری لہذا میں نہایت زور اور اصرار کے ساتھ عرض کرونگا کہ سچا مسلمان ہونیکے لیے اور شرطیں جو کچھ بھی ہوں۔ لیکن یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں بلا تردد پکا اور واثق یقین اس بات کا ہو کہ ایک دن تمام دنیا مذہب اسلام کے دائرہ میں ہوگی اور اگر کبھی ایسا بھی ہو کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چند سو رہ جائے یا ان کے پاس ایک چپہ بھی زمین نہ رہے تب بھی بمصداق کَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا (خدا کا وعدہ پورا ہوگا۔) اور بموجب قول الٰہی تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (تمہارے پروردگار کی

بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگی، اسلام ہی دنیا کا آخری اور زبردست مذہب ہوگا اور آندھی کے سخت جھونکے بظاہر کتنا ہی غبار اڑائیں لیکن اس مذہب راسخ کے ستون کو ایک لمحہ کے لیے نہیں ہلا سکتے۔ اسلام کتنا ہی غریب اور کمزور ہوجائے۔ مگر اُس سے زیادہ ضعیف نہیں ہوسکتا جبکہ متعدد مسلمان مع رسالت مآب کے کئی سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور روحانیت اور صداقت ہم میں سے کتنی ہی کم ہوجائے لیکن اس نازک وقت سے کم نہیں ہوسکتی جبکہ فرزند رسول نے ۶۱ھ میں بار بار ندا دی کہ آیا کوئی فریاد رس ہے جو ہماری فریاد کو پہونچے۔ مگر بجز اُن چند نفوس کے جو سب کٹ گئے کسی نے فریاد نہ سنی۔ پولٹیکل حیثیت سے ہماری کشتی کیسے ہی گرداب میں آپڑے مگر یہ حالت اُس سے بدتر نہیں ہوسکتی جبکہ ہلاکو کے لشکر نے بظاہر صفحۂ ہستی سے مسلمانی حکومت کا خاتمہ کردیا تھا۔ جو لوگ اس امید افزا زمانہ کے قائل نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ وہ ایسے مسلمان ہیں جیسے یورپ کے دو ثلث تعلیم یافتہ مسیحی دین عیسوی کو بطور فیشن کے قبول کرتے ہیں لیکن اُن کے دل میں کوئی یقین اس کی تعلیم پر نہیں ہے۔

اس زمانہ تک قدرت کا ہاتھ اور اسلام کی روحانی حقیقت آہستہ آہستہ ہم کو اپنے ساتھ لیجا رہی ہے چنانچہ جہاں جہاں اسلام بظاہر ضعیف اور منکوب معلوم ہوتا ہے اور جس نسبت سے اس میں ظاہری ضعف و نکبت آتی گئی ہے اُسی قدر دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی تعداد روزافزوں ترقی کرتی گئی ہے اور کرتی جاتی ہے اور یہ ترقی مختلف ممالک کی اوسط ترقی مردم شماری سے بہت زیادہ ہے۔ میرے اندازہ اور خیال میں اب سے دو سو برس قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۱ فیصدی سے زیادہ نہ ہوگی اب کسی طرح ۲۲ فیصدی سے کم نہیں ہیں۔ کم سے کم یہی رفتار ترقی کی چین میں اور اس سے بھی زیادہ تیز رفتار افریقہ میں رہی ہے مسلمانوں کا نمو اور تعداد کی افزونی صرف وسطے اور مغربی ایشیا میں رکی ہوئی ہے کیونکہ وہاں قدرت کو اُن کے پولٹیکل نقصان

کی تلافی کی ضرورت نہ تھی اور نہ غیر مسلم قومیں تھیں جو اسلام میں داخل ہوسکیں اور وہاں یوں بھی سیکڑوں سال سے مسلمان گھٹتے چلے آتے ہیں۔ اگر یہی رفتار اسلامی ترقی کی جاری رہی تو جس طرح ماہران علم اقتصاد فرانس مسلسل زوال مردم شماری سے یہ پیشین گوئی کرتے ہیں کہ فرانس ایک دن نہایت کمزور ریاست رہجائیگا۔ اس سے بھی زیادہ وثوق کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن قریب ہے جبکہ اسلامی جذبہ دنیا کی سب سے بڑی قوت ہوجائے گا اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو اس کے آگے سر جھکانا پڑے گا ؎

نہ ہر کہ ورزد زنار برد درخزانہ نشست

قادر مطلق کا حساب کتاب اور اس کے مصالح کا جاننا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ لیکن دو آیات ہمارے سامنے ہیں۔ ایک میں نے اسی تقریر کے شروع میں پڑھی ہے اور ایک مضمون کے اس سلسلے کے ابتدا میں ہم اس پیشین گوئی کا ظہور واقعات سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ روزافزوں تعداد ہمکو ایک اور زبردست سبق پڑھاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مصلحت الٰہی اس امر کو مقدم نہیں سمجھتی کہ سنی شیعہ اہل حدیث اور معتزلہ میں سے کوئی خاص فرقہ ممتاز ہے بلکہ یہ تعداد سب فرقوں کی بڑھ رہی ہے یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے اور آنحضرت کی دینی عظمت کو دل سے ماننے والے بلا امتیاز فرق بڑھ رہے ہیں پس ہمکو بھی بحیثیت مسلمان کے ہر فرقہ کی ترقی کو خوشی اور فراخ دلی کے ساتھ قبول کرنا چاہئیے اور دنیا کے بیشمار افتادہ مگر قابل زراعت اضلاع جو ہندوستان چین اور افریقہ میں اشاعت اسلام کے لیے پڑے ہوئے ان میں نہایت خوشی کے ساتھ تخم اسلام کی کاشت کریں اور ہر فرقہ کو خوشی سے اجازت دیں کہ باہم صلح و آشتی رکھکر اور بغیر آپس میں تصادم کئے مسیحی فرقوں کے مشنوں کو نمونہ قرار دیکر اپنے اپنے طریقے سے قائلان توحید کی تعداد بڑھائیں۔ اگر اب بھی ہم جزوی عداوت کو اپنا اصلی مقتدا بناتے رہے اور اسلام کی خدمت مقدم نہ سمجھی تو دین تو باقی رہیگا جیسا کہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آیندہ زمانے میں ایک قوم

کو پیدا کرے گا جو خدا سے محبت رکھیگی) لیکن ہمکو شرم اور غیرت کیوجہ سے خدا و رسول کو مُنہ دکھلانے کا موقع نہو گا اور یہ بات ثابت ہوجائیگی کہ ہمارے دماغ میں نہ قوت تدبر و سیاست ہی نہ ملکۂ روحانی بلکہ تعصبُ نفسانیت کے گندے کیڑے ہمارے دماغ کا بڑا عنصر بن گئے ہیں

اشاعت اسلام کے متعلق میں نے ایک مفصل اسکیم مدینۂ طیبہ میں بنائی ہے اور میں نے آہستہ آہستہ مختلف فرقوں کے اکابر سے اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ اس کا مختصر اشارہ میں اپنی بعض تقریروں میں کرچکا ہوں مگر اس مسئلہ کو بالفعل ہیں چھوڑتا ہوں اور علوم مغرب حاصل کرنے کی تجویز جو اس سلسلہ میں بعد سادگی معاشرت و نظم و نسق بطرز مغرب کے میں نے بتائی تھی اُس کے ایک پہلو پر یہاں نظر ڈالنی لازم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیوی ترقی کی اسکیم بھی جب تک کہ اُسکو عین دین سمجھکر نہ کیا جائے کامیاب نہیں ہوسکتی جہاں تک ہمارا مذہب سکھاتا ہی اس پست زندگی کے لیے اپنی کوششوں کو منحصر رکھنا اسلام سے بعید ہی

قُل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا۔

اب مجکو آخر میں یہ کہنا ہے کہ مغربی عملی سائنس جو مسلمانوں کو حاصل کرنی چاہئیں اُن کو بہ احسن وجوہ وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو اپنی زندگی اس کام کے لیے وقف کردیں وہ دو قسم کے لوگ ہوسکتے ہیں ایک وہ جو معاش سے فارغ البال ہیں۔ دوسرے وہ جنکی معاش کا بندوبست آپکو کرنا چاہیئے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہرحال بہت کم ہوگی قوم میں نئے علوم اور نئے خیالات صرف اُن ایک فی صدی یا پانچ فی ہزار آدمیوں سے جو تعلیم کے ذریعہ سے معاش پیدا کرتے ہیں یا معاش پیدا کرنا چاہتے ہیں کافی طور پر نہیں پھیل سکتے اور نہ ان لوگوں کو جو ملازمت یا وکالت کرتے ہیں علمی کام اور مطالعہ کی فرصت ملتی ہے۔ یہ علمی اور سائنٹفک تکمیل یونیوسٹی کے چند فیلو کرسکتے ہیں لیکن ان فیلوز کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ بذریعہ اپنی تحریر و تصنیف و لکچروں کے اپنی زبان کو مالامال کریں اور

ہر قسم کے علوم و حکم کا ذریعہ اس میں مہیا کریں جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں اسلام وحکمت بمقتضائے یعلمہم الکتاب والحکمہ مرادف ہیں اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے الحکمۃ ضالۃ المومن پس علم و حکم کو پھیلانا اسی وقت ممکن ہے جبکہ وہ اپنی زبان میں ہوں میں آپ سے نہایت عاجزی سے کہونگا کہ جلدی نہ کیجئے اور اس تجویز کی تضحیک اردو یونیورسٹی نام رکھکر قبل از وقت نہ کیجئے سوچئے سمجھئے اور صبر کیجئے۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نہ دینی پہلو سے اور نہ کسی اور پہلو سے میں مسلمانوں کی حالت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں پاتا ہماری قوم میں اس گئے گزرے زمانہ میں ایسے پکے مسلمان اور سچے ثابت قدم انسان موجود ہیں جیسے ہمارے محترم نواب وقار الملک بہادر ہیں وہ ایسے ہیں جنکی مثال میرے ناقص اندازہ میں نہ موجودہ ٹرکی۔ نہ ایران نہ مصر اور نہ مراکو مہیا کرسکتا ہے اور جن کے اصلی جذبات (جب تک خارجی اثرات سے رنگین نہوتے ہوں) واقعی قومی خیالات کا جوہر ہوتے ہیں ہمکو فخر ہے کہ قوم میں ایسا سردار موجود ہے اور ہماری دعا ہے کہ وہ کافی طاقت اور صحت کے ساتھ ابھی قومی معاملات پر حاوی رہیں۔ اُن کی تعریف میں وہ اشعار صادق آتے ہیں جو مولانا حالی نے اُنسے بھی بڑھکر انسان سرسید مرحوم کی شان میں فرمائے تھے۔ لیکن جہاں سرسید بلحاظ دماغی قابلیت اور موجد خیالات ہونے کے بے حد بلند تھے وہاں جو خاموش اور اسلامی چنگاری اُن کے جانشین کے قلب میں سلگتی رہی ویسی ہندوستان کے کسی اسلامی لیڈر میں نہیں ؎

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہونگے ہم میں بیچلر اور ماسٹر پیدا
مگر اے دوستو! یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں

میں اُن کو معصوم نہیں سمجھتا۔ میں نے سنا ہے کہ اُنکے وقت میں ایک قومی تعلیم گاہ میں اخراجات ضرورت سے زیادہ بڑھ گئے ہیں اور قدرتی طور پر دیگر اثرات سے بھی وہ ذرا زیادہ متاثر ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اُن کی اعلیٰ کیرکٹری کو بڑائی وضعداری اور خلوص اور اسلامی سادگی کا نمونہ سمجھکر اپنے لئے قابل تقلید نہ سمجھیں میں نے اُن کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے کیا ہے کہ اُنھوں نے ایک مفید شاہراہ کی طرف حال میں ہمکو ہدایت کی ہے اور اگر خدانخواستہ ہم ناکام ہوجائیں کہ حسبِ دلخواہ اسلامی دارالعلوم نہ بنا سکیں تو کچھ عنصر اُس کے تجویز میں سے اور کچھ فخرِ قوم میجر سید حسن صاحب کی پریسیڈنشل تقریر سے ملا کر ہم ایک پائدار اور مفید چیز بنا سکیں گے علوم اور سائنس کو سیکھنے اور سمجھنے اور سمجھانے میں دراصل ہم نے جب سے اعلیٰ انگریزی تعلیم شروع کی ہے یعنی ۱۸۶۲ء سے جو کوشش کی ہے وہ اسقدر کم ہے جس کے بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر ہم کو سو حصہ کوشش کرنی لازم تھی تو اُس میں سے ایک حصہ کوشش ہم نے کی ہے۔ یہ بڑا میدان کام کرنے کے لیے باقی ہے اور اُس میں مسلمانوں میں سوائے مرحوم شمس العلما منشی ذکاءاللہ کے کسی نے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ کتب علمیہ کے ترجمے میں میرے علم میں اس زمانہ میں مسٹر واحد علی جنھوں نے بکل کا ترجمہ کیا ہے اور مولوی خواجہ غلام الحسنین کا پاکیزہ ترجمہ ہربرٹ اسپنسر کی تعلیم کا اور دلی کے ایک ہندو بک ڈپو امیر چند کی چند مختصر کتابیں سائنس کے مختلف علوم کی بابت اور مسیحیوں کے رسالہ ترقی لاہور کے مفید تاریخی اور علمی تصانیف بس یہی پچھلے دس سال کا ذخیرہ ہیں۔

چونکہ وقت بہت تنگ ہوگیا ہے میں اپنی تقریر کا خلاصہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مسلمانوں کی ترقی اس طریقے پر چلنے سے ہوئی تھی جو سادگی معاشرت اور عدل و مساوات کا اور منتظم ہونے کا رسالتمآب نے بنایا تھا۔ مگر جب اغراض اور زرطلبی نے

اُس نظام کو بگاڑ دیا اُس وقت سے برابر زوال ہے۔ مناسب ہے کہ ہم سادگی معاشرت کی طرف لوٹیں اور نظم و نسق جو اسلام کی جان ہے اور یورپ میں جس کے مکمل نمونے ہیں اُن کو سیکھیں۔

(۲) علوم اور سائنس غیر زبانوں میں بھی حاصل کرنا لازم ہے اور اپنی زبان میں بھی۔

(۳) باوجود ان سب باتوں کے لازم ہے کہ محض دنیادی ترقی کو اپنا نصب العین قرار نہ دیں بلکہ اس یقین کے ساتھ کام کریں کہ اسلام قطعاً دنیا کا آخری دین ہونیوالا ہے اور خدا کا وعدہ پورا ہوگا اپنے باہمی اختلافات اور جھگڑوں کو چھوڑ کر ہم سب کو لازم ہے کہ جہاں موقع مناسب ہو توحید و اسلام کی اشاعت کریں۔

(۴) اسلام کا جزو حقیقی آیندہ کی امید ہے۔ پس ہمکو اُمید و یقین کے ساتھ کام کرنا چاہیئے

"گلے میں خراش"

کامرڈ آفس کے کسی شخص سے "اولڈ بوائے" کے لیے مضامین کی اُمید کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ اور اُس اُمید کو روشنائی کا سیاہ تاب تحکمانہ لباس پہنا کر اُس غریب پر کھینچ مارنا اسقدر ناروا طرز عمل ہے جس کی فریاد کرنے کے لیے "اولڈ بوائے" کے صفحات کافی سے بہت کم ہیں۔ کاغذ کا ذرا سا پیسہ والا ٹکڑا اس دھماکے سے میز پر پڑتا ہے کہ دماغی اعصاب میں تہلکہ مچا دیتا ہے۔ باوجودیکہ فوراً ہی کوٹ کے اندر والی جیب میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اُسکی تحریر بخت نصر کے مشہور دعوت کی اُس تحریر کی طرح جو دیوار پر اپنا

ہیبت ناک پیغام سُنا رہی تھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ افس کے چوبی فرش کے نیچے گھوڑوں کی طاقت والا انجن کامرٹیڈ کے ورق چھاپ چھاپ کر پھینک رہا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ لکھوں کیا! ؎

واقعاتِ دل لکھوں چھوٹا سا اک ناول لکھوں
مدحتِ کاکل لکھوں افسانۂ محفل لکھوں!!

سب سے پہلے چاہتا ہوں کہ اُولڈ بوائے پر ہاتھ صاف کروں۔ اور اُولڈ بوائے کی پالیسی کے عنوان سے کچھ صفحے کالے کر ڈالوں . . . . ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے . . . . .
اور داستان امیر حمزہ کا پہلا طلسم شکست ہو جاتا ہے!

اب سوچتا ہوں کہ کامرٹیڈ افس پر قلم فرسائی کرنی چاہیئے۔ . . . . . اس دفعہ "بھیا محفوظ"، ہفت خواں رستم کو ایک ہی آواز میں فنا کر دیتے ہیں۔ "بڑے بھیا" کی "ملائی دودھ۔ مکھن شکر" والی روغنی آواز اور "ربا اوقات خود" وہ "ریش سفید شیخ"، جس میں ابھی کہیں کہیں سیاہی کی چند کرنیں باقی ہیں اور جو سچ تو یہ ہے کہ بعض اوقات ہم لوگوں کو سخت مرعوب کر لیتی ہے کواڑوں کے حلقہ ہائے چوبی میں جو ابھی تک اینٹ کے منت کش نہیں ہیں جیسے ایک تصویر فریم میں لگی ہو۔ نظر آتی ہے۔ "اولڈ بوائے اور اڈیٹر اولڈ بوائے کے احکام تقریری سب "نقش و نگار طاق نسیاں" ہو جاتے ہیں . . . . . پھر اُچھل پڑتا ہوں کہ "ہا! امتیازی نشان پر کچھ گہر افشانی فرمانی چاہیئے۔ . . . .
کہ بھائی غلام حسین داہنا ہاتھ پتلون کے جیب میں اور بائیں سے اپنی مختصر سی مونچھ اور وہ بھی زیادہ مختصر نوک کو (جس کے بڑھانے کے لیے وہ ہر شخص سے مجرب اور مستند نسخے مانگا کرتے ہیں) گھمانے کی کوشش فرماتے ہوئے داخل ہوتے ہیں اور وہیں سے "ذرا دیا سلائی دینا"، یا "ذرا بات سُننا"، "پھینکٹ" مارتے ہیں ("پھنک" تلفظ ذرا غور طلب ہے۔ جو خاص بھائی غلام حسین کا پیٹینٹ ہے اور میں بھی بہت سی ناکامیاب

کوششوں کے بعد اب بہ مشکل اُسکو صحیح اداکرنے میں کامیاب ہونے لگا ہوں) غرضیکہ اولڈ بوائز کا امتیازی نشان، بھی ایک ڈبیہ دیا سلائی یا ایک "بات کی" قیمت میں فروخت ہو جاتا ہے
* * * * * * * * * * * ہاتھ جھاڑ کر کرسی سے اُٹھتا ہوں اور جلدی جلدی فاتحہ پڑھکر بڑے بھائی سے اس اہم معاملہ میں مشورہ کرنے جاتا ہوں کہ "کیا لکھوں"۔
وہ نہایت مفید مشورہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بھیا ذرا یہ خط لکھدو۔ لکھدو گے نا؟"
وہ "ملائی دودھ مکھن اور شکر" والے الفاظ پوری اشتہا کے ساتھ کھانے ہوتے ہیں اور ایک خط کے لکھتے لکھتے (جس کے متعدد بچے نہایت سرعت سے پیدا ہوتے جاتے ہیں) شام ہو جاتی ہے۔

چراغ جلے جو سب سے ضروری کام ہمارے گھر میں کیا جاتا ہے وہ دسترخوان کا بچھایا جانا اور چند منٹ کے بعد پوری رسم کے ساتھ اُس کا اٹھالیا جانا ہوتا ہے۔ جس کے بعد بیشتر بھائی غلام حسین کے فلسفیانہ مسائل میدان مباحثہ میں پھینکے جانے لگے ہیں کبھی یہ مشغلہ بیحد دلچسپ ہو جاتا ہے جب کہ سب اڈیٹر کا مرید مسئلہ ازدواج کے فلسفیانہ پہلو پر ہم سے الجھنے لگتے ہیں اور نکاح کے جواز و عدم جواز پر متعدد نظایر پیش کرکے اُس خاص وقت اور خاص دماغی کیفیت کے مطابق ایک "تھیوری" میدان میں لاتے ہیں
کبھی کا مرید کی یہ فوج "مینورس" کرنے کے لیے چاندنی چوک پر رعب جمانے نکلتی ہے۔ یہاں ہمارا کیمپ اکثر "بھیا ذکرد" کے بالاخانہ پر ہوتا ہے۔ جو کالج کے مشاہیر میں سے ہیں۔ اور جو اپریل کے سالانہ خطابات سے محروم نہیں رہی ہیں۔ خصوصاً وہ مختصر خطابات جو "گندم" سے شروع ہوتا ہے اور "فروش" پر ختم ہو جاتا ہے۔ "بھیا ذکرد" کے یہاں چند خاص "انسٹیٹیوشن" ہیں جو درحقیقت اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہر تندرست اولڈ بوائے کے دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو ممکن نہیں کہ ہمارے پہنچتے ہی چاء۔ انڈا۔ اور خوش قسمتی سے جاڑوں کا موسم ہے تو بادام

نہ منگائے جاتے ہوں۔ اور اگر ہم اشارہ کردیں تو تیجے کبابی کے دوکان سے چند کباب بھی کچھ حُسن اتفاق ہے کہ ہم لوگ ہمیشہ اُس وقت وہاں پہنچتے ہیں جبکہ کچہری سے واپس آکر، "بھیا ذکرو" چار کے لیے حکم دیتے ہوتے ہیں۔ بہرحال! یہ محض اتفاق حسنہ ہے۔ ہماری نیک نیتی پر اُس کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

دوسرا زبردست انسٹی ٹیوشن غذائے روحانی ہے جو ہر سنیچر کی شام کو در بہ پاس خاطر احباب! مفت تقسیم ہوتی ہے تاکہ غلط فہمی نہ ہو، صاف الفاظ میں بتادینا ضروری ہے کہ ہر سنیچر کو بعد مغرب اگر گرمی ہے تو بالائے بام ورنہ کمرہ میں قوالی کا ہونا اور دنیا میں قیامت کا آنا دونوں یکساں برحق ہیں۔ اس موقعہ پر ہم حقیقت ناشناس لوگوں کو بھی آداب محفل کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ اس عالم تصوف میں حقہ پان آنے نہیں پاتا۔ اتنی رعایت ہمارے ساتھ کی جاتی ہے کہ جس طرح دہلی کی جامع مسجد میں نامسلم جوتوں پر برائے نام رومال لپیٹ کر جا سکتا ہے۔ اسیطرح ہم بھی اس محفل میں دو زانو بٹھائے جانیکے بجائے جس طرح چاہیں بیٹھنے دیئے جاتے ہیں شرط صرف یہ ہے کہ بہت پاؤں نہ پھیلائیں۔ . . . . چنانچہ ہم لوگوں کو اس محفل خیر سے بہت کم مستفیض ہونے کا موقع ملتا ہے!

تیسرا ایک اور ضروری انسٹی ٹیوشن ہے کہ اتوار کو دوپہر کے وقت، گرمی ہو یا جاڑا امیر حمزہ یا علی بابا کی داستان ضرور ہوتی ہے۔ "بھیا ذکرو" کی پبلک لائف کے یہ تین انسٹی ٹیوشن (جن میں سب سے زیادہ اہم پہلا انسٹی ٹیوشن ہے) نہایت ہی ضروری اجزا ہیں۔ بھائی ذکرو کی لائبریری ہمیشہ نہایت باقاعدہ رہتی ہے اور ہر الماری میں ہمیشہ مضبوط تالے رہتے ہیں جن کی کنجیاں عرصہ ہوا کہ گم ہوگئی ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ کسی کتاب کے عاریتاً دینے سے معذور رہتے ہیں اور ایسی حالت میں انھیں خود بھی بہت افسوس ہوتا ہے۔ لیکن مجبوری اور پھر وہ بھی تالے کنجی کی مجبوری! نہ اُن کے اختیار کی بات ہے نہ ہمارے بس کا معاملہ!

ان تمام مصروفیتوں کے بعد کوئی لکھے کیا! "امتیازی نشان"، نہایت دلچسپ عنوان ہے اس پر کبھی کچھ لکھنے کی کوشش کرونگا لیکن اس قدر کہے بغیر نہیں جاتا کہ

حاجی برِ کعبہ و من طالب دیدار
او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

اولڈبوائز کے لئے اس صحت شرافت سے بہتر کیا امتیازی نشان ہو سکتا ہے جو مادر کالج اپنے ہاتھوں سے اسکو پہنا دیتی ہے۔ جامہ زیبی اور فیشن کی ادائیں پیرس اور لندن کے ٹھیکہ داروں کے اختراع کرنے کے لیے چھوڑ دیجئے۔ ہمارا سب سے بڑا امتیازی نشان، اخلاق حسنہ اور پاس اخوت مقرر کیا گیا ہے۔ اسکو پیدا کیجئے پھر آپکے پہچاننے میں کبھی غلطی نہ ہوگی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپکا اخلاق کسی نمایندہ کا حاجت مند ہے۔

مدعیان امتیاز! اخلاق حسنہ ستارہ بنکر پیشانی پر چمکا کرتا ہے اور آپکی ہزاروں انگشتریاں جوہریوں کے سینکڑوں دوکانیں اس کے سامنے گرد ہو جاتی ہیں ؎

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری پر
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا!

وہ اولڈ بوائے جنہوں نے اخلاق و اخوت کے سبق بھلا دیئے ہیں انکے لیے شاید کوئی نشان امتیاز مفید ہو سکے لیکن جو شخص کالج کا فرزند سعید ہے اس کی پوزیشن کو (خواہ وہ دس روپیہ ماہوار کا کلرک ہو) کسی اشتہار کی حاجت نہیں۔ اور نہیں تو پرانی بوسیدہ تیلیوں پر نیا غلاف چڑھا کر اپنے آپکو دہوکہ دینا محض بے نتیجہ حرکت ہے ؎

لیلی اگر نہیں ہے تو محمل بھی کچھ نہیں

اسلئے ان بھائیوں سے جنکو امتیازی نشان کی دھن ہے میں عرض کرتا ہوں کہ ؎

کہ این راہ تو میروی بترکستان است!

یہ چھوٹی چھوٹی غیر ضروری ایجادیں اسوقت غیر مناسب ہوں جبکہ ہمارے لئے دنیا کا کوئی

اس سے زیادہ مفید مشغلہ باقی نہ رہے۔ اور ابھی تو خونی نسل کالج میں پیدا ہو رہی ہے اسکی فکر کیجئے۔ اندیشہ ہے کہ وہ مصنوعی نشانات کے احسانمند ہو کر ہی مشکل سے پہچانے جاوینگے!!

مفصل آیندہ　　　　"خاموش"

کیوں جناب! "گلے میں خراش" اور نفس مضمون میں کیا علاقہ تھا جو یہ عنوان قائم کیا گیا۔ البتہ اس بات کی داد ہم بھی دیتے ہیں کہ مضمون نہ لکھنے کے لیے خوب بہانے پیدا کئے گئے ہیں اور اگر اس بکواس سے "گلے میں خراش" پیدا ہو گیا ہو تو بالفعل آپ معذور سمجھے جاتے ہیں مگر واضح رہے کہ پرچہ پہونچتے ہی فوراً سے پیشتر آپ "خاموشی کو گویائی" سے بدل دیں ورنہ ڈنر کے موقع پر سمجھ لیا جائیگا۔

"اولڈ بوائے"

علیگ امتیازی

بجواب

علیگ لقبی

غلام آں کلماتم کہ آتش افروزد
نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

ستمبر ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں ایک مضمون "علیگ لقبی" کی سرخی کا "اولڈ بوائے" میں شائع

ہوا تھا لیکن افسوس ہے کہ یہ پرچہ بہت عرصے کے بعد مجھے ملا۔

مجھے یہ دیکھکر کہ محض اس چار حرفی لفظ کی حدت نے ہمارے "اولڈ بوائے" کے "ایک معزز نامہ نگار" کے ٹمپریچر کو اسقدر بڑھا دیا کہ اُن کی "آنکھوں میں یہ دیکھکر خون اُتر آتا ہے ...... غصہ کا پارہ تمام ڈگریاں طے کرکے دل کے تھرمامیٹر کو توڑ ڈالتا ہے" اُنکے ساتھ دلی ہمدردی ہے لیکن اُس کے ساتھ ہی میں بھی اُنکی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ؎

بیا کہ نوبت صلح است و دوستی و صفاء
کہ با تو نیست مرا جنگ و ماجرا حافظ

پیارے کالج میں نو برس تک تعلیم پانیکا شرف تو مجھے بدقسمتی سے حاصل نہوا لیکن نصف مدت تک میں نے بھی اس کالج کی روٹیاں توڑی ہیں۔ اگر ڈائننگ ہال کی روٹیوں کے کچے کنارے توڑنے والوں کی فہرست برسر صاحب مرتب کریں گے تو مجھے اُمید قوی ہے جہاں بڑے بڑے لوگوں کے نام نامی جنہوں نے نو نو برس تک اس خدمت کو نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیا ہے درج فہرست کرینگے تو میری اس ناچیز خدمت کا بھی ضرور لحاظ رکھینگے اور اس خاکسار کا نام بھی کم از کم آخر فہرست میں تو ضرور ہی لکھ دینگے۔ لیکن افسوس صرف اتنا ہے کہ یہ زمانہ مسٹر کارنا۔ اور مسٹر ریس ہی کے اکھاڑے میں ختم ہوا۔ اسکول کے پانچویں درجہ میں داخل ہوا تھا اور نائنتھ کلاس سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوگیا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اولڈ بوائے کے "معزز نامہ نگار" کی طرح سے میں نے بھی آجتک نہ زمانۂ قیام کالج میں اور نہ اُس کے بعد کبھی اپنے نام کے سامنے اس لفظ کو لکھا اور نہ کوئی صاحب یہ خیال کریں کہ اگر ابتک ایسا نہیں کیا ہے تو اب یہ ارادہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص مجازاً اپنے نام کے بعد میں یہ لفظ

لکھتا ہے یا لکھے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے دیکھ کر کسی کو خود بخود دہشت کیوں پیدا ہو اور وہ آپے سے باہر کیوں ہو جائے اور اُس بیچارے کی نسبت خام خیالیاں کیوں ہونے لگیں کہ اُس نے یہ لفظ اپنی وجاہت اور عزت یا اپنا وقار و ہیبت قایم کرنے کے لیے لکھا ہے۔

ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں لیکن میری رائے میں ہر شخص کو جس نے اس کالج کی کچھ دنوں بھی ہوا کھائی ہے ضرور اپنے نام کے سامنے (علیگ) کا لفظ لکھنا چاہیئے۔ علیگ کسی کی نظروں میں محض لغو کیوں نہ ہو لیکن میری نگاہوں میں امتیازی ہے جو پکارتا ہے کہ اے وہ بھائیو جو مادر مشفقہ کی گود میں کھیل رہے ہو اور نیز اے وہ بھائیو جو اُسی پیاری ماں کے ہاتھوں پروان چڑھے ہو آؤ اور مجھے دیکھو میں بھی اُسی باغ کا ایک درخت ہوں اُسی درخت کی ایک چھوٹی سی شاخ ہوں اور اُسی گلشن کا ایک طائر ہوں جس پھول کا تم رس لے رہے ہو اُسی کا میں نے بھی رس لیا ہے اگر مجھ میں کوئی اچھائی دیکھو تو اُسے جلد حاصل کرو اور اگر کوئی بُرائی نظر آئے تو میرے اُس عیب کو بہت جلد مٹاؤ کیونکہ وہ صرف میرے ہی لئے باعث ننگ نہیں ہے بلکہ اُس سارے کنبے کے لیے موجب عار ہے جس کا تم میں سے ہر ایک رُکن ہے۔ وہ نصیحت جو وہ مادر مشفقہ ہم کو شبانہ روز اُٹھتے بیٹھتے کرتی ہے وہ یہی تھی اور وہ یہی ہے کہ اے بچو! اے ماں جائیو! خبردار! خبردار! ایک بچی دوسرے سے لڑنا نہیں سب بھائی مل جلکر کھیلنا اور ایک دوسرے سے حل ملکر رہنا میں نے تم سب کو خون کی بوندوں پالا ہے اور تم سب میری نظروں میں پیارے ہو ـــ٥

آنچنان مہر توام در دل و جان جاے گرفت ✤ کہ گرم سر برود مہر تو از جان نرود

میں نہیں چاہتی کہ تم میں سے کسی کا رونگٹا میلا ہو یا بال بیکا ہو" اس ساری تعلیم کا خلاصہ یہ شعر ہے ـــ٥

سر و زر و دل و جانم فدائے آن محبوب ✤ کہ حق صحبت مہر و وفا نگہدارد

اُسکا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ تم اُسے سُن لو اور اس کان سنو اُس کان اُڑا دو بلکہ غایت اصلی یہ تھی کہ اُس تعلیم پر کاربند ہو اور اُس نصیحت پر عمل کرو۔

میں نہیں سمجھتا کہ "معزز نامہ نگار" کے مزاج کو لفظ علیگ کیوں برہم کر دیتا ہے اور کیوں غصہ کا پارہ تمام ڈگریاں طے کر کے دل کے تھرما میٹر کو توڑ ڈالتا ہے" وہ اپنی طبیعت کو ایسی تپ محرقہ میں مبتلا

کیوں ہونے دیں جو پان پڑے ہے۔ تھرمامیٹر ٹوٹے اور پھر کسی ولایتی فرم کو نئے ”دل کے تھرمامیٹر“ کا آرڈر دینے کی زحمت اُٹھانا پڑے۔ اگر ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب کے سفوف اسہال میں اب انسداد تپ کی تاثیر باقی نہیں رہی تو ڈاکٹر عظیم الدین یا ڈکٹیٹر ریاست۔ اللہ سے کونین کی گولیاں نہیں لے لیتے وہ تو اُن کی جیب میں ہر وقت پڑی رہتی ہیں۔ پرہیزی رقعہ لکھالیں گو چارج دینا ہوگا مگر بلا سے ”ہم آنکھوں میں خون“ تو نہ ”اتر آئے گا“۔

خدا جانے لفظ علیگ سے اُن کے دل میں لقب کا خیال کیوں پیدا ہوا۔ علیگ لقب تو کسی حالت میں ہو ہی نہیں سکتا۔ لقب تو وہ چیز ہے کہ جس سے مدح یا ذم ظاہر ہو تعجب ہے کہ اولڈ بوائے کا ”ایک معزز نامہ نگار“ جو نو برس سے ابتک علی گڈھ کالج میں تعلیم پا رہا ہو لقب اور کلمہ امتیاز میں دھوکا کھائے۔ بوم۔ بوچہ۔ بوچک۔ بنا۔ جبنا۔ ڈاسنی وغیرہ وغیرہ یہ البتہ ایسے الفاظ ہیں جو القاب کے خانے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ ہر لقب اپنے ممدوح کی پکار پکار کر تعریف کر رہا ہے۔ کیا کوئی دانا بینا حیوانِ ناطق روئے زمین پر ان پیارے بھائیوں کو علیگ کہنے سے انکار کر سکتا ہے لیکن ہر علیگ کو اس پیارے لقب سے نہیں پکار سکتا ہے۔

اگر یہ خیال ہو کہ علیگ بیل والا اور کینٹ کے مقابلہ میں ہے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی ذوی العقول تاوقتیکہ ہمارے کالج کو یونی ورسٹی نہ ملجاتی ہرگز ہرگز محض اُن لوگوں کی برابری کرنے کے لیے اس لفظ کو اپنے نام میں زاید کرکے لہو لگا کر شہیدوں میں نام نہ لکھاتا۔ اور اگر بقول شخصے کوئی پانچویں درجہ کا طالب علم جاہل شخص انٹرنس پاس کالج میں پڑھنے والے طالب علم صاحب سے علیگ کی دُم لگا کر یہ توقع رکھتا ہے کہ

کہ وہ اُس کی عزت کریں تو کم از کم وہ تعلیم یافتہ گریجویٹ جن کو ہمارے "معزز نامہ نگار" نے خود اجازت دی ہے اور جن کے واسطے فتوے جواز نافذ کیا ہے کبھی اس کے استعمال کی ہمّت نہ کرتے۔

کم از کم مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں "اس لقب کو اس قدر محدُود ضرور کر دینا چاہئے کہ بی۔ اے۔ اور اُس سے اونچے درجے کے لوگ ہی صرف لکھ سکیں"۔ اوّل تو میں اسے لقب ہی نہیں کہتا اور پھر یہ 'محدود' کرنے کا لطیفہ اُس سے بھی زیادہ مزیدار ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ "معزز نامہ نگار" نے بھائی تمیر (علیگ) کے "عاشق کش الہ آباد یونیورسٹی کے بہتیرے قتیلوں کو کس مصلحت سے اس دائرہ سے نکال دیا۔ کیا یہ منشاء ہے کہ اُن بیچاروں کی برگشتہ طالعی انہیں اس خاص جلسہ میں بھی نہ شریک ہونے دے اور اُن بیچاروں کو یہ موقع بھی نہ دیا جائے کہ کم از کم اس نسبتی نام ہی سے وہ اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیں۔ یہ کس ملک اور کس ملت کا آئین ہے کہ ہونہار اور قابل اولاد تو اپنے ماں باپ کا نام بتائے اور جو نا قابل ہیں یا کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے اپنے اور بھائیوں کے جیسے مراتب و مناسب نہیں حاصل کر سکے ہیں اُن کو یہ بھی اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنے ماں باپ کا پتہ دے سکیں اگر یہی اصول صحیح ہے تو میرے نزدیک سب سے پہلی چیز قابل تبدیل جو ہے وہ خود لفظ **مسلم** یا **مسلمان کے نام ہیں**۔ کیونکہ حقیقتاً مسلمان سو میں ایک بھی نہ ملے گا البتہ بدنام کنندۂ نکو نامے چند ہزاروں نظر آئیں گے لہٰذا تاوقتیکہ وہ عالم و عامل احکام شرع نہ ہو لیں ان کے نام **مسٹر وائلڈ** یا **بابو گوبردھن پرشاد** وغیرہ ہونا چاہیئے تاکہ توہین اسلام تو نہ ہو۔

"معزز نامہ نگار" نے جن لوگوں کو علیگ کے دایرے سے خارج

کیا ہے اُن کی تعداد ماشاء اللہ اس وقت اسلام کے گروہ میں کچھ ایسی ویسی نہیں اچھی خاصی ہے۔ اگر ہم اُن کو بائی کاٹ کردیں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنائیں تو اُن کا تو ایک طرح سے کچھ نہ بگڑے گا ہمارے ہی ہر طرح سے ہاتھ جائے گی۔ اگر قوم کی کثیر تعداد بُری ہے تو معدودے چند اگر انٹرنس پاس یا کالج میں پڑھنے والے جو اَلشَّاذُ کَالمَعدُومِ کے اصول کے موضوع ہو سکتے ہیں نکلے بھی تو کیا! قوم کا نام چلانے والی خواہ اچھی خواہ بُری ہی تعداد کثیر رہی لہذا جب قوم ہی ذلیل ہے تو اگر کوئی شخص۔ ایم۔ اے ہونے کے بعد بھی حسب اجازت "معزز نامہ نگار" "علیگ کی دم" اپنے نام کے پیچھے کیوں نہ لگائے پھر بھی اگر اللہ میاں کے کسی پوتے پر پوتے کے سامنے جانا ہو تو وہ خواہ **ہندوستان کے موسٹ انلائٹنڈ** گروہ ہی کیوں نہ ہو لیکن علیگ صاحب کو بغیر "ڈیم نیٹو" یا "ڈیم کالا آدمی" کا خطاب جو شاید کسی عطائے خطاب کے جلسہ میں وہ نہیں حاصل کر سکے تھے دیئے ہوئے نہ چھوڑیگا۔ اگر اُس کی زبان نے حُسنِ اتفاق اور علیگ صاحب کی خوش قسمتی سے کوتاہی کی تو دل تو ہرگز ہرگز اس مسئلہ خاص میں فروگذاشت نہ کرے گا۔ کیا یہ عزت علیگ کے امتیازی نشان سے حاصل ہوئی؟

نہیں بلکہ اُسی قوم کی مبتذل حالت کی وجہ سے ہمارے ماسٹر آف آرٹ کو یہ الفاظ سننا پڑے۔

"ہمارا معزز نامہ نگار" خود مقر ہے کہ "علیگ کی تعلیم کا خلاصہ ہے اتحاد۔ ملنساری۔ خوش اخلاقی ہمدردی . . . . کو شان رہنا" لیکن یہ

سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا اس خلاصہ کی تاویل و تفسیر
یہی ہے کہ اگر کسی غریب بھائی میں بدنصیبی سے کوئی کمزوری ہے تو بجائے اِس کے کہ ہمدردانہ کوشش
سے ہم اُس کی درستی میں کوشاں ہوں اخباری دنیا میں ہم اُس پر تبرے بازیاں کرنے لگیں اور
اُسکے حق میں ناطق فیصلہ کر دیں کہ ایسا لفظ بھی جو اُسے ہماری پارٹی میں شریک کرتا ہو اور ہماری
خاص توجہ اُس پر مبذول کرنے کا مستوجب ہو وہ بیچارہ نہ استعمال کر سکے۔ اس سے تو یہ
صاف صاف عیاں ہے کہ صرف وہ لوگ جو بی۔ اے یا۔ ایم۔ اے کی ڈگریاں اس کالج
سے حاصل کر چکے ہیں وہی اس قابل ہیں کہ ہم سے اُن سے ارتباط قایم رہے قطع نظر اسکے کہ
اُن میں بھی اخلاقی کمزوریاں کیوں نہوں، لیکن جو اس سے محروم ہیں وہ ہماری اخوت سے بھی
محروم ہیں یا اگر وہ ڈگری نہیں حاصل کر سکا ہے تو کم از کم کوئی معزز عہدہ ہی گورنمنٹ میں
حاصل کرے جس سے ہماری پارٹی میں داخل ہو سکے۔ جو صاحب نو برس کی تعلیم کے بعد
اخوت کے مسلہ کو یہ سمجھتے ہیں تو میں تو یہی کہونگا کہ بھائی خوب سمجھے!!"

مجھے جہاں تک یاد ہے ہمارے کالج کی یہ تعلیم آج تک کبھی نہیں ہوئی کہ اخوت کا لفظ
صرف ڈگری یافتہ یا معزز عہدہ پانیوالوں کے دائرہ تک محدود ہے۔ میری خیال میں سرسید محسن الملک
اور وقار الملک ایسے فدائیان قوم کے "نونہالو! عزیزو!" کے مصداق صرف وہی نہ تھے
اور نہ ہیں جنھوں نے ڈگریاں پائی ہیں یا جو معزز عہدوں پر ممتاز ہیں اسکول کے ابتدائی درجہ
سے لیکر کالج کے اونچے سے اونچے درجہ تک کا طالب علم اس لفظ سے مراد ہوتا ہے۔

پھر ایک فقرہ "معزز نامہ نگار" کا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر "پانچویں درجے کے طلبا اور
جاہل لوگ... علیگ کے دم لگا کر یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم اُن کی عزت کریں" لیکن ہم
جب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض "پانچویں درجے کے طلبا ہیں" اور "جاہل لوگ" ہیں اس کے
ہرگز شایاں نہیں کہ ہم اُنکی عزت کریں اور اس وجہ سے ہم اُنکی مطلق عزت نہیں کرتے

بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ ہم اُن کی بے عزتی کے درپے ہوتے ہیں تو پھر "علیگ کی دُم" دیکھکر ہمیں دورانِ سر کیوں پیدا ہوتا ہی اور رگوں میں خون کیوں جوش مارنے لگتا ہی۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی۔ اگر یہی فقرہ کچھ ترمیم الفاظ کے ساتھ بلغاریہ اور اطالیہ کے لوگوں کے مقابلہ میں محض حمیت اسلام ظاہر کرنیکے لیے استعمال ہوتا ہی۔ افسوس ہی کہ ایک بیچارے اُس بھائی کے حق میں جو محض اپنی ناقابلیت یا کسی کمزوری کیوجہ سے ہم سے جُدا ہے لیکن کوشاں ہی کہ کسی طرح ہم سے ملے یہ زہر اُگلا جائے اور اُس کے اس خیال پر نفریں کیجائے لیکن اُن لوگوں کے اقوال و افعال پر جو ہمارے لیے قاطع اعمار ہیں اور در پردہ یا علانیہ بیخ کن ہیں، چشم ما روشن دلِ ما شاد کہا جائے۔

اگر اسی خیال کی اشاعت کی تو مجھے اندیشہ ہی کہ جس دن ہمارا "معز زمانہ نگار" الہ آباد یونیورسٹی کی کوئی ڈگری حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی ہال میں قدم رکھیگا تو جسوقت سنٹرل ہندو کالج کے پیچھے اتنی تالیاں پٹیں گے کہ ہال گونج جائیگا "اس معزز" ڈگری پانیوالے کو وہ ایک مبارکبادی پھٹ پھٹ بھی مشکل سے سنائیں دیں گی۔

جسوقت میں ہمارے بھائیوں کے سامنے امتیازی نشان سوچنے کا مسئلہ درپیش ہی میں اپنی بھی ایک حقیر رائے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بوجوہات متذکرہ بالا یہ مناسب ہوتا کہ جس کسیکو ہماری مادر مشفقہ کی گودوں میں کھیلنا اور پلنا نصیب ہوا ہی اُس کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے نام کے سامنے (علیگ) ضرور لکھے تاکہ جہاں ہم اس لفظ کو دیکھیں ہماری رگوں میں محبت کا خون جوش مارنے لگے اور بجائے اس کے کہ ہماری آنکھوں میں یہ دیکھکر خون اُتر آئے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور کلیجہ ہاتھوں بڑھ جائے کہ اسی حلقہ کا ایک یہ بھی ہی۔ ہم اسکو اعزازی لقب ہرگز نہ سمجھیں بلکہ امتیازی نشان جانیں۔ ؎

گرت ہواست کہ معشوق نگسلد پیوند
نگاہ دار سرِ رشتہ تا نگہدارد

میں معزز اڈیٹر کو کوئی دھمکی دینے کی جرأت تو کر نہیں سکتا لیکن یہ ضرور استدعا ہی کہ اگر وہ کسی وجہ سے اس مضمون کو درج نہ کر سکیں تو اسے مجھے واپس کر دیں تاکہ کسی اور بندۂ خدا سے منت و سماجت کر کے اسے شائع کرا دوں۔ اگرچہ ؎

حدیث دوست نہ گویم مگر بحضرت دوست
کہ آشنا سخن آشنا نگہدارد

میں نہیں چاہتا کہ اپنے "معزز نامہ نگار" کی طرح سے اس شعر کا مصداق بنوں ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہو
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

لیکن اب ایسی صورت میں کہ اُنکے مضمون کا جواب ختم کر رہا ہوں لہذا ضرورت اسی کی ہے کہ اُن کے قابلانہ مضمون کی طرح میرا ناچیز مضمون بھی لاوارث نہ ہے۔ والسلام

س۔ م۔ ع

ذیل میں ہم مولانا صفی کی وہ نظم قومی درج کرتے ہیں جو انھوں نے جلسہ کانفرنس میں بمقام لکھنو پڑھی تھی۔ اس نظم کے جذبات اور جس خوبی کے ساتھ وہ ادا کئے گئے ہیں محتاج بیان نہیں

"اڈیٹر"

نظم

مولٰنا صفی لکھنوی

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلا دینگے
مشرق کا سرا اُٹھکر مغرب سے ملا دینگے

دہاستے زمانہ کے بجلی کا خزانہ ہے
بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دینگے

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ
شعلے بھڑک اُٹھینگے جھونکے جو ہوا دینگے

ہم کون ہیں؟ ہم کیا ہیں؟ ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے پر تمکو بتا دینگے

فاران پہ گرجے تھے برسے ہیں جہاں بھر میں
گھر کر جو کہیں کڑکے پھر ہوش اُڑا دینگے

دنیا کے سمندر میں ہم جز بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں رو کا طوفان اُٹھا دینگے

مرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہے
چھینٹے ہیں رحمت کے پھر نشو و نما دینگے

جڑ ہمنے پکڑ لی ہے کلے نئے پھوٹینگے
گر خاک میں بھی ہمکو اک بار ملا دینگے

ایران ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دینگے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی پھر اُبھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

گونجینگی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں
یہ صور جہاں ہونگا مُردوں کو جلا دینگے

اے جذبۂ اسلامی جب دل میں نہ تو ہوگا
یہ نظم صفی پڑھکر ہم اُسکو سُنا دینگے

سر تھیوڈور ماریسن اور اولڈ بوائز کلکتہ

کلکتہ اولڈ بوائز نے ایک یونگ پارٹی سر تھیوڈور ماریسن کو جو آجکل روائل کمیشن میں یہاں آئے ہوئے ہیں آج (۱۸ فروری) شام کو پلیٹے کے مشہور و معروف سٹور ہمان میں دی۔ کالج ٹرسٹیز میں سے آنریبل جسٹس شرف الدین۔ آنریبل جسٹس سید حسن امام تشریف لائے آنریبل جسٹس عبد الرحیم نے معذرت کا خط بھجوایا کیونکہ اُن کی دعوت دوسری جگہ پہلے سے تھی اور خان بہادر مرزا شجاعت علیبگ کلکتہ سے باہر تشریف لے گئے ہیں اسلئے شریک نہو سکے

اس پارٹی میں صرف اولڈ بوائز اور ٹرسٹیان علیگڈھ مدعو تھے وقت پارٹی پانچ بجے مقرر کیا گیا تھا اگرچہ سر تھیوڈور نے فرمایا تھا کہ ممکن ہے کہ وہ اس سے قبل یا اس کے بعد

تشریف لائیں کیونکہ وہ اجلاس کمیشن کے بعد تشریف لائینگے۔ مگر وہ وقت سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔

قریباً سب اولڈ بوائز کلکتہ ساڑھے پانچ پونے چھ تک آ گئے۔ ذیل میں اُن اولڈ بوائز کے نام درج ہیں جو موجود تھے۔ سارے وقت گفتگو بالکل اولڈ بوائز علی گڈھ کی پہلی موجودہ اور آیندہ حالت اور مجوزہ یونیورسٹی کے متعلق رہی۔ سر تھیوڈور نے ایک طویل گفتگو یونیورسٹی اور اُس کی اسکیم کے متعلق کی اگرچہ ہم لوگ بعض جگہ سر تھیوڈور کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے تھے مگر گفتگو بہت دلچسپ معنی خیز اور ہمدردانہ تھی۔

سر تھیوڈور ایک ایک اولڈ بوائے سے الگ الگ ملے اور اُس کے حالات پوچھتے رہے اُن کا اخلاق ہم سے بہت مخلصانہ تھا ہم لوگوں کی زندگی اور حالات میں اُنکو بہت دلچسپی ہے

بعد چاء وغیرہ کے ہمارے برادر محمد ظریف صاحب نے اولڈ بوائز کلکتہ کی طرف سے ایک چھوٹی سی مگر جامع اسپیچ دی جس میں اُنہوں نے سر تھیوڈور کے تشریف لانے پر اظہار مسرت کیا اور اُن کے اخلاق اور عام برتاؤ کو بیان کیا جو وہ زمانہ کالج میں اپنے شاگردوں اور سب طلبا کے ساتھ کیا کرتے تھے اُن کو صاحبِ اولاد ہونیکی مبارکبادی اور مسز موریسن کو ہم سب کی طرف سے سلام کہنے کی درخواست کی اُس چھوٹی سی انجمن کا بھی ذکر کیا جو اُن کے زمانہ پرنسپل شپ میں مسز موریسن کے یہاں ہوا کرتی تھی اُن کے زمانے پرنسپل شپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایک وہ وقت تھا جبکہ ہم اُستاد شاگرد مثل عزیزوں کے رہتے تھے یا اُنکے جانیکے بعد ہی وہ وقت آیا جب کالج کا ناگوار واقعہ ہوا اور گورنمنٹ بدظن ہوئی اور ایسا گمان ہے کہ اب بھی گورنمنٹ مجسں نگاہ رکھتی ہے اثنا گفتگو میں اسلام اور مسلمانوں پر آئی ہوئی موجودہ مصیبت کا ذکر کیا۔ کہ کس طرح دنیا کی زبردست قومیں اسلام کو پائمال کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ آخر میں ٹرسٹیوں کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کر کے اسپیچ ختم کی۔

اس کا جواب سر تھیوڈور ماریسن نے نہایت دوستانہ الفاظ میں دیا اُنھوں نے بیان کیا کہ جب مجکو یہ معلوم ہوا کہ میں کمیشن کے ساتھ ہندوستان جارہا ہوں تو سب سے پہلے مجکو یہ خیال آیا کہ میں کالج۔ اولڈ بوائز اور بہت سے شاگردوں سے ملونگا۔ اُنھوں نے یہ بھی فرمایا کہ لیڈی موریسن اکثر تم سب کا ذکر کیا کرتی ہیں اور بہت دفعہ تو نام لے لیکر پوچھا کرتی ہیں وہ ضرور تم سب کو پوچھینگی اور میں تمہارا پیغام اُنسے کہونگا۔ وہ ضرور ہندوستان آتیں مگر بچے کے سبب نہ آسکیں اور مجکو ہی آنا ہوا موجودہ اسلامی مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے اُنھوں نے کئی بار اپنی ہمدردی اور تاسف کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجکو بہت ہمدردی ہے اگرچہ بڑی سلطنتوں کا اصول دوسرا معلوم ہوتا ہے اثنائے گفتگو میں اُنھوں نے فرمایا کہ اُستاد کو ہمیشہ یہ آرزو ہوا کرتی ہے کہ اپنے شاگردوں کو خوش حال اور خوش دیکھے مجھے تم سب کو دیکھکر بہت خوشی ہوئی اور یقین ہوتا ہے کہ اولڈ بوائز اکثر خوش ہونگے جہاں ہونگے۔

جلسہ قریبًا سات بجے شام تک رہا اور سر تھیوڈور ہر اور پرانے طلبا کی نسبت دریافت کرتے رہے مسرت سے سُنا کہ ہمارے ہردل عزیز بھائی محمد علی خود اور اُن کا اخبار کومریڈ قوم کے پیارے ہیں اور شوکت بھیا نے پنشن لیکر رامپور میں روئی دبانے کی مشین کھولی ہے اور ساتھ ہی کالج میں قومی کام بھی کرتے ہیں۔

غرض وہ تھوڑا وقت بہت ہی پر لطف گذرا اور بعینہٖ یہی تھا کہ ہم سب کالج میں بیٹھے ہیں سر تھیوڈور ایک ایک سے مصافحہ کرتے اور الوداع کہتے ہوئے تشریف لیگئے۔

فہرست اولڈ بوائز حاضرین جلسہ

(۱) محمد ظریف صاحب ایم اے۔
(۲) ڈاکٹر آیات اللہ صاحب ایم، بی، سی، ایم، اڈنبرگ
(۳) سید امجد حسین صاحب

(۴) نواب زادہ معین الدین میرزا

(۵) نواب زادہ محی الدین "

(۶) جعفر کلامی

(۷) اعجاز حسین صاحب

(۸) سرفراز حسین خاں صاحب } ہمارے برادر کی اہلیہ کا ابھی انتقال ہوگیا ہے غم غلط کرنے چند روز کو آئے ہوئے ہیں)

(۹) آغا فریدوں صاحب

(۱۰) نواب زادہ نادر علی میرزا

(۱۱) نواب زادہ سید فرخ میرزا

(۱۲) مسعود حسین صاحب

(۱۳) نواب زادہ سید عباس میرزا

(۱۴) بابو شام لال سیل

(۱۵) راقم

اولڈ بوائز میں ہمارے خاموش بھائی غلام حیدر صاحب اور بہاؤ الدین صاحب شریک جلسہ نہیں ہوئے۔

غلام حیدر تو ایک خانگی ضرورت کی سبب الہ آباد گئے ہوئے ہیں اور بہاؤ الدین صاحب تشریف لائے مگر جب ہم سب واپس جارہے تھے۔ اگرچہ انہوں نے پہلے سے عذر کیا تھا انکو آنے میں دیر ہوگی (مگر نہ اسقدر کہ بعد ختم جلسہ)

سر تھیوڈور کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ اولڈ بوائز سے ملنے کے بہت خواہشمند ہیں امید ہے ہمارے برادران اگر ممکن ہو تو آنسے ضرور ملینگے۔

راقم بشیر مرزا دہلوی

مقام کلکتہ ۱۰ر فروری ۱۹۱۰ء

شکایت نامہ

ذیل میں ہم اپنے ایک کرم فرما کی تحریر چھاپتے ہیں جو اڈیٹر کے پاس بطور شکایت کے بھیجی گئی ہے۔ ہم اپنے ایسے کھرے اور سچے دوستوں کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان شکایتوں کو چھپانا ایمان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اگر "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مقولہ صادق نہ آتا تو ہم اس موقعے پر کچھ معذرت بھی کرتے اور اگر پچھلی وعدہ خلافیوں کی ندامت نہ ہوتی تو آیندہ کے لیے وعدے بھی کرتے۔ ہمارے عنایت فرما نے شکایت کا وہ پہلو اختیار کیا ہے کہ ہمارے لیے جواب کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ؎

منصفی ہو تو غضب نا منصفی ہو تو ستم
اُس نے میرا فیصلہ ہو توف مجھ پر رکھ دیا

بہر حال ہم بھی اپنے موقعے کے منتظر ہیں۔ جو کچھ مجبوریاں ہیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ ان شکایات کا عملی جواب دینے کے بعد پیش کی جائیگی اور ہم دیکھینگے کہ ہمارے دوست اُسوقت کیا جواب دیتے ہیں۔ "اڈیٹر"

مکرمی بندہ جناب اڈیٹر صاحب دام عنایتکم،

السلام علیکم، مزاج شریف۔

آج پہلا موقع ہے کہ اولڈ بوائے پر رائے زنی کی جرأت کرتا ہوں جب سے اولڈ بوائے کا پراسپکٹس دیکھا تھا اور اسکی خریداری میں نام درج کرانیکی ناعاقبت اندیشانہ غلطی کی تھی اُسوقت سے آجتک اس کی ہر ادا کو میں غور سے مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ چنانچہ اس کی ہر حرکت کا نقشہ میرے دماغ میں کھنچا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ خط میں آپکو لکھ رہا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کا

مضمون آپ تک ہی محدود نہ رہے بلکہ جملہ برادری اس پر غور خوض کرے اور ہمیں کہاں تک صداقت کی بو ہے،، اس معمے کو حل کرے۔

خدا کے فضل سے "اودلڈ بوائے" کی عمر دو برس اور پانچ مہینے ہونے آئی لیکن تیسرے برس کے دوسرے مہینے کی رپورٹ ابھی تک شائع نہیں ہوئی اور اکتوبر کا پرچہ ابھی تک بھی نیند سو رہا ہے۔ اگر لائق ماں کی زیر نگرانی بچے کی تربیت اور بے قاعدگی کا یہی حال رہا تو فرمائیے جوان ہو کر کیا جوہر دکھاویگا۔ ایسا بچہ جو ابتدا سے ہی بے قاعدہ ہو اور ایسا اتالیق جو ابتدائی تعلیم بے قاعدگی سے دے دونوں قابل نفریں ہیں۔

آج کل ایک مرض پھیل رہا ہے جو تعلیم یافتہ اصحاب میں علی العموم اور علیگ صاحبان میں تو علی الخصوص بہت زیادہ پیمانے پر پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شروع میں آنکھیں کھولکر اور عقل و ہوش درست کر کے کام نہیں کرتے بلکہ اپنی لیاقت اور بے تکلفی وغیرہ پر بھروسہ رکھکر جو چاہے جلدی میں کر بیٹھتے ہیں۔ اگر کام ٹھیک ہو گیا تو زہے قسمت۔ ورنہ اگر اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچا [illegible] کہکر اور موجودہ زمانہ کی تہذیب کا ثبوت دیکر اسکی تلافی کی کوشش کرتے ہیں۔ (علیگ صاحبان اس پر بگڑیں نہیں کیونکہ اسکے ثبوت میں میرے پاس ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔)

یہی حال اخباری دنیا میں ہندوستانی اور خصوصاً اسلامی پرچوں کا ہے الہلال کو لیجئے اتنے مضامین شائع نہیں ہوئے ہونگے جتنے معافی نامے پائے جائینگے کہ افسوس یہ وجہ ہوئی اور وہ وجہ ہوئی اور اخبار وقت پر شائع نہ ہو سکا۔ **کامریڈ** کے مطلع پر بھی کبھی کبھی یہ غبار چھا جاتا ہے ہمیں دوسروں سے کیا مطلب "اولڈ بوائے"، کو لیجئے کہ اس میں ہر دوسرے مہینے ایک معذرت پڑھ لیجئے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کہ آیندہ ایسا نہ ہوگا گویا کہ ایک تو پہلے غلطی کہ دیر سے شائع ہوا دوسرا یہ گناہ کہ صریحاً جھوٹ بولا گیا اور آیندہ کی بابت غلط اور جھوٹا وعدہ کیا گیا۔ اگر گزشتہ غلطی پر معذرت کرنی ہے تو شوق سے کیجئے لیکن آیندہ کے لیے کیوں جھوٹا وعدہ کرتے ہو جب تک کہ اسکے ایفا

کا پورا انتظام نہ کرلیا ہو۔ خیال فرمائیے جنوری گذر گیا اور اکتوبر کا پرچہ ندارد ہے۔ بھلا یہ کمی کیسے پوری ہوگی
ان معذرتوں کے کیا معنی کہ اسقدر بوجھ اور ذمہ داری کا کام ہے کہ فلاں ابن فلاں سے
نہ سنبھلا اور مجھے خود شرم آتی ہے۔ اور میں فلاں کام میں مصروف تھا۔ اور یہ ڈر تھا اور وہ ڈر تھا۔ اور مطبع نے
بمصداق (ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا) سستی سے کام کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

کام کے یہ معنی ہیں کہ یا کر دیا چھوڑ دو۔ اگر خود فرصت نہیں دوسروں کو ملازم رکھو اگر گنجایش نہیں
رسالہ کی قیمت بڑھا دو اگر خریدار اسے منظور نہ کریں تو انسے دوا پوچھو۔ اس ریں ریں سے تو بالکل بند
ہو جانا رسالہ کے حق میں زیادہ مفید ہے۔

آپ فرماوینگے کہ باتیں بنانا آسان ہے۔ کام چلانا اور اس کی دقتوں کو محسوس کرنا مشکل ہے۔ میں
اسے تسلیم کرونگا لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ جس طریقے سے اولڈ بوائے اپنا چہرہ دکھاتا ہے اسکو
نظر احسن سے دیکھا جائے۔ کبھی کسی یورپ کے اخبار کو یا ہندوستان کے انگلو انڈین پرچے کو
بھی اس قسم سے منہ چڑاتے دیکھا ہے۔ پھر کس برتے پر کہا جاتا ہے کہ یورپ کو اسلام نے تہذیب سکھائی
اگر دعوے کو مستحکم کرنا چاہتے ہو تو اب بھی وقت ہے کہ زندہ مثالیں قائم کرو اور سلف کے نمونے بناؤ
ورنہ مردہ کارناموں پر شیخی بگھارنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اگر آپکے اولڈ بوائے کے ناظرین اس کی ظرافت
اور چاشنی کے اسقدر دلدادہ ہیں کہ اسکے مزہ میں سب کچھ روا سمجھتے ہوں اور اس عاشق کی مانند
بنگئے ہوں جو عشق میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ دسترخوان پر کیا کیا ہے اور کھانا کس وقت
کھایا جا رہا ہے خواہ دیر ہو یا سویر کچھ پروا نہیں تو البتہ میری یہ کوشش بالکل رائگاں اور تضیع اوقات
پر مبنی ہے۔ جب بوجھ زیادہ ہے اور ایک شخص کی طاقت سے باہر تو دوسرا آدمی رکھئے اگر انتظام نہیں ہو سکتا
تو ہمارا وقت ضائع کرنیسے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ کہاں تک معقول وجہ ہے کہ مطبع نے سستی سے کام کیا کیا مطبع
مخصوص ہے۔ اگر ایک سے گزارہ نہیں چلتا دوسرا پریس تلاش کیجئے۔ لائیے تو سہی دو دن میں دسہزار
کاپی طیار کرا کر میں آپکو بھیجدوں مطبع بھی کوئی شے ہے جس کی شکایت کیجائے۔ کتابت کی غلطیاں
درست نہ ہونا دفتر کے انتظام پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ اگر اولڈ بوائے کا مقصد یہی ہے کہ محبت و اتحاد

کا سلسلہ چار پانچ ماہ بعد جنبش میں آیا کرے تو میرا تو سلام ہے۔ اور اگر ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہونیکا یہی ذریعہ ہے جو ایک مردے کے مرنیکی ششماہی پر خبر دے صرف اس وجہ سے کہ بہت جلد شائع ہوتا ہے تو بھی سلام ہے۔

بیروت کا خوبصورت ٹائپ تو گیا بھاڑ میں اور چولھے میں ہمیں تو کیک ور بسکٹ سے توے کی روٹی گرما گرم زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے جو بھوک کیوقت ملتی ہے۔ ہمارا پُرانا پتھر ہی اچھا ہے جو وقت پر چھاپ دے۔ لیکن جب وقت کی پابندی ہی نہیں تو نہ یہ اچھا اور نہ وہ بھلا دونوں خراب اس ٹائپ کے انتظار میں "ہمدرد" تو نہ نکلا ایسا نہو کہ "اولڈ بوائے" سے ہی ہاتھ دھونا پڑے۔ ایسی شان کس کام کی جس میں خودداری کا پتہ مفقود ہو، کالج عمارات کی تصاویر کا وعدہ کوئی نئی بات نہیں گزشتہ جلدیں اُٹھاکر دیکھئے اسی قسم کے چکنے چپڑے الفاظ کا مزہ وہاں بھی ملیگا۔ اور مُنہ میں پانی بھر نیوالے وعدے وہاں بھی نظر آئینگے۔ جن اصحاب نے پنجاب کی دوسری لوئر کلاس میں جھوٹ کی مذمت کے بارے میں "شیر آیا شیر آیا دوڑنا"، کی نظم پڑھی ہوگی وہ ان جھوٹے وعدوں کے نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ ایمیں کسی کا نقصان نہیں بلکہ اڈیٹر کے الفاظ کی وقعت اور پرچے کی آیندہ ترقی انہی دوچار حرفوں پر مبنی ہے۔ جو اس شکایت نامہ میں درج کی گئی ہیں۔

لطف یہ ہے کہ جب لکھتے لکھتے ایسا موقع آپڑتا ہے جہاں اپنے عیوب کی چشم پوشی کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں سوجھتا تو بیچارے ناظرین کی شامت آجاتی ہے اور لکھا جاتا ہے کہ پرچے کو اچھا بنانا ناظرین کا کام ہے۔ دوات قلم لیکر کون بیٹھے اور یہ کون کرے اور وہ کون کرے وغیرہ شکایات ہمارے سر تھوپی جاتی ہیں۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ لکھیں تو کہاں لکھیں کس پتہ پر لکھیں آپکے انتظام کا تو یہ حال ہے کہ اگست ۱۲ء کے پرچے کے صفحہ ۲ پر اولڈ بوائے کے مقاصد بیان کرنیکے بعد جن قواعد کی پابندی کا حکم نافذ ہوتا ہے انہیں لکھا جاتا ہے کہ جملہ خط و کتابت وغیرہ منیجر اولڈ بوائے علیگڑھ سے ہونی چاہیئے۔ لیکن ستمبر ۱۹۱۲ء کے اسی صفحہ پر حکم ہوتا ہے کہ منیجر اولڈ بوائے بنارس سے ہونی چاہیئے۔

اب فرمایئے آیا علی گڑھ ٹھیک مانا جائے یا بنارس معلوم ہوتا ہے کہ اب پھر دفتر بنارس تبدیل ہو گیا ہے اور اگر یہ بھی کتابت کی غلطی میں شامل کر لیا جاوے تو مجھ جیسی موٹی عقل والیکا اس زمانے میں اولڈ بوائے سے مستفید ہونا بالکل مشکل ہے۔ تاہم یہ عریضہ خدا کا نام لے کر علی گڑھ ہی بھیجتا ہوں اور قسمت آزمائی کرتا ہوں۔

اس بے قاعدگی کی شکایت میں اسقدر وقت صرف ہو گیا ہے کہ دیگر امور کا تذکرہ نہیں کر سکتا مضامین کا کیا ذکر کردں معلوم ہوا کہ بس دو تین مضامین ہی دماغ میں دورہ کر رہے تھے جن کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی گئی اور دو سال ضائع کئے گئے۔ اولڈ بوائے اسٹور اور قومی لباس یا لباس اس قدر عجیب فلسفیانہ مضامین نکلے ہیں جنکا سمجھنا اسقدر دشوار ہو گیا ہے کہ اب تک ان کا حل نہیں ہوا۔ خدا محرک صاحبان کا بھلا کرے جن کی وجہ سے اولڈ بوائے کو روز بد دیکھنا نصیب ہوا اور چراغ ٹمٹا تا رہا ورنہ ان مضامین کی عدم موجودگی سے موجودہ حالت بھی قائم نہ رہتی۔ ابھی یہی سبق دیا جا رہا ہے کہ فلاں سے خط و کتابت کرو وہاں لکھو یہ کرو اور وہ کرو اس میں بھی سال گزر جاویگا اور زمین گول ہے کا مسئلہ ثابت ہو جاویگا۔ باقی الله الله خیر صلا۔

میری یہ رائے ہے کہ ان فضول مباحثوں کو بالائے طاق رکھدیا جائے کیونکہ آجتک اسکے متعلق جتنے مضامین نکلے ہیں کسی میں کام کی بات نہیں۔ "چاہئیے" کا زیادہ خرچ ہے اور یہی لفظ ان میں لفظ شماری (بروزن مردم شماری) کی حیثیت سے زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔ آپ کے اولڈ بوائے کا کوئی پرچہ ایسا نہیں جس کے متعلق مجھے کچھ نہ کچھ کہنا ہو افسوس میرے پاس اس وقت کل پرچے نہیں ہیں ورنہ میں آپکو ایک فہرست بھیجتا جن پر مجھے بحث کرنا ہے اور ان شکایتی باتوں کو چھوڑ کر کام کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس وقت بوجہ قلت گنجائش میں اس گستاخانہ کو جو نیک نیتی پر مبنی ہے صرف اتنا عرض کر کے بند کرتا ہوں کہ میں بشرط زندگی مفصلہ ذیل مضامین کے متعلق عرض کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں بشرطیکہ آپ اجازت مرحمت فرمائیں۔

۱- اولڈ بوائے اسٹور

۲۔ قومی نشان یا لباس

۳۔ "علیگ لقبی" پر گوہر افشانی

۴۔ "اولڈ بوائے" کی ترتیب

اخیر میں میں آپکے دفتر کی ایک عنایت خاص کیطرف دوبارہ توجہ دلانیکی آپکو تکلیف دونگا وہ یہ ہے کہ اگست کا اولڈ بوائے پہنچا تو سہی لیکن صفحہ ۳۳ سے صفحہ ۴۰ تک بالکل غائب ہے۔ اور یاد دہانی پر بھی توجہ نہ کیگئی افسوس، کیا اب بھی سماعت ہو سکتی ہے؟

خط کتابت مجھ سے میرٹھ کے پتہ پر کیجئے لیکن رسالہ بدستور سابق پتہ پر بھیجتے رہئیے۔ لیکن ہاں ۳۳ - ۴۰ کا فرمہ اگر دستیاب ہو سکے تو میرٹھ کے پتہ پر بھیجدیجئے۔ میری خریداری کا نمبر ۲۰۰ ہے زیادہ نیاز۔ میں ہوں آپکا علیگ لقبی (کے ایچ۔ فیاض احمد پانی پتی)

تضمین بر نظم مولنا شبلی

مولنا شبلی کی ایک نظم "حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک" ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کے زمیندار میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل کا مخمس اسی نظم کی تضمین ہے جو جناب نواب ابو المعظم سراج الدین احمد خاں سائل رئیس لوہارو کی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ حضرت سائل کا جو پایہ شاعری کے لحاظ سے ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ صرف اسقدر کافی ہے کہ آپ داغ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ "اڈیٹر"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعاے عافیت مانگے گا دین خستہ جاں کب تک　　مخالف گردشیں کرتا رہے گا آسماں کب تک
سنائیگا بتا اے کوکب نامہرباں کب تک　　حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھیگا دھواں کب تک

بڑھے گر جا رہو سے سوئے دامن آہنیں پنجے / پکڑ کر گوشۂ دامن ستمگاروں نے گر کھینچے
رہیگی تاج و تخت روم کی پھر آبرو کیسے / قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیئے پرزے
فضائے آسمانی میں اُڑینگی دھجیاں کبتک

سُنے کوئی تو ہم اُس سے کہیں بھی مدعا یہ ہے / مصیبت اپنے اوپر یہ پڑی ہے ماجرا یہ ہے
یہ دل میں درد پیدا ہو گیا ہے عارضہ یہ ہے / مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کبتک

جنود مانعتی۔ میدان سے جو بڑھتا آتا ہے / قشون سرویہ اس شان سے جو بڑھتا آتا ہے
سحاب حبش۔ اب یونان سے جو بڑھتا آتا ہے / یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکیگا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک

خبر ہو اپنے بیگانے ہیں کیا کیا دیکھنے والے / مراد غیر یا اپنی تمنا دیکھنے والے
کئے بیٹھے ہیں بند آنکھوں کو مانا دیکھنے والے / یہ سب ہیں رقص بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر انکو دکھائیگا شہید خستہ جاں کبتک

یہ صورت درد کی مرغوب کنکو کن کو بھاتی ہے / صدا ماتم کی دلخوش کن ہے انکی انکو بھاتی ہے
یہی یہ راتکو سُنتے ہیں یہی دن کو بھاتی ہے / یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ انکو سُنائیگا یتیم ناتواں کبتک

کسی ترکیب سے آخر ہمیں معلوم کچھ ہو تو / کوئی ہمدرد اپنا ہو۔ کوئی دلسوز اپنا ہو
تو اک پیغام پہنچانے کی ہم تکلیف دیں اُسکو / کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے اُستاد
یہ ظلم آرائیاں کبتک یہ حشر انگیزیاں کبتک

ستائی کے نمونے کی کہو تو انتہا تا کے / کئے جائیگا اک رنجور فریاد و بکا تا کے
ہوئے جائینگے اک مظلوم پر جور و جفا تا کے / یہ جوش انگیزی طوفان بیداد و بلا تا کے
یہ لطف اندوزی ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

ہماری بھی تمہاری بھی قضا اک روز آئی ہے ‏ ‏ نہیں رہنے کی شے۔ یہ جان تو اک روز جانی ہے
سنا بھی تم نے یہ اتمام حجت کی کہانی ہے ‏ ‏ یہ مانا تمکو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کبتک

کبھی حالت کسی کی غیر گر تم نے نہیں دیکھی ‏ ‏ مسلماں لاش بے سر پیر گر تمنے نہیں دیکھی
دکھا تو دی تمہیں اب خیر گر تم نے نہیں دیکھی ‏ ‏ نگارستان خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تمکو زخمہائے خوں فشاں کبتک

بلاد و مصر کے فرماؤ۔ ویراں چاہئیں تمکو ‏ ‏ پٹے لاشوں سے کے کے میل میداں چاہئیں تمکو
کہو تو کتنے پُر گنتی ہیں زنداں چاہئیں تمکو ‏ ‏ یہ مانا گرمیٔ محفل کے ساماں چاہئیں تمکو
دکھائیں۔ ہم تمہیں ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

زباں سے حرف بھی گر قصۂ غم کا نکلتا ہے ‏ ‏ کلیجے میں کوئی چٹکی سی لیتا ہے مسلتا ہے
ہمارے حال پر عالم کف افسوس ملتا ہے ‏ ‏ یہ مانا قصۂ غم سے تمہارا جی بہلتا ہے
مگر تمکو سنائیں درد دل کی داستاں کبتک

ہوا جاتا ہے قامت خم ہری سرسبز ڈالی کا ‏ ‏ غم جانکاہ ہے ہم کو ہماری نونہالی کا
ٹھکانا کیا تمہاری جور و بیداد خیالی کا ‏ ‏ یہ مانا تمکو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کبتک

جو دشواری ہماری ہے اُسے سمجھے ہو تم آساں ‏ ‏ کرو انسانیت کی بات بھی تم ہو اگر انساں
تم اپنی زیب و زینت کے نکالو اور کچھ ساماں ‏ ‏ عروس بخت کی خاطر تمہیں درکار ہے افشاں
ہمارے ذرّے خاک ہونگے زر فشاں کبتک

قضا کے ہاتھ میں تھا انتظام فتح ایوبی ‏ ‏ وگرنہ ہم کہاں اور انصرام فتح ایوبی
نہ لو تیرہ صدی کے بعد نام فتح ایوبی ‏ ‏ کہانتک لوگے ہمسے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤگے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کبتک

سمجھ کر یہ کہ یورپ بھر کے اندر ناتواں ہیں ہم   سمجھ کر یہ کہ بیمار و نزار و نیم جاں ہیں ہم
سمجھ کر یہ گھڑی ساعت کے گویا میہماں ہیں ہم   سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

نہ بازو میں توانائی نہ تن میں تاب و طاقت ہے   بزرگوں کی نشانی تم میں باقی اک شجاعت ہے
اسی سے کام لینا چاہئے یہ وقت ہمت ہے   زوالِ دولت عثماں زوالِ شرع و ملت ہے
عزیزو! فکر فرزند و عیال و خانماں کبتک

سمجھ سے کام جب تم لو تو پھر دشواریاں کیا ہیں   نہ سمجھو جان کو جب جان پھر ناچاریاں کیا ہیں
یہ چالیں کونسی چالیں ہیں یہ مکاریاں کیا ہیں   خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کبتک

اگر شمشیر غازی کا دل مشرک سے ڈر اٹھے   تو ہر کوئی کو اس کی گوشۂ عالم سے سر اٹھے
نہ آئے وقت وہ یارب کہ بیٹھے خیر شر اٹھے   پرستاران خاک کعبہ دنیا سے اگر اٹھے
تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قدسیاں کبتک

کہو جو ہوتا آیا ہے تمہارے جد و آبا سے   لہو انکا پیو جو ہیں تمہارے خون کے پیاسے
خدارا دولت عثماں کو مٹنے دو نہ دنیا سے   جو گونج اٹھیگا عالم شور ناقوس کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگ اذاں کبتک

تبہ اسلام کی وہ دولتیں کیسی ہوئیں نامی   سبب کیا تھا یہی نقصان ہمت عقل کی خامی
الٰہ العٰلمین اس معرکے میں ہو نہ ناکامی   بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کبتک

سوئے بیت المقدس رہزنوں کی صاف راہیں ہیں   کلیسا ہیں زیادہ کم مقدس خانقاہیں ہیں
مسلمانوں کی ناصر ہیں تو خالق کی پناہیں ہیں   حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کا آشیاں کبتک

کہ ہر ہم دسے لگے بہلانے کو زیر آسماں جائیں + ملے آرام و راحت کی جگہ تو ہم وہاں جائیں
کہاں سائل تباؤ چھوڑ کر ہندوستاں جائیں + جو ہجرت کرکے بھی جائیں تو شبلی ہم کہاں جائیں

کہ اب امن و اماں شام و نجد و قیرواں کیتک

کالج کی خبریں

۲۶ جنوری کو نواب محمد اسحٰق خاں صاحب نے آنریری سکرٹری کے عہدہ کا چارج لیا۔ اس موقع پر جو تقریر نواب صاحب نے فرمائی اُس سے ہمارے نئے سکرٹری کے خیالات کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات۔ یورپین اسٹاف کے اختیارات انڈین اسٹاف کے حقوق کی نگہداشت، طلبہ کی ڈسپلن۔ ان تمام امور پر نواب صاحب نے بہت وضاحت کے ساتھ بحث کی اور ہمیں قوی اُمید ہے کہ ان اصول کی پابندی کے ساتھ کسی فریق کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملسکتا۔ خدا اُن کی مدد فرمائے۔

ٹرسٹیوں کے اسی سالانہ جلسہ میں جو ۲۶ جنوری کو منعقد ہوا تھا چند نئے ٹرسٹیوں کا انتخاب ہوا۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) جسٹس عبدالرحیم صاحب — (۲) وزیر صاحب خیرپور سندھ
(۳) مسٹر راس مسعود صاحب — (۴) مسٹر سراج احمد صاحب
(۵) مسٹر احسان الحق صاحب — (۶) سید وزیر حسن سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ
(۷) مسٹر ابن احمد صاحب — (۸) مسٹر محمد یعقوب صاحب
(۹) مسٹر شوکت علی صاحب۔

ان میں سے آخر الذکر سات حضرات ہمارے کالج کے اولڈ بوائے ہیں۔

یونین کے انتخاب سالانہ میں حسب ذیل اصحاب کا انتخاب ہوا۔

(۱) مسٹر الیاس برنی صاحب بی اے وائس پریسیڈنٹ

(۲) مسٹر شاہ عالم خاں صاحب۔ سکرٹری

(۳) محمد عبدالرفیع صاحب۔ لائبریرین۔

ماہ ربیع الاول کی نویں تاریخ کو نواب محمد اسحاق خاں صاحب کی کوٹھی پر محفل میلاد شریف نواب صاحب ممدوح کی طرف سے منعقد ہوئی۔ جس میں کالج کے تمام طلبہ شریک تھے۔ پہلے مولوی عشرت حسین صاحب میرٹھی نے نعتیہ نظمیں پڑھیں۔ پھر جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دینیات نے آنحضرت کی لائف پر دو گھنٹہ تک تقریر کی اور بیان ولادت پڑھکر مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعا پر تقریر کو ختم کیا۔

---

۱۲ ربیع الاول کو کالج کی طرف سے محفل میلاد شریف کا انعقاد اسٹریچی ہال میں کیا گیا۔ اسٹریچی ہال بہت خوشنمائی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ افتتاح جلسہ کے وقت اسکول کے دو طالب علموں نے باری باری سے قران پاک کی تلاوت کی۔ اس کے بعد نواب

محمد اسحاق خاں صاحب نے ایک مختصر تقریر کی۔ پھر مولوی عبد اللہ صاحب انصاری ناظم صیغۂ دینیات نے مثنوی مولانا روم سے حضرت بلالؓ کا قصہ پڑھکر سنایا۔ مولنا عباس حسین صاحب نے سورۂ والضحیٰ کی قرأت مدنی لہجہ میں فرمائی اور اُس کی تفسیر بھی کسی قدر بیان کی۔ آخر میں مولانا سلیمان اشرف صاحب نے آنحضرتؐ کی ولادت کا حال بیان کرکے جلسہ ختم کیا میلاد شریف کے ان دونوں جلسوں کی شرکت طلبہ نے کمال ارادتمندی کے ساتھ کی اور اُمید ہو کہ آیندہ یوم النبی کے موقعے پر جلسہ زیادہ اہتمام کے ساتھ منعقد ہوسکیگا اسلیئے کہ اس سال انتظام بہت جلدی میں کیا گیا۔

ڈیوٹی سوسائٹی کے کارکنوں کی طرف سے کئی بار یہ شکایت سننے میں آئی ہو کہ سوسائٹی کا سرمایہ بہت کم رہگیا ہی اور جس حساب سے سالانہ وظائف جاتے ہیں موجودہ رقم آیندہ سال کے لیے بھی شاید اکتفا نہ کرسکے۔ ہماری دانست میں یہ بہت ہی قابل غور مسئلہ ہی۔ وظائف کی تعداد یا مقدار میں کمی کرنیکا یہ مطلب ہوگا کہ تعلیم میں رُکاوٹ پیدا ہو اور یہ کسی طرح موزوں نہیں ہی۔ ہمیں اُمید ہو کہ علاوہ خدام انجمن الفرض کے کارکنان کالج اس معاملہ کی طرف توجہ فرمائینگے اور ساتھ ہی ہم اپنے اُن تمام بھائیوں سے جنہوں نے انجمن الفرض کی اعانت سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی ہی۔ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس موقع پر کوشش کرینگے کہ اپنے اپنے قرض کو ادا کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔

۲۳ اور ۲۴ فروری کو کالج اور اسکول کے سالانہ ورزشی کھیل ہوئے جن کے دیکھنے کے لیے ضلع کے یورپین لیڈیز و جنٹلمین اور دیگر معززین بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے آخری روز سر تھیوڈور ماریسن کی شرکت نے رونق و دلچسپی کو اور بھی دوبالا کردیا تھا انعامات کی فہرست آیندہ شائع کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کیفیت سید ریاض الدین احمد صاحب (مانیٹر ماریسن کورٹ) سے موصول ہوئی ہی۔

آنریبل سر تھیوڈور ماریسن ۲۳ فروری کو سہ پہر کے ڈھائی بجے تشریف لائے۔ اسٹیشن پر
آپکا استقبال کیا گیا۔ اُسی روز شب کیوقت مسٹر ٹول پرنسپل کالج نے آپکو ڈنر پر مدعو کیا
اور ۲۴ فروری کو صاحب آنریری سکرٹری کالج کی طرف سے آپکو بریکفاسٹ دیا گیا۔
سر تھیوڈور ماریسن نے اپنے اس قیام کے ایام میں کالج کو نہایت دلچسپی کے ساتھ بالاستیعاب
ملاحظہ کیا اور اس کی ترقی سے بہت مسرور ہوئے۔

۲۲ فروری کو شب کے آٹھ بجے سالار منزل میں کرکٹ کلب کا سالانہ ڈنر ہوا جسمیں
دو سو کے قریب طلبا اور پچاس کے قریب مہمان شریک تھے جن میں یورپین اصحاب بھی
شامل تھے۔ ڈائننگ ہال کو ٹروفیز اور کرکٹ کی تصاویر وغیرہ سے آراستہ کرنے میں
طلبا نے نہایت کوشش اور سلیقہ کو صرف کیا تھا۔ کلب کے پریسیڈنٹ مسٹر گولڈی کی
(ناگہانی علالت کی وجہ سے) عدم موجودگی میں مسٹر ٹول پریسیڈنٹ قرار پائے ڈنر کے بعد
سب سے پہلے منجانب صدارت حضور ملک معظم اور خاندان شاہی کا ٹوسٹ تجویز کیا گیا جو
نہایت مسرت کے ساتھ نوش کیا گیا۔ اس کے بعد مسٹر احسن محمد حیات بی اے نے پیارے
کالج کا جام تجویز کیا جس کے جواب میں صاحب آنریری سکرٹری بہادر کالج نے تقریر
فرمائی۔ تیسرا جام کرکٹ کا مسٹر شوکت علی خاں بی اے (سابق کرکٹ کپتان) نے
تجویز کیا اور اس کا جواب مسٹر سید الوحید خاں (موجودہ کپتان) نے دیا۔ چوتھا جام کھیلوں کا
مسٹر زین العابدین سکرٹری کرکٹ کلب نے تجویز کیا جواب مسٹر رب عالم (ہاکی کپتان)
مسٹر واجد حسین (فٹ بال کپتان) اور مسٹر بدل الرحمٰن (ٹینس سکرٹری) نے دیا۔ مسٹر
سید خیرات علی نے پریسیڈنٹ کلب کا جام صحت تجویز کیا۔ آخر میں مسٹر سید اقبال علی شاہ
اسکول کرکٹ کپتان نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کیا جس کے جواب میں جو تقریر
جناب نواب سید حسین صاحب بلگرامی نے فرمائی اس پر مجمع نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا

اولڈ بوائز

ہمیں یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی کہ ہمارے عزیز دوست مسٹر شمس الضحیٰ صوبہ بنگال کے بنک ہائے دیہی کے انسپکٹر مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ اپنے کالج کی شان قائم رکھکر اچھا کام کرینگے اور اپنے کام سے رعایا اور حکام دونوں کو خوش رکھینگے۔ ہمکو خوشی اس بات سے اور زیادہ ہے کہ مشرقی بنگال میں بھی ہمارے کالج کے طلبہ زیادہ ہوتے جاتے ہیں جو فال نیک ہے

مسٹر نظیر عباس اکسٹرا اسسٹنٹ کنزرویٹر جنگلات کے خدمات صوبہ متوسطہ سے ریاست بھوپال کو منتقل کئے گئے ہیں اور ہمارے بھائی نے وہاں پہنچکر اپنے عہدے کا چارج لے لیا ہے۔ ہم حضور سرکار عالیہ کی بالغ نظری کے قائل ہیں کہ اُنھوں نے جس عہدہ دار کو اپنے یہاں بلایا اپنے صوبہ میں منتخب تھا۔ اور مسٹر نظیر عباس بھی انھیں میں سے ایک ہیں۔ مسٹر نظیر عباس جب کبھی اپنے وطن آتے ہیں کالج کو فراموش نہیں کرتے۔ ہم اُنھیں اس تقرر پر مبارک باد دیتے ہیں۔

مسٹر مولا بخش افسر جنگلات ریاست ٹونک کا قصد زراعت یا جنگلات کی تعلیم کے لیے انگلستان یا امریکہ جانے کا ہے (اور کیا عجب ہے کہ امریکہ جائیں) وہ اپنے زمانۂ قیام کالج میں اور کالج سے باہر "مہمان نواز" کے نام سے یاد کئے جاتے رہے ہیں اور ہیں بھی فی الواقع مہمان نواز۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کا یہ سفر کامیاب ثابت ہو۔

ہمیں صاحبزادہ سجاد علیخاں صاحب سے ہمدردی ہے کہ اُن کی بیگم صاحبہ نے عین عالم شباب میں ۱۱ فروری کو وفات پائی اور اپنے پیچھے سارے رامپور کو اپنے ماتم میں گریہ کناں چھوڑا۔ بیگم صاحبہ حضور نواب صاحب والی رامپور کی صاحبزادی تھیں اور ابھی تھوڑے ہی دن اُن کی شادی کو ہوئے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحومہ نہ صرف فارسی اور عربی کی ماہر تھیں بلکہ انگریزی میں بھی کافی دستگاہ رکھتی تھیں۔

بہت کم خوش نصیب لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو ایسی بیبیاں ملتی ہوں اس سانحہ پر جس قدر افسوس کیا جائے بجا ہے۔

مسٹر آغا محمد اکرم صاحب کی ترقی ہو گئی ہے اور اب وہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹی کے پانچ سو کے گریڈ میں آگئے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ انھوں نے ایک بڑی دعوت کی ٹھانی ہے اور رباسپور کے جنگلوں میں خوب تنکار کھلائینگے۔ ہمیں مسٹر اکرم کی پہلی ملاقات ہمیشہ یاد رہیگی جو ۱۹۱۲ء میں کالج میں ہوئی تھی اور انھیں نماز جمعہ کے لئے گھبرایا ہوا پایا تھا ترقی انھیں مبارک ہو مٹھائی تو وہ کیا کھلائینگے۔

مسٹر سید محمد حسین صاحب رضوی بی اے کے نام سے بہت سے اولڈ بوائز واقف ہونگے۔ انھوں نے اسی ماہ میں وفات پائی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مرحوم نے ورم گردہ میں دو مہینے بیمار رہ کر قضا کی۔ مسٹر رضوی نے اس زمانہ میں ہمارے کالج سے ایف اے کیا تھا جب کہ کالج کی ابتدا ہی ہوئی تھی۔ پھر اپنے طور پر بی اے کر کے صیغۂ تعلیمات میں ملازم ہو گئے۔ آخر کے چند سال ولیعہد ریاست کی اتالیقی میں گزرے

اور راجپوتانہ میں ہماری ایسوسی ایشن کے پراونشل سکرٹری رہے۔ ہم مرحوم کے تمام خاندان کے ساتھ عموماً اور مسٹر سید حامد حسین کے ساتھ خصوصاً اس غم میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

مسٹر محمد نصیر حسن کے متعلق ہم کسی گزشتہ اشاعت میں لکھ چکے ہیں رائے پور دصوبہ متوسط میں سکینڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں اور ہمیں یہ معلوم کرکے اور زیادہ خوشی ہوئی کہ ان کا تقرر ہمارے ایک دوسرے اولڈ بوائے مسٹر رشید الملک کی جگہ ہوا ہے جو رائے پور کالج کے پروفیسر بنائے گئے ہیں۔ دونوں کو مبارک ہو۔

مسٹر سید اولاد حسین صاحب کے والد ماجد مولوی سید ظہور حسین صاحب وکیل کے انتقال کا حال معلوم کرکے ہمیں سخت صدمہ ہوا۔ مرحوم اپنے خاندان ہی میں نہیں بلکہ قصبہ ہیپونڈ کے مسلمانوں میں سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنے فرزندوں اور عزیزوں کو انگریزی تعلیم دلائی اور مسٹر اولاد کو علیگڈھ بھیجا۔ ہمیں عزیزی سید اولاد حسین صاحب اور اُن کے خاندان سے اس غم میں ہمدردی ہے۔

ہمیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی ہے اور یقیناً ہمارے ناظرین بھی مسرور ہونگے کہ اس مرتبہ ان صوبجات میں دو اولڈ بوائز انسپکٹری میں نامزد ہوئے ہیں۔ مسٹر اکرام حسین صاحب اور مسٹر ظہور الحسن صاحب۔ مسٹر اکرام گورکھپور میں سب انسپکٹر تھے اور مسٹر ظہور الہ آباد میں۔ مسٹر ظہور سے ہمیں معلوم ہوا کہ اُنکے ہمنام مسٹر ظہور حسین صاحب جو ایک عرصہ سے صاحب فراش ہیں اور جن کا نام کملنڈروں کے سوا کئی مرتبہ ہمارے

رسالے میں آچکا ہی جب الہ آباد میں تھے تو آپس میں اسقدر محبت ہوگئی کہ اکثر ایک دوسرے کے یہاں جہاں بیٹھ گئے وقت گزار دیا۔ اور یہی نہیں بلکہ آپس میں مغائرت بھی نہ تھی اسیلئے ایسوسی ایشن سے جسقدر وی پیاں جاتیں مسٹر ظہور حسین یہ کہکر اندر بھجوا دیتے کہ یہ وی پی ظہور کے نام کی، ہر ادا کر دیجائے۔ وہ بچارے روپیہ ڈاکیہ کو دیدیتے اور بعد کو مسٹر ظہور الحسن اپنی وی پی بھی وصول کرتے اس طرح اُن پر گویا دہرا ٹیکس تھا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ خدا کرے مسٹر ظہور حسین اچھے ہو کر جلد الہ آباد آئیں اور میں بجائے دہرے ٹیکس کے ایک حصہ کا اور اضافہ کر دوں۔

ہمارے دوست اور کالج کے ہونہار گریجوئٹ مسٹر امیر احمد جو اپنی تعلیم ختم کر کے ہمارے مدرسہ کے خادموں میں شامل ہو گئے تھے اس مہینے میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ہمیں مسٹر رفیع اللہ خاں صاحب اور مسٹر رفیع القدر سے اس غم میں دلی ہمدردی ہی اور خدا سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ہمیں خوشی ہی کہ مسٹر محمود علی چودہری اپنے وطن رنگ پور میں ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے ہیں۔ مسٹر محمود نے ہمارے کالج سے بی اے کیا اور جب ہم یونیورسٹی کے متعلق دورہ کر رہے تھے تو ہمیں بہت مدد دی۔ خدا یہ تقرر مبارک کرے۔

مسٹر سید لائق حسین کے بچے اور اُن کے چھوٹے بھائی مسٹر سید فائق حسین صاحب کے فرزند نے پچھلے مہینے میں یکے بعد دیگرے وفات پائی ہی

تھی کہ ہمارے موخرالذکر عزیز کے نوزائیدہ بچے نے بھی تین دن زندہ رہ کر انتقال کیا۔ ایک گھر میں تین موتوں کا ہونا قابل افسوس اور تکلیف دہ ہے۔ خدا ہمارے دونوں بھائیوں کو صبر دے

اولڈ بوائے کا مارچ نمبر "ڈنر نمبر" کے نام سے شائع ہوگا اور انشاءاللہ تعالیٰ عین ڈنر کے موقعے پر ناظرین کی خدمت میں پہونچ جائیگا۔

مسٹر سید اکبر علی خاں صاحب نے پنڈراول میں اور مسٹر سید محمود الحسن صاحب و مسٹر سید مسعود الحسن صاحب نے اصغر آباد میں اُن غریب الوطن لوگوں کی مہمانداری کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جو حضور سرور کائنات اور حضرت امام حسنؑ کی مجالس عزا میں ان دونوں مقامات پر آئے تھے۔ پڑھنے کے لیے خاندان انیس و دبیر کے مشاہیر اور کئی اچھے سوزخواں بلائے گئے تھے۔

اولڈ بوائز لاج

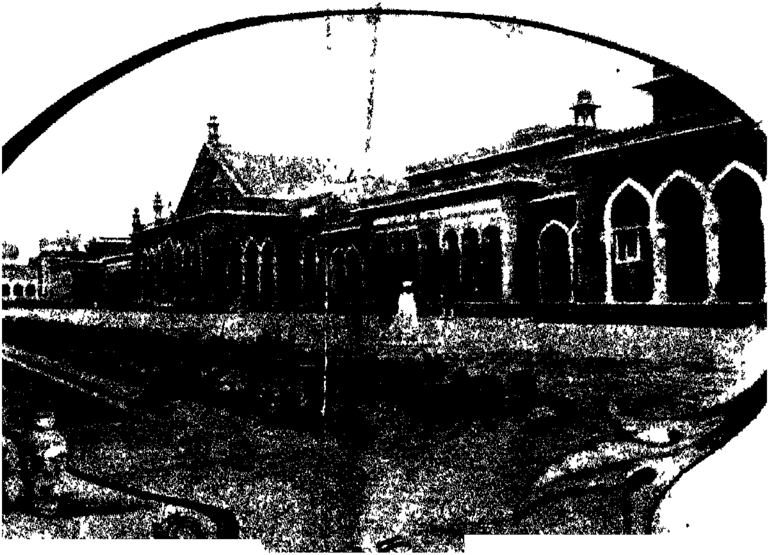
ہمارے ناظرین کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ "اولڈ بوائز لاج" جس کی ہمارے ایسوسی ایشن کو بیحد ضرورت تھی۔ اب اُس کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ لاج کی تیاری کا کام ہمارے عزیز دوست مسٹر عظیم داد خاں کے سپرد ہوا ہے جو نہایت محنت سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ ہم نے اس سے پہلے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے ناظرین کو بتایا ہے کہ لاج آرنلڈ ہاؤس کے قریب اور کرکٹ لان کے سامنے ہے اور جو لوگ اس موقع کو دیکھ چکے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر موقع

کالج کی کسی عمارت کو نہیں ملا ہے۔ اب تک جو کام ہوا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جون جولائی تک لاج کی پہلی منزل تیار ہو جائیگی اور جو تکلیف اولڈ بوائز کو ہوتی ہے وہ ایک بڑی حد تک جاتی رہیگی۔ بنیادیں بھر کر سطح زمین سے تین فیٹ اونچی کر دی گئی ہے اور اس وقت تک کل چار فیٹ اونچا کام ہو چکا ہے۔ دسمبر میں ہم لاج کا نقشہ درج رسالہ کرتے ہیں جس سے تمام اولڈ بوائز کو اُس کی شان نظر آجائیگی اور کیا عجب ہے کہ اسکو دیکھکر ہمارے دور افتادہ بھائیوں کے دل میں عرصے کے بعد تو اپنے کالج کے دیکھنے کی آرزو پیدا ہوگی۔

حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور کے مصاحبین میں مسٹر سید غلام علی صاحب کا اضافہ ہوا ہے اُمید ہے کہ اپنے کام کے اہل سمجھے جائینگے۔ ہم اُنھیں مبارکباد دیتے ہیں۔



اولڈ بوائے



رجسٹرڈ نمبر اے (۵۳۲)

اولڈ بوائے

جلد ۳ بابت ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۷-۸

اڈیٹر

شوکت علی بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوکر

(حسب ایمائے مولوی سید منظر علی صاحب دفتر اولڈ بوائے علی گڑھ سے شائع ہوا)

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبہ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اور اُسکے حالات سے انکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اور اُس کو ترقی دینا اور اُس کے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گذاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر اولڈبوائے علی گڑھ سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبوائے علی گڑھ آنا چاہیئے اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈبوائے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لئے طیار ہیں اور شکرگزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولڈ بوائے کا "ڈر نمبر"

"اولڈ بوائے" کو وجود میں آئے ہوئے ابھی پورے تین سال بھی نہیں ہوئے مگر اتنے ہی قلیل عرصے میں دنیا کے تمام گرم و سرد تجربے اُٹھانے پڑے۔ ہمارے ناظرین وہ زمانہ یاد کریں جب بنارس سے اس کے اجرا کا پراسپکٹس شائع ہوا تھا اور ہمارے احباب نے دل سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

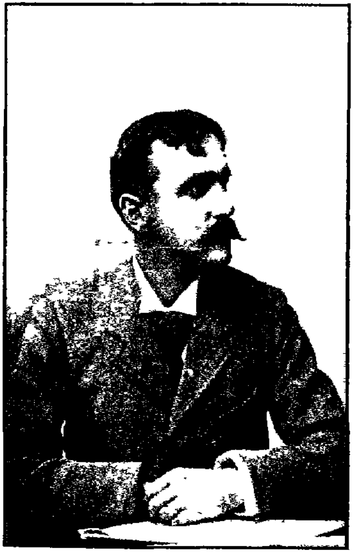
پہلے اور دوسرے نمبر کی اشاعت پر ہمارے پاس اتنے ہمت افزا خطوط اور مبارک باد کے پیام آئے کہ اگر آج ہم اُن کو اکٹھا کر کے چھاپنا شروع کریں تو یقین ہی کہ سال بھر تک نہ تو ہمیں کسی مضمون نگار کی ضرورت پیش آئے اور نہ ناظرین کو پرچے کے خلاف وقت نکلنے کی شکایت ہو۔ اُس وقت کون خیال کر سکتا تھا کہ دو سال بھی نہ پورے

ہونے پائینگے کہ اس ہونہار بچے کو دنیا کے تمام مصائب و آلام جھیلنا پڑینگے خدا کی شان ! جس کے سر پر ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں بھائی موجود ہوں ور محبت کا دم بھرتے ہوں تو وہ یوں کس مپرسی کی حالت میں رہے!

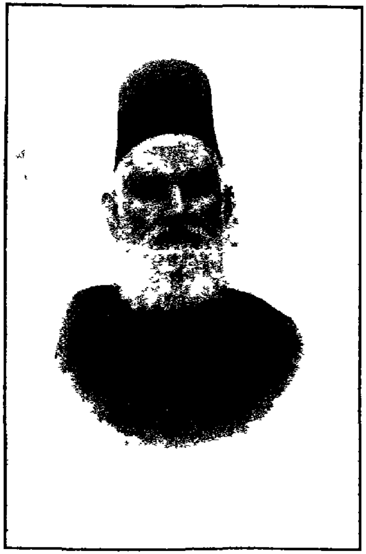
اس تمام عرصہ میں جو بنارس سے دفتر کے منتقل ہونیکے بعد ہمپر گزرا ہے ہمیں ہزاروں دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ساتھ ہی برابر طعنۂ اغیار اور شکایت آشنا کے نشانہ رہے۔ ایسی حالت میں بجز خاموش رہنے کے ہمارے پاس کیا چارہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ زمانہ اب ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے اور اولڈ بوائے اپنی زندگی کے دوسری اسٹیج پر قدم رکھتا نظر آتا ہے۔ اشاعت کے لحاظ سے ہم بمقابلہ سابق کے بہت کم ہیں، اور ہمارے اکثر مضمون نگار بھی تساہل کو کام میں لاکر ہماری اعانت قلمی سے پہلو تہی کرنے لگے ہیں۔ مگر ہم نے باوجود ان تمام دقتوں کے پرچہ کو آیندہ سے باتصویر کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلا مصور نمبر جو ناظرین کی خدمت میں بھیجا جارہا ہے " ڈنر نمبر" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اولڈ بوائز ڈنر کو جو خصوصیت اس پرچہ کے ساتھ ہوسکتی ہے وہ محتاج بیان نہیں اس لحاظ سے ڈنر نمبر کو خاص اہتمام کے ساتھ شائع کرنا اور اپنی زندگی کے نئے دور کو اس موقع کے ساتھ موسوم کرنا ہمنے اپنے لئے ایک مبارک شگون سمجھا ہے۔

اس پرچہ کے ساتھ جتنی تصویریں ہیں انکے متعلق مختصر نوٹ یا مضمون ان تصویروں کے ساتھ ملینگے۔ اس لئے ہم ان کی تفصیل یہاں بیکار سمجھتے ہیں۔ مضامین کے متعلق البتہ ہمیں افسوس ہے کہ جیسے مضامین ہم چاہتے تھے درج نہو سکے تاہم "جوش" کا مضمون " زہر" کے عنوان سے اور " لال دیو" کی " تاریخ خاندان دھنکیہ" خاص دلچسپی رکھتے ہیں ہمیں امید ہے کہ ناظرین ہماری اس پہلی کوشش میں ہماری ہمت افزائی کرینگے اور آیندہ سے پرچہ کو اپنی حیثیت پر قائم رکھنے میں مدد دینگے۔

" اولڈ بوائے" کا مقصد کالج کے پرانے اور نئے طلباء میں باہمی رابطہ اتحاد کو قائم



Hon Wall lec Th mas i f lk hurke





رکھنا اور ایک کو دوسرے کے حالات سے وقتاً فوقتاً واقف کرتے رہنا ہے۔ اس لحاظ سے جو مضامین اس میں شائع ہوتے رہتے ہیں اُنکا تعلق علی العموم کالج کی گزشتہ اور موجودہ لائف سے ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر ناظرین ہم سے اس امر کے متقاضی ہیں کہ اولڈبوائے ایک لٹریری پرچہ مثل ادیب والناظر وغیرہ کے بنایا جاسے۔ اس بارہ میں ہم اپنے ناظرین کے مشورے کے محتاج ہیں مگر اپنی طرف سے اسقدر کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ فلسفیانہ اور مورخانہ مضامین کے لحاظ سے اور اُردو کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے پرچوں کی تعداد بہت کافی ہے۔

البتہ جن مضامین کا تعلق مسئلہ تعلیم سے اور بالخصوص علی گڑہ کی مرکزی تعلیم سے ہے اُنکی اشاعت ہمارے مقاصد کا ایک جز ہے اور بہت خوشی کے ساتھ اپنے ناظرین کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اس قسم کے مضامین پر اپنی طبع آزمائی کریں اور اُنسے "اولڈبوائے" کے موضوع کو وسعت دیں۔

آخر میں ہم ایک بارپھر اپنے ناظرین سے اپنی فروگزاشتوں کی معافی چاہتے ہیں اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس پرچہ کو نام کی حیثیت سے جو خصوصیت حاصل ہے اُسکا لحاظ رکھکر کبھی اُسے اپنے درجہ سے گرنے نہ دینگے۔

"ایڈیٹر"

زہر!

وہ عام زہر نہیں جو ہر شخص کو بلا تفریق مذہب و ملت حلق سے اُترتے ہی کچھ گھنٹے کے اندر ایک بولتی بالتی چلتی جاگتی ہستی سے محض انبار لحم و استخواں بنا دیتا ہو، نہیں وہ نہیں۔، بلکہ وہ زہر جسکی صحیح تعریف سوائے اُس شخص کے جس کو خوش قسمتی سے ایسے زہر کا تجربہ حاصل ہو دوسرا قطعی نہ بیان کر سکے؛ اور تو اور لندن کیمیکل سوسائٹی کا ہر فرد لائق محض اُس کا نام سنکر حیرت زدہ ہوجائے! قسم ہی تمام بھیوں کے دماغ بلند پروازی کی یہ ایک فلیک ہے جس کی اصلیت دریافت کرنیکے لیے آپ کو زمانہ ماضی کی قابل قدر تاریخ کی ورق گردانی کرنی پڑیگی!!

یہ نرالا۔ مگر پرانا۔ زہر نام کے علاوہ، تاثیر کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہی ہی! سب سے زیادہ عجیب اور اس وجہ سے سب سے زیادہ قابل توجہ یہ بات ہی کہ یہ زہر دنیا کے ہر جاندار پر یکساں اثر نہیں کرتا: بلکہ یوں سمجھیے۔ یہ زہر سوائے ایک شخص کے کسی دوسرے پر قطعی اثر نہیں کرتا، اور ہر شخص کے لئے حسب ضرورت اور مذاق کے موافق۔ یہ زہر سوائے نام کے اور تمام باتوں میں پلٹ جاتا ہی! ممکن ہی کہ آپ اس اُلجھی اُلجھائی تعریف کو پڑھکر مطمئن نہ ہوں، لیکن غضب یہ ہی کہ اُس کا اصل نام صاف صاف لکھا نہیں جاسکتا!۔ اصل نام؟ ہاں اصل نام! کیونکہ لفظ زہر تو وہ نام ہی جو محض اُسی شخص کی ذات تک محدود ہی جس کا یہ زہر ہی؛ ورنہ وہ عام اور اصلی نام جس سے ہر کس و ناکس اُس کو پکارتا ہو، ہر جگہ کچھ اور رہوگا! لاحول ولا قوۃ...! پھر الفاظ زہر کا نام آتے ہی آپس میں دست و گریباں ہوگئے! جس قدر ہم مطلب کو صاف الفاظ میں آپکے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ اُسی قدر الفاظ کے

محدود معنی لُے اُلجھا کر کسی بے پرواہ کی زلفِ سیاہ بنا دیتے ہیں!!

ایک چوٹی کی تاثیر اس عجیب و غریب زہر کی یہ بھی ہو کہ کھانا پینا تو در کنار محض زبان سے نام نکالنا بھی ایسا ہی ہو جیسے کہ ٹرکی کا اوّل ہی اوّل ریاستوں کے حقوق نہ دینا! یہی نہیں۔ بلکہ کسی دوسرے کی زبان سے نام سُنا کہ آفت آ گئی، قیامت برپا ہو گئی، اور جوشِ جنون کے ملائکہ تہذیب و خودداری کے باوا آدم کو دماغ انسانی کی خلدِ بریں سے کشاں کشاں لے چلے!!

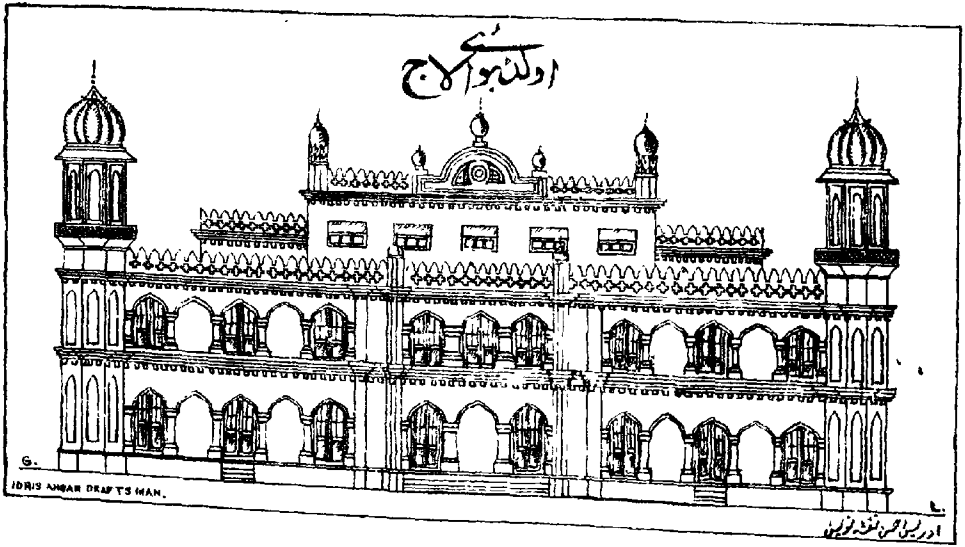
ہاں تو یہ خاص زہر، بازاری زہر سے۔ دوسرے الفاظ میں سنکھیا یا پوائزن سے۔ اُسی قدر ارفع و اعلیٰ ہو جسقدر خرِ عیسیٰ ایک معمولی کمہار کے گدھے سے! یہ زہر بھی سچّا اور اس کے واقعات بھی برحق، مگر غضب یہ ہو کہ دنیا کی ہر اچھی اور سچی چیز کو نمایشی حضرات نے بدنام کر دیا ہو گرا دیا ہو، ذلیل کر دیا ہو! جس طرح ڈھولک پر ناچنے والے سرمنڈے جُہلا نے صوفیاے کرام کی شان پر دھبہ لگا کر خود تصوف کو محض مرغن بریانی حاصل کرنیکا پیشہ بنا لیا ہو، بالکل اسی طرح بہت سے جھوٹے مکاروں نے اپنی مرغوب طبع چیزیں حاصل کرنیکے لیے خواہ مخواہ ایک اچھی سی چیز کو اپنا زہر بنا لینے کا رنگ اختیار کر لیا تھا! مثلاً میرے ایک دوست نے گلاب جامنوں کو اپنا زہر مشہور کر دیا تھا؛ اکثر سادہ لوح یا مذاق پسند حضرات اس کا یقین کر کے گلاب جامنیں انکے سامنے لاے اور ساری قلعی کھُل گئی! ہمارے کرمفرما۔ خدا اس ذکر پر انکی رال نہ ٹپکاے گرم گرم گلاب جامنیں دیکھتے ہی ایسے گرے جیسے گوشت پر چیل، یا حوض کوثر پر زاہد ریشائیل، ایران پر روس ٹرکی پر یورپ! آپ خود سمجھ سکتے ہیں، کاٹ کی ہنڈیا بار بار تو چڑھتی نہیں، بس صرف ایک دفعہ تو شعلۂ جوع ضرور بجھ گیا مگر آیندہ کے لیے ساری شرارت طشت از بام ہو گئی! ہمارے ایک اور عنایت فرما مُنگی براںڈ سوپ بھی اپنی وضع کے ایک ہی شخص تھے، اُنھوں نے بھی کچھ عرصہ تک زہر کو عزت بخشی ہو۔ مگر ان میں یہ کمال اور زیادہ تھا کہ ان کا زہر ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ کے مصداق ہر موسم میں پلٹ جایا کرتا تھا۔ مثلاً جاڑے

ہیں گرم چائے، گرمی میں پانی کی برف، اور برسات میں قلمی آم، حالانکہ میری آنکھوں دیکھی بات ہو کہ وہ چوبیس گھنٹے میں چھتیس آم نہایت آسانی کے ساتھ ہضم کرلیا کرتے تھے! سید حسن صاحب (عابدی) کی چڑ ایک پورا کا پورا جملہ تھی، جو غالباً انکو اور اُنکے احباب کو تنہائی میں ضرور یاد آجایا کرتی ہوگی! مختصر یہ کہ کوئی عمدہ مٹھائی اور کوئی اچھا میوہ ایسا نہ تھا کہ اُس کا نام لیا جائے اور ایک نہ ایک صاحب آستینیں چڑہا کر جامہ سے باہر نہو جائیں! یہ حضرات زہر کی آڑ میں عمدہ چیزیں اُڑانے والے۔ وہ تھے جو خود بھی زہر کیوجہ سے بے اعتبار ہوئے اور نیز زہر جیسی سچی چیز بھی اُن کی وجہ سے بدنام ہوئی!

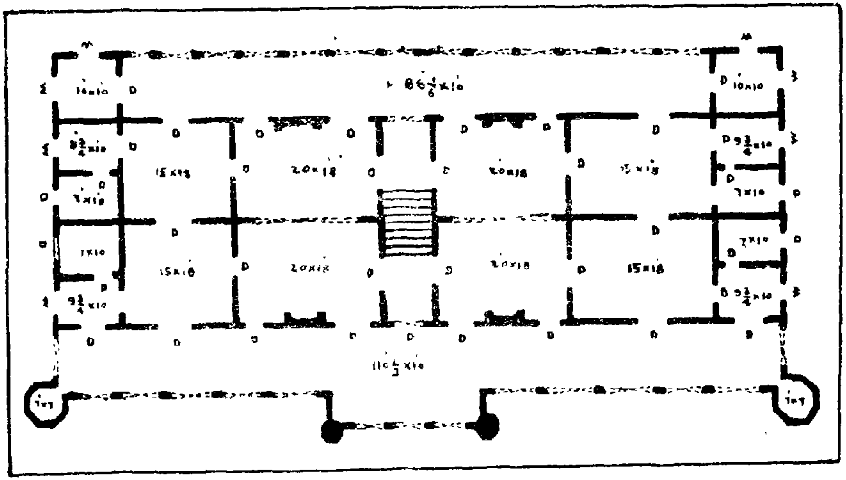
می کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است

بلکہ می میشود از صحبت ناداں بدنام!!

اس تمام تحریر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیجئے کہ زہر محض یاروں کی تیج تھی، حاشا و کلا، کبھی نہیں بُرے میں اچھے اور جھوٹوں میں سچے بھی ہوا کرتے ہیں! نیاز محمد خاں صاحب. بی اے کے سر پر موٹی سی موٹی بائبل رکھ کر پوچھ لیجئے، اگر وہ میرے بیان کی تصدیق نہ کریں تو نہایت خوشی کے ساتھ اجازت دیجاتی ہو کہ آپ ایک ٹوکری زہر کی میرے سامنے رکھدیں! یقین کیجئے، میرا زہر سچا زہر تھا اور میرا قدم استقلال کے راستہ سے نہیں ڈگمگایا، کبھی کبھی نہیں، اکثر ایسا ہوا ہو کہ بعض دق کرنیوالے زہر لیکر میرے سامنے آئے، مگر قسم ہو زہر کی بہترین دوکان کی ہیں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ زہر کو فوراً چھینا اور خود لیجاکر کہیں دور پھینکدیا! ممکن ہو کہ بعض تازہ ولایت بیرسٹر، یا آنریبل ہوجانیکی اُمید رکھنے والے وکیل، اس موقع پر جرح کریں کہ چھین کر خود لیجانے اور دور لیجانے کی وجہ کیا تھی؟ لیکن سچ یہ ہو کہ میری طبیعت خود جس چیز سے متنفر تھی میں سمجھتا تھا کہ ہر شخص اُس سے نفرت کرتا ہوگا۔ اَلمرءُ یَقِیسُ علیٰ نفسِہٖ! میں جانتا تھا کہ زہر جیسی چیز اگر کہیں آس پاس پڑی رہگئی تو اپنے اثر سے تمام ہوا کو خراب کردیگی، متعدی امراض کا باعث ہوگی، وبا پھیلا دیگی! میری نظر سے



اولڈ بوائے لاج
G.
IDRIS ANSAR DRAFTSMAN.



دیکھئے تو یہ فعل ایک طرح کی ہمدردی نظر آئیگا۔ ورنہ جناب سشبہ کی دوا تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہ تھی!!

ایک عینی اور معتبر شہادت مولوی ضامن علی کی بھی پیش کی جاسکتی ہے! مولوی ضامن علی کون؟ کچھ نہ پوچھئے کچّی بارک کے شروع کے کمروں میں ضامن علی کی ذات ایک عجیب ذات الصفات تھی! ضامن علی اگرچہ تھا تو ہماری بارک کا بیرا۔ مگر خالق باری مامقیما چہار درویش، اور خدا جانے کیا کیا کچھ گھول کر پی گیا تھا! وہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور اُس زمانہ کے بیروں میں سردار بنائے جانیکے قابل تھا! میرے عزیز دوست اور نیز روم فیلو مسٹر سرفراز حسین صاحب[1] سے ضامن علی کی نسبت پوچھ لیجئے وہ اچھی طرح بیان کرسکیں گے! بیچارہ ضامن علی تھا بہت سیدھا سادھا آدمی، جب کبھی ایک آدھ روپیہ لیکر کچھ چیزیں مول لینے شہر جایا کرتا، ضرور ایک چوّنی یا دوّنی جب ضرورت اُسکے پاس سے گر پڑا کرتی! مختصر یہ کہ بیچارہ عاجز آجاتا تھا۔ یا تو اُس کو دوّنی سے یا دوّنی کو اُس سے دشمنی ہوگئی تھی؛ اور یہ دشمنی ہم سب کو اس قدر اچھی طرح معلوم تھی کہ سرفراز حسین جب اُس سے حساب لیا کرتے اور وہ خدانخواستہ حساب بتاتے بتاتے اگر ایک سکینڈ کے لئے بھی کہیں رُکتا تو سرفراز صاحب بےساختہ کہہ اُٹھتے کہ ,, دوّنی گر گئی،، ؟ اس کے علاوہ سیدھے پن کیوجہ سے ہر چیز اُس کو زیادہ قیمت پر ملا کرتی تھی۔ بس صرف معمولی بازار کی قیمت سے دُگنی قیمت پر! ضامن علی کسیقدر کام سے بھی جی چراتا تھا، مگر اپنی خوبصورتی کے ساتھ کہ ظہیر الدین، رضا حسین، غنی محمد، خصوصاً مسٹر گرگ اُس کے فقرہ پر کان پکڑ لیا کرتے تھے! ....اور میں؟ ... میں تو متحیر ہوکر اُس ہستی فتنہ انگیز کی

---

[1] افسوس کہ ہمارے عزیز بھائی مسٹر سرفراز حسین صاحب آجکل ایک صدمہ جانکاہ میں مبتلا ہیں! اُنکی پیاری بیوی تین معصوم بچے چھوڑ کر دارفانی سے کنارہ کرگئی! خدا مرحومہ کو مغفرت اور سرفراز حسین صاحب کو صبر عطا کرے! اس وقت تو دو یاد رفتہ کو دیکھ کر کہیں تو شاید یہی کہیں ؎

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی ✣ تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں (جو مومن)

ایک ایک بات کا لطف اُٹھاتا تھا۔ وہ اُس کا چھوٹا سا قد، وہ چھریرہ جسم، وہ بلا روک ٹوک بڑھنے والی ڈاڑھی، وہ پھرتی کے ساتھ، اپنا نام سنتے ہی، "آیا صاحب" کی آواز نہایت کڑک کر لگانا وہ جواب دیتے وقت آناً فاناً تازہ فقرہ گھڑ لینا۔ ان تمام باتوں نے مجھے مبہوت کر دیا تھا۔!!

ایک دفعہ سرفراز صاحب نے گرمیوں کے موسم میں کچھ جھجریاں کچھ گھڑے نہایت شوق کے ساتھ شہر سے منگائے اور غالباً ایک روپیہ ضامن علی کو دیا۔ ضامن علی صبح کے گئے گئے شام ہو گئی اور واپس تشریف نہیں لائے۔! یہاں تک کہ جب ہم لوگ کھیل سے واپس آئے تو دیکھا کہ ضامن علی اپنے صندوق کے پاس زمین پر گٹھری بنے پڑے ہیں، اور نہایت نحیف آواز میں "ہائے ہائے! ہوں، ہوں!" کا ورد کر رہے ہیں! سرفراز حسین تو دیکھتے ہی غصہ سے بے آپے ہو گئے اور ڈانٹ کر پوچھنے لگے "تم صبح کے گئے ہوئے اب آئے ہو، جی؟" مگر مولوی ضامن علی بھی اپنے نام کے ایک ہی شخص تھے، اُنکے استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا! یہ بات بنائی اور خوب بنائی، آپ کسقدر کھانستے، ہائے ہائے کرتے، اُٹھے، لنگڑاتے ہوئے سرفراز کے سامنے آئے، کئی دفعہ آنکھوں کو چھوٹی اور چمکدار آنکھوں کو، جلدی جلدی کھولا اور بند کیا، آواز میں درد اور تکلیف کی شان پیدا کی اور فرمانے لگے، "صاحب کچھ نہ پوچھئے میں تو اسیوقت گھڑا اور جھجریاں لیکر چلدیا تھا، سامنے سے ایک بیل دوڑتا چلا آرہا تھا ہائے ہائے! صاحب میں نے بیل والے کو آواز دی کیونکہ میرے ہاتھ تو گھرے ہوئے تھے، مگر ہائے ہائے مگر صاحب میرے چیختے چیختے وہ بیل میرے اوپر تھا، میں سڑک کے ایک طرف گرا، اور۔ اور ہائے ہائے بڑا درد ہے صاحب۔ اور سب چیزیں چورا چورا ہو گئیں! بڑی تکلیف ہے، سینہ میں بھی چوٹ آئی ہے اور ٹانگ کی ہڈی تو خدا جانے ٹوٹ گئی یا کیا ہوا! میں نے تو بچنے کی بڑی کوشش کی، بیچے

ہوئے دام میری انٹی میں تھے، مگر صاحب وہ کمبخت بیل سیدھا میرے اوپر چلا آیا۔ ہائے ہائے صاحب! کیا کروں مجھ سے تو کھڑا تک نہیں ہوا جاتا! دام انٹی میں سے نکلکر خدا جانے کہاں گرے! لاکھ ڈھونڈھا ایک پیسہ بھی نہ۔ ہائے ہائے۔ بڑی خیر ہوگئی صاحب! نہیں تو میرا آج خاتمہ ہی ہوگیا ہوتا!!"

اب وہ ہائے ہائے کرتا ایک ساتھ گر پڑا! سرفراز حسین ایک طرف غصہ میں لال پیلے ہونٹ چبا رہے تھے! اور میں دوسری طرف اُس پُر فن کی ایک ایک حرکت کو غور کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور بے تحاشا قہقہے لگا رہا تھا! یہ سین اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور غالباً میں اسکو بھول جانے کی کوشش کروں جب بھی نہیں بھول سکتا! سچ تو یہ ہے کہ ضامن علی ہماری بارک کا عمرو عیار تھا اور اُس کا صندوق جو نیاز محمد خاں صاحب کے کمرے کے دروازہ سے ملا ہوا، بارک کی لالٹین کے نیچے رکھا رہتا تھا عمرو عیار کی زنبیل سے کم نہ تھا، روئی کے سوکھے ٹکڑوں سے لیکر رات کے اوڑھنے کے لحاف تک ہر ایک چیز اُسی میں رہتی تھی سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ تھی کہ ہماری بارک والوں میں سے کسی کی کوئی چیز کھوئی جاتی تو وہ بھی ضامن علی کے خوش کر دیئے جانے پر۔ اُسی صندوق میں سے برآمد ہو جاتی! کسی نے بالکل بجا کہا ہے کہ عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے! ضامن علی بس بالکل اس مقولہ کا زندہ نمونہ تھا! ایک معمولی سی حرکت لگے ہاتھ یہ بھی سن لیجئے کہ رمضان شریف میں سحری کے وقت جب ضامن علی دودھ بانٹا کرتے تھے تو ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ ضامن علی دودھ گرم کر کے لائیں، اور ضامن علی کو ہر ایک کا دودھ گرم کرنے میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی تھی اس لئے نہایت آسان۔ اور ساتھ ہی نفع بخش۔ طریقہ ضامن علی نے اختیار کر لیا تھا، ہماری بارک کے سامنے وضو وغیرہ کے لئے ہر وقت پانی گرم رہتا تھا۔ بس ضامن علی باہر نکلے آدھا دودھ اپنے لئے نکالا اور اُسی قدر کھولتا ہوا پانی ملا دیا! دودھ کا دودھ پینے میں آیا اور گرم کئے بغیر گرم ہوگیا! چہ خوش بود کہ برآ

یہ یک کرشمہ دو کار!! واہ رے ضامن علی، تیری پُرفن اور حیلہ ساز ذات بھی عجیب چیز تھی!!

توبہ، توبہ! میں بھی کہاں سے کہاں پہنچا! کہاں زہر، اور کہاں ضامن علی؟ ہاں جناب! میں اپنے دعوے کی شہادت میں ضامن علی کو پیش کرسکتا ہوں بشرطیکہ وہ ہستی عجیب کالج کے کسی گوشہ میں اب بھی براج رہی ہو! آپ اُس سے دریافت کریں وہ ضرور آپ کو مطمئن کردیگا کہ واقعی میں زہر کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا! رمضان شریف میں سحری کے وقت کبھی تو دودھ کے ساتھ ڈبل روٹی اور کبھی زہر ملا کرتا تھا؛ میں نے ضامن علی کو سخت تاکید کردی تھی کہ وہ زہر لیکر کبھی کمرے میں نہ گھسے، چنانچہ وہ ہمیشہ صرف دودھ میرے لئے کمرے میں دے جاتا تھا اور زہر باہر کے باہر ہی نکال لیتا تھا! اب بھی اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ جانیں اور آپ کا کام! مگر یہ ضرور سمجھ لیجئے کہ ضامن علی سے زیادہ معتبر شہادت اگر آپ الکٹرک لیمپ لیکر بھی ڈھونڈیں تو قطب شمالی کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا، البتہ قطب جنوبی تک تو ملنی ناممکن ہی!

اب شاید آپ پھر اس زہر کا اصلی نام پوچھنا چاہیں! لیکن مشکل یہ ہی کہ اس کا نام میری زبان، یا زبانِ قلم سے نکلنا ہرگز ممکن نہیں! یوں سمجھ لیجئے کہ اس سچے اور غیر فانی زہر کے نام میں، جیم . . . . . . لام . . . . . . اور؟ بس! بس! بس! لاحول ولا قوت لاحول ولا قوت!!

اگرچہ زہر ہر جگہ دو کانوں پر نظر آتا ہی، مگر وہ کالج والا زہر کہاں؟ آہ! یہ ایک ایسا خواب ہی جس کی تعبیر فراق اور یاد رفتہ ہی! زہر میرے لیے اب بھی زہر ہی اگر وہی کچی بارک ہو، وہی پُر از مسرت آزادانہ زندگی ہو، اور وہی زبردستی کھلانیوالے ہاتھ ہوں ؎

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر، ورنہ
کیا قسم ہی ترے ملنے کی جو کھا بھی نہ سکوں؟

سلطان حیدر جوش

تاریخ خاندان دھنیکہ

(از ”لال ڈیو“ مولفہ مسٹر شوکت علی)

نوٹ مولف

میرا اور ”لال ڈیو“ کا کچھ عجیب قسم کا تعلق ہے۔ اگرچہ میں مٹی کا انسان ضعیف البنیان اور وہ آگ کا پتلا قوم جنات سے مگر ایک غیر معمولی اور روحانی تعلق ہم دونوں میں ہے، جسکے ذریعے سے میرے دل کا حال بلا کم و کاست، بغیر میرے بیان کئے ہوئے وہ جانتا ہے اور اس کے تمام حالات بھی مجھ پر خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بلا ناغہ روزمرہ ہم دونوں کی گفتگو تخلیہ رہتا ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہیں اپنے مشاغل کا پابند۔ کوئی عقلی دلیل اپنے بیان کے ثبوت میں نہیں دے سکتا مگر یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ آپ باوجود منطقی ہونے اور سٹوڈنٹس یونین کلب کے مباحثوں میں ایک منٹ کے اندر چپہ مرتبہ پوائنٹ آف آرڈر، کہنے کے باور کرنے پر مجبور ہیں۔ راوی ہرگز ضعیف نہیں مگر وہ صرف مولف ہے مصنف نہیں۔ ہاں طرز تحریر بحکم ”لال ڈیو“ مضمونوں کا سا ہے یہ حالات وقتاً فوقتاً خود لال دیو سے بھی معلوم ہوئے تھے۔ یہاں ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔

”لال دیو“ کب پیدا ہوا تھا، کہاں پیدا ہوا تھا، اس کے والدین کون تھے، ابتدائی تعلیم کہاں ہوئی تھی؟ بچپن میں خوش مزاج تھا یا لڑاکا، کتنے بھائی بہن تھے اور ان میں سے کتنوں سے پیار تھا، کتنوں سے لڑائی؟ ان سب حالات سے میں ضرور

واقف ہوں مگر یہاں اُنکے لکھنے کی ضرورت نہیں خیال کرتا۔ یہاں تو لال دیو" کے صرف وہ حالات لکھونگا جن کا تعلق "پرستان" کے مشہور و معروف اندر کے اکھاڑے سے ہے۔ لوگ حیران ہونگے کہ سورج بنسی چندر بنسی خاندان غلامیہ۔ خلجیہ۔ تغلقیہ۔ مغلیہ عباسیہ۔ ایوبیہ۔ صفویہ۔ قاجاریہ۔ عثمانیہ وغیرہ تو سُنتے تھے یہ خاندان دہنکیہ کہاں سے پیدا ہوگیا؟ اس خاندان کا بانی کون تھا۔ اس نام سے کیوں پکارا گیا اور "دہنکیہ" کس زبان کا لفظ ہے؟ یہ سوالات قدرتی ہیں جن کے جواب میں سب کی تشفی کے لئے ضرور دونگا۔

اس خاندان "دہنکیہ" کا بانی خود "لال دیو" تھا جب "لال دیو" اندر کے اکھاڑے میں تعلیم پاکر اور وہاں کسب علم کے ساتھ ساتھ جسمانی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا اور دیگر مجالس میں شہرت حاصل کرکے "اندر کی سبھا" میں داخل ہوا تو اُس کی خوش قسمتی سے اُس کی حسب خواہش "سبز پری" سے شادی ہوئی، جو اُس کی عزیز اور رشتہ دار تھی، دونوں میں از حد محبت تھی اور دونوں ایک دوسرے کی ہر مصیبت میں سچے ہمدرد و مددگار تھے۔ علاوہ اس رشتہ کے ان دونوں میں دوستی کا بڑا رشتہ بھی شامل ہوگیا تھا اور وہ دونوں بالکل بے تکلف دوست اور ایک دوسرے کے راز دار تھے۔ لال دیو نے مجھ سے بارہا تذکرہ کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ تھوڑی بہت کامیابی اس کو ہوئی ہے اُس میں اس کی پری اور گھر کی ملکہ کا بڑا حصہ تھا۔ لال دیو کا ایک چھوٹا بھائی تھا جو اب چھوٹا لال دیو کہلاتا ہے بڑے لال دیو نے اُسے اپنی نگرانی میں اندر کے اکھاڑہ میں تعلیم دلائی تھی۔ اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ کس اصول پر "لال دیو" نے اُسے تعلیم دلائی اور کیا نگرانی کی تو انصاف اور سچائی کے لحاظ سے مجکو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ اصول صرف یہ تھا کہ جسقدر جیب خرچ دونوں دیوزادوں" کے لئے آتا سب کو لال دیو ہم گل جاتا اور "چھوٹے لال دیو" کے کبھی کبھی ڈرتے ہوئے دبی زبان سے

سے کچھ مانگنے پر اُس کو اپنے قوی ہاتھوں سے پیار کرنا اور اُس کے حلق میں ایسی تیز شیرنی کا ٹھونس دینا جس سے غریب کا گلا تو گھٹ جائے مگر آنکھیں جاری ہو جائیں اسی طرح کپڑے کے بارے میں بھی بہت اعلیٰ اصول برتا گیا تھا۔ خود تو اکھاڑے کا سردار ہونے کی وجہ سے بہت ٹھاٹھ سے رہنے پر مجبور تھا مگر چھوٹے "لال دیو" کو کبھی ایک سے صاف یا ایک سے میلے کپڑے پہنے نہیں دیکھا۔ اگر اوپر کے کپڑے صاف تھے تو نیچے کے میلے اور نیچے کے صاف تھے تو اوپر کے میلے مگر یہ تو ضرور دیکھا گیا تھا کہ اوپر کے کپڑے میلے ہوتے تھے مگر پائجامہ اکثر زیادہ سفید ہوتا تھا۔ اس کی وجہ چھوٹا "لال دیو" ہی بتا سکتا ہے جس کسی کے اُس سے روحانی تعلقات ہوں وہ ضرور دریافت کرے۔

اس تاریخ کے پڑھنے والے شاید خیال کریں کہ "لال دیو" کمبخت بڑا سخت دل تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کو ایسی بُری طرح رکھتا تھا۔ وہ غالباً چھوٹے "لال دیو" سے واقف نہیں۔ آج کل تو بہت سے لیڈران قوم ضرور اُس کو "ہوا" یا "بیجا" تصور کرتے ہیں مگر بچپن میں بھی حضرت بلا سے کم نہ تھے۔ غریب "لال دیو" نے اندر کے اکھاڑے سے بادل ناخواستہ "دیوستان" میں بغرض تلاش معاش قدم رکھا ہی تھا کہ حضرت نے ہاتھ پاؤں نکالے۔ آناً فاناً میلے کچیلے کمبلے سے زرق برق "تتلی" بن گئے نئے کپڑے اور نئے ٹھاٹھ تھے اور ہر ہفتہ لال دیو کو محبت سے بھرا خط لکھا جاتا تھا۔ خط کی ابتدا تو محبت سے ہوتی تھی مگر آخر حصہ فرمائشوں سے بھرا ہوتا تھا۔ ایک فرمائش پوری ہوئی نہیں کہ دوسری اور تیسری موجود۔

میں نے غریب لال دیو کو اکثر روہانسا دیکھا ہے۔ کہتا تھا کہ اے خدا مجھ سے ایسی کونسی خطا ہوئی کہ تو نے چھوٹے بھائی کو میری جان کے عذاب کے لیے پیدا کر دیا میں اگر ایسا جانتا تو نہ تو اُس کا جیب خرچ لیتا بلکہ اپنا بھی اُسکو دیدیتا۔ اور نہ قوی

ہاتھوں سے پیار کرتا اور نہ حلق میں مٹھائی ٹھونستا۔ یہ تو سود در سود سے بھی زیادہ ہو گیا

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

وہ سہما ہوا لڑکا فرمائشوں کے پورا ہونے سے دلیر ہو گیا تھا اُس نے فوراً حکم نامہ بھیجا کہ "اندر کے اکھاڑہ" کی تعلیم و تربیت "لال دیو" کے لئے تو کافی خیال کیجاتی ہو مگر اس کے لئے ناکافی تھی اور اسلئے اُس کی تکمیل کے لئے اُس کا سات سمندر پار "فرنگستانی پرستان" کو جانا ضروری تھا۔ دیر کے کیا معنی "لال دیو" کو گھبرا لیا۔ وہ بیچارہ فکر ہی کرتا رہا کہ وہ پر تول یہ جا وہ جا۔ خیر جس طرح وہ چار برس مصیبت کے لال دیو پر گزرے "لال دیو" یا میں ہی خوب جانتا ہوں" فرنگستانی پرستان" میں جو کارنمایاں کئے اور جو جو فرمائشیں وہاں سے کیں وہ ایسی تھیں کہ انکے پورا کرنے میں "لال دیو" چلا اُٹھا ؎

"میں تو باز آئی دل کے لگانے سے"

خیر وہ دن بھی کٹ گئے۔ ۴ برس کے بعد جب حضرت واپس تشریف لائے تو رنگ ہی دوسرا تھا۔ بلا کے شوخ اور ذہین تو اول سے ہی تھے مگر اب تو اور بھی انتہا نہ رہی تھی۔ آنے کے ساتھ ہی پہلا ہاتھ "لال دیو" ہی پر صاف کیا۔ اس غریب کے اس عرصے میں دو "دیوزاد" بھی پیدا ہو گئے تھے جن میں سے بڑا نہ تو "لال دیو" پر تھا اور نہ "سبز پری" پر رنگ گہرا نیلاہٹ لئے ہوئے تھا اور دوسرے کا کسیقدر پیلا تھا۔ دونوں کو حضرت نے پیار کیا۔ ہاتھوں ہاتھ اچھالا اور ایک کو "نیلے" اور دوسرے کو "پیلے" کا خطاب عطا فرما دیا۔

"لال دیو" اور سبز پری تو لال اور سبز تھے ہی اُن میں نیلاہٹ اور پیلاہٹ کا اضافہ کر کے فوراً سارے خاندان کا فرنگستانی زبان میں "ریں بو فیملی" نام

نام رکھدیا۔ اس کا "سبھا" کی زبان میں ترجمہ بھی "خاندان دھنکیہ" کر دیا۔ یہ وجہ تسمیہ ہے اس خاندان کی۔

ہم "خاندانِ دھنکیہ" کے صرف وہ حالات لکھیں گے جن کا تعلق "اندر کے اکھاڑہ" سے ہی۔ جب کہ "چھوٹا لال دیو" فرنگستانی پرستان میں زیر تعلیم تھا" لال دیو" اپنی بساط کے موافق ہی نہیں بلکہ کچھ تھوڑی اپنی حیثیت سے زیادہ "سبھا" کی خدمت کرتا رہا تھا۔ ایک بڑے کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کی وجہ سے اس کی قوت میں معتدبہ اضافہ ہو گیا تھا' جب چھوٹا لال دیو" واپس آگیا تو اُس کا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہو گیا اور وہ زیادہ وقت اور توجہ " اکھاڑے کے کام میں دینے لگا۔ یہی نہیں بلکہ اس کو اور تقویت ہوگئی اور ایک سے دو ہوگئے۔ "چھوٹا لال دیو" اس کا ہاتھ بٹانے لگا تھا۔ دونوں کی پوری طاقت "اکھاڑے کی ترقی میں صرف ہونے لگی تھی۔

سبھا کا انتظام "بڑے راجہ اندر" نے ایک "خاص جماعت" کے ہاتھ میں دیدیا تھا' جسمیں بڑے بڑے زبردست اور ممتاز "دیوسارے" "دیوستان" سے منتخب ہوا کرتے تھے۔ جب "بڑا راجہ اندر" اپنا کام ختم کر کے رحلت کر گیا تو تو اس کا جانشین اس کا وہ ہم جلیس ہوا جسکی کوششوں نے "سبھا" میں جان ڈالدی تھی' جو "سبھا" کا اوّل دن سے سچا عاشق و شیدا تھا۔ وہ بلا کا قابل اور ذہین تھا۔ دل وجان سے اس نے "سبھا" کی خدمت کی اور خوب خدمت کی۔ خود سارے "پرستان" کا دورہ کر کے نئے نئے ملکوں پر قبضہ کیا۔ بڑے بڑے "مہاراجوں" اور "بادشاہوں" کو "سبھا" کا باجگذار بنایا اور چار دانگ عالم میں "سبھا" کا ڈنکا بجوایا۔ مگر اسمیں اسقدر فراخ دلی اور مروت تھی کہ بعض اوقات وہ وبالِ جان ہو جاتی تھی۔ اُس سے فائدہ اٹھا کر سبھا میں چند ایسی "رحیں"

داخل ہوگئیں جو ہرگز "دیوزاد" نہ تھیں۔ بلکہ "غول بیابانی" "بھوت پلید" اور "چڑیلوں" میں سے تھیں۔ دھوکہ دیکر ظاہری "دیوزادوں" کی صورت بنا کر "اکھاڑہ" میں داخل ہوگئیں اور اس کی بدنامی اور خرابی کا باعث ہوئیں۔ اصل یہ تھی کہ ان "دیودں" کی "خاص جماعت" میں طریقۂ انتخاب بُرا تھا، جس کی رو سے چند "دیوؤں" کے سوا جو اوّل سے داخل تھے اور "دیو" اس وقت داخل ہو سکتے تھے جب کہ ان "دیودں" کو خوشامد اور چاپلوسی سے لُبھا لیتے۔ ایک تو خوشامد کا دور دورہ شروع ہوگیا جس کی وجہ سے سارے "دیوستان" میں یہ کمزوری طاعون کی طرح پھیل گئی۔ دوسرے یہ کہ تمام "سبھا" ان کے باعث بدنام ہو گئی۔ اور وہ بدقسمتی سے اس کمزوری کو دور کرنے سے بھی معذور تھے، کیونکہ جو غول بیابانی داخل ہو چکا تھا وہ دائمی تھا اور اسکو کوئی خارج نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک ایسا "طلسم" قائم ہو گیا تھا کہ اس کا توڑنا ناممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا۔ تیسرے یہ کہ غریب بدنام "سبھا" کو اس انتخاب میں کچھ دخل ہی نہ تھا۔ تمام خاص جماعت "جیہ بچہ" ہو گئی تھی جس میں گندگی اور خس و خاشاک داخل تو ہو جاتے تھے مگر انکا باہر نکالا جانا غیر ممکن تھا۔

"لال دیو" نے اوّل اس "طلسم" کے توڑنے کی جانب توجہ کی اور اپنا نام انتخاب کراکے ساری "سبھا" سے درخواست کی کہ وہ اُس کے اطمینان کے لیے آزادی سے رائے دے کہ آیا وہ اس معزز "جماعتِ خاص" میں شامل ہونے کے قابل تھا یا نہیں۔ تمام میں شور مچ گیا۔ کسی نے اختلاف کیا اور کسی نے اتفاق مگر عام "سبھا" نے "خوشی کے نعرے ضرور بلند کیے کہ خدا کا شکر ہی ہم سے پوچھنے والا تو کوئی پیدا ہوا۔ باوجود اس کے "خاص جماعت" کے "غول بیابانی" اور اُن "مصنوعی دیوؤں" میں جنھوں نے بازار سے خرید کر گٹی کا "کالا" اور "پیلا" چہرہ لگا کر دھوکا دیا تھا کھلبلی مچ گئی۔ وہ شور و غل ہوا کہ الاماں۔ مگر "لال دیو" اور اس کا زبردست

"چھوٹا بھائی" دونوں کیا ڈرنے والے تھے۔ "چھوٹا لال دیو" تو اُن کو بلائے بے درماں کی طرح چپٹ گیا۔ اس کے منہ کو کھسوٹے اُس کی ڈاڑھی نوچی۔ سب پردہ فاش کر دیا۔ "دیو" اور بھوت صاف صاف نظر آنے لگے۔ تمام "بھوتستان" میں خوف طاری ہو گیا اور مشورہ کے بعد مصلحت یہی سمجھی گئی کہ اس "لال دیو" کو "خاص جماعت" میں لے لو ورنہ خدا معلوم یہ "چھوٹا لال دیو" اپنے چھ انچ کے برچھے سے کس کس "بھوت" کو زخمی کریگا اور کس کس کی پردہ دری ہو گی۔ مگر در پردہ بیخ کنی کے لیے مستعد ہو گئے اور یہی نہیں بلکہ "اکھاڑہ" کی جھوٹی سچی خبریں نمک مرچ لگا کر سرخروئی حاصل کرنے کے لیے باہر پہنچانے لگے تاکہ بدگمانی پھیلے۔ "اکھاڑہ" فضول بدنام ہو اور وہ نیک نام۔ ایسوں کے لیے ایک موقع خوب ہاتھ آ گیا جس پر وہ خوب اچھلے کودے۔

"لال دیو" "جماعت خاص" میں تھوڑے دنوں رہا تھا کہ چند ایسے ناگوار واقعات پیش آئے جنسے "اکھاڑہ" میں تھلکہ پڑ گیا۔ بدقسمتی سے "لال دیو" اور "سفید دیو" میں جو "اکھاڑے" کا بڑا ممتاز اور سچا اور خالص دوست تھا اختلاف ہوا اور حد ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہ دونوں "دیوزاد" "خاص اکھاڑہ" ہی کے تعلیم یافتہ تھے۔ دونوں اس کے شیدا اور فدائی تھے اور دونوں پُرجوش، ذہین اور منچلے تھے۔ دونوں دھن کے پکے تھے۔ فرق اسقدر تھا کہ "لال دیو" ملنسار اور ڈھلمل تھا اور چار دوستوں کے مشورہ سے رائے ترمیم کر دیتا تھا تاکہ وہ سب کی رائے ہو جائے۔ "سفید دیو" متین اور بردبار تھا مگر اپنی رائے پر بڑی سختی کے ساتھ جما رہتا تھا، دُنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے مگر رائے ٹس سے مس نہو۔ "سفید دیو" مرتبہ میں "لال دیو" سے بڑا تھا اور خود "لال دیو" اس کا ادب کرتا تھا۔ مگر معاملات ایسے پڑ گئے کہ دونوں کو اپنی رائے پر اڑ جانا پڑا۔ کچھ لوگ ادھر ہو گئے اور کچھ ادھر

"لال دیو" کا میل اور دوستانہ بدرجہا بہتر تھا مگر "خاص اکھاڑہ" میں جمعیت کم تھی "سفید دیو" خود "اکھاڑہ" میں مقیم تھا اور سب سے زیادہ طاقتور۔ "اکھاڑہ" کا تقریباً مالک تھا۔ آپس کے بحث مباحثہ میں جوش اور جسمانی تکلیف کی وجہ سے "لال دیو" سے ایک حرکت ہوگئی جو اگرچہ خفیف تھی مگر خاص جوش و خروش کے موجودگی کے باعث اہم ہوگئی۔ "لال دیو" اور ایک اور "کارگزار دیو" سے جو "اکھاڑہ" میں مقیم اور "سفید دیو" کے بڑے ساتھیوں میں تھا باتوں باتوں میں سخت الفاظ کے بعد ہاتھا پائی ہوگئی۔ معمولی اوقات میں معذرت کرنے کے بعد معاملہ رفع دفع ہو جاتا مگر اسوقت ہوا میں بجلی بھری تھی، دلوں میں جوش تھا اور مفسد اشتعال دینے والے موجود تھے۔ ہنگامہ برپا ہوگیا۔ ابتدائی غلطی قطعی "لال دیو" کی تھی، اُس نے اس وقت معافی مانگنا بھی چاہی مگر کون سُنتا تھا۔ "سفید دیو" نے قدرتی طور پر غصہ اور جوش کیوجہ سے ساری طاقت اپنے ساتھی کی حمایت میں صرف کردی پہلے تو "لال دیو" نے اندھے پن میں غلطی کی تھی، اس کے بعد "سفید دیو" اور اس کے ساتھی بھی اندھے ہوگئے اور معذرت قبول کرنا تو کیا معاملہ کو سخت طول دیا گیا۔ "اکھاڑہ" کے دو بھائیوں کا واقعہ تھا۔ اسمیں غلط فہمیاں علاوہ اُصولی اختلافات کے بڑھی ہوئی تھیں اور ہر شخص اندھا تھا۔ "خاص جماعت" کے سامنے "لال دیو" بلایا گیا۔ وہاں اوّل ہی سے "بزن بزن"، "نکالو نکالو" کا شور تھا۔ فوراً فیصلہ کرلیا گیا کہ "لال دیو" کو "خاص جماعت" سے نکالے جانے کی سفارش کیجائے۔

"لال دیو"، اگرچہ اپنی بیجا حرکت پر پشیمان تھا مگر اُن سے کیا ڈرنے والا تھا۔ صاف کہدیا کہ آپ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ وہ آپکا فیصلہ قبول نہ کریگا۔ یاد رکھئے ؎

ملاتے ہو اُسیکو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
میری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

دوسرے روز معاملہ "انجمن دیوزادگان" کے سامنے پیش کیا گیا۔ "لال دیو" اسکی بڑی خدمت کرتا تھا اور اس سے اسکو خاص دلچسپی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اصلی اختلاف کا باعث بھی "انجمن دیوزادگان" تھی، جسکا رکن اُسوقت "سفید دیو" تھا۔ "لال دیو" کا یہ کہنا تھا کہ "اکھاڑہ" کے بہت سے اور قابل ترین "دیوزادگان" "ہفت اقلیم" میں اس لیے پھیلے ہوئے تھے کہ وہ وہاں رہکر صرف اپنی روزی ہی نہ کمائیں بلکہ "اکھاڑہ" اور "سبھا" کا نام بھی روشن کریں۔ "اکھاڑہ" کی خدمت کرنیوالوں کا دائرہ کیوں محدود کردیا جائے۔ اِن "دیوزادوں" کو بھی "اکھاڑہ" کی خدمت کرنے کا موقع دیا جائے بعض کاموں کے لیے "اکھاڑہ" میں قیام کی ضرورت تھی، بعض ایسے بھی ہیں کہ جنکا سرانجام باہر رہکر بھی ممکن تھا۔ دیوزادوں کی اتنی بڑی جماعت کو عضو معطل کی طرح بیکار کیوں بنا رکھا ہے۔ "سفید دیو" یہ کہتا تھا کہ "سبھا" کی ہر قسم کے کاموں کا مرکز "اکھاڑہ" ہی کو ہونا چاہیئے۔ کام منتشر کرنے سے قوت ٹوٹ جائے گی اور نقصان عظیم ہوگا۔ جسکو کام کرنا ہو "اکھاڑہ" میں آموجود ہو، فوراً کام دیا جائے گا۔ دونوں "اکھاڑہ" کے بہی خواہ تھے۔ ہاں! رائے کا بڑا اختلاف تھا۔ دونوں اپنی اپنی اول پر جمے ہوئے تھے، اس لیے آپس کی بدمزگی بڑھ گئی جس کا نتیجہ یہ سب جھگڑا تھا۔ ایک طرف تو "سفید دیو" کا مرتبہ اور وقعت اور دوسری طرف "لال دیو" کی غلطی دونوں "لال دیو" کے سخت خلاف تھیں۔ مگر "چھوٹے لال دیو" نے اس جلسہ میں جو گفتگو کی اُس سے سبکو معلوم ہوگیا کہ ایک نیا زبردست ستارہ "اکھاڑہ" میں چمکنے والا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر "دیوزاد" حکم دینگے تو "لال دیو" گھٹنوں کے بل جاکر ساری "سبھا" سے معافی مانگے گا۔ میں "لال دیو" کو درست کرتا ہوں "سفید دیو" دوسری طرف کوشش کرے تاکہ یہ جھگڑہ مٹ جائے۔ مگر "سفید دیو" کو اُسوقت اسقدر غصہ تھا کہ اُس نے معاملہ کو دبانے میں کچھ مدد نہ دی۔ غرض چھوٹے

لال دیو" کی شنوائی نہیں ہوئی اور بڑی تعداد "سفید دیو" کے موافق ہو گئی۔ اور "دیوزادوں" کی جماعت نے طول طویل مباحثوں کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ "لال دیو" جماعت خاص سے کنارہ کشی اختیار کرے اور "کارگزار دیو" سے معافی مانگے ورنہ "انجمن دیوزادگان" سے نکال دیا جائے گا۔ "لال دیو" کو یہ فیصلہ "چھوٹے لال دیو" اور ایک اور "دیو" کی معرفت جس کو "لال دیو" گرو مانتا تھا بھیجا گیا۔ وہ وقت بھی عجیب وقت تھا۔ "لال دیو" مجھسے کہتا تھا کہ اُس وقت اُسکو جسقدر صدمہ ہوا تھا ویسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے "اکھاڑہ" کے پُرانے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ "دونوں پیامبر پھانسی کا حکم لے کر آئے"؛ ایک بڑا تھا جس کا وہ ہمیشہ سے ادب کرتا تھا اور جبکا "اکھاڑہ" میں شاگرد رہ چکا تھا۔ دوسرا اُس سے چھوٹا تھا جس کو اُس نے بچپن سے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ ایک تیسرا "دیوزاد" اُس وقت اور موجود تھا جسکو اکھاڑہ میں "خ ب ن ہ" کے موزوں نام سے پکارا کرتے تھے۔ اور جو "لال دیو" کے عزیز دوستوں میں سے تھا۔ ان تینوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے "لال دیو" نے کہا میں "جماعت خاص" کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتا اور آخر تک اُن کا مقابلہ کرتا مگر "انجمن دیوزادگان" کے حکم کی تعمیل بسر و چشم کرونگا۔ "انجمن دیوزادگان" بچوں کا ایک کھلونا ہی آج میں اپنے خون سے اسکی طاقت کا پتھر جماتا ہوں۔ اب تک کھلونا رہی مگر اب آیندہ نہ رہیگی۔ خدا کو منظور ہے تو "اکھاڑہ" کی خرابیوں کو بھی موم کی ناک درست کریگی ؎

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہیگا + مگر یہ قاتل کے او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہیگا

غرض "لال دیو" نے جماعت خاص سے استعفا دیدیا، اپنے پُرانے ساتھی سے جس سے تو تو میں میں ہو گئی تھی زبانی اور تحریری معافی مانگی اور اس کے ساتھ ہی اپنے دل میں یہ قسم کھائی کہ چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے، تکلیف پہونچے،

مصیبتیں آئیں، جیلیں نہ نصیب ہو، پھانسی ملے مگر "اکھاڑہ" نہیں چھوٹے گا۔

عام خیال تھا کہ "لال دیو" اب ختم ہو گیا اور آیندہ اُس کو سر اُٹھانے کا موقع نہ ملے گا مگر ایسا خیال کرنے والے غلط تھے۔ یہ ضرور تھا کہ اُس نے جس قدر عمارت کھڑی کی تھی وہ سب آناً فاناً منہدم ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ جن اُصول کا وہ اور اُس کے ساتھی دوست طرفدار تھے وہ بھی بدنام ہو گئے۔ اس لیے "اکھاڑہ" کی ترقی چند سال کے لیے التوا میں پڑ گئی۔ وہ زمانہ "لال دیو" کے لیے بہت بُرا زمانہ تھا۔ اوّل تو خود اس کو اپنی حرکت پر ندامت، دوسرے سخت بدنامی۔ اس واقع کی خوب شہرت ہوئی دوست دشمن، سب کی زبان پر تھا۔ ؎

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا + کہتی ہے تجکو خلق خدا غائبانہ کیا

وہ لوگ جو کل تک اس کی دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتے تھے آج آنکھ چرانے لگے۔ اگر رستہ میں ملاقات ہو گئی تو انجان بن گئے، غرض طرح طرح سے اُس پر یہ ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو مُردہ سمجھلے۔ مگر وہ "لال دیو" سے پورے واقف نہ تھے۔ اس کو معمولی ہنسوڑ با توُنی "دیوزاد" جانتے تھے، مگر اس بات کا اُن کو اندازہ نہ تھا کہ اس سخت امتحان کے بعد سے ہی اس کی طاقت اور رفعت کی ابتدا ہو گئی۔ آگ میں پڑنے کے بعد سبکو معلوم ہو گیا کہ اس میں کھوٹ کم تھی اور جوہر زیادہ۔ خیر! اور جوہر تھا نہ تھا کسی اور کے مصرف کا تھا یا نہ تھا مگر اکھاڑہ کا سچا عاشق تھا۔ ؎

داغ ہر چند جہاں گرد ہی سودائی ہے + آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدائی ہے

اُس زمانہ کا حال مجکو خوب معلوم ہے، جب "چھوٹا لال دیو" اور دوسرے "دیوزاد" اکھاڑہ سے رخصت ہو کر بڑے دروازہ پر اپنی اقلیم کو جانے کے لیے "اُڑن کھٹولہ" پر سوار ہوئے تو "چھوٹے لال دیو" کے قوی ہاتھ نے ایک دوسرے قوی ہاتھ کو

وذاتی اختلاف موجود تھا۔ اس عرصہ میں "چھوٹا لال دیو" کچھ دوسری چیز ہوگیا تھا۔ "بسما" میں اس کی قابلیت کا شور تھا اور اس کے معاملات میں اس کی آواز سنائی دیتی تھی عہدہ قبول کرنے کی اس نے قسم کھالی تھی "غول بیابانی" اور "بھوت پلید" اس کے خون کے پیاسے تھے مگر اس نے بھی ان کا پردہ سارے "دیوستان" میں فاش کردیا تھا۔ نئے دیو تو سب اس کے ساتھ تھے، پرانے بھی اس کی سچائی اور خلوص کی تعریف کرتے تھے مگر یہ ڈرتے تھے کہ کہیں انھیں تیزی رفتار سے گڑھے میں نہ گرادے

"اکھاڑہ" میں پہلی سال تو "لال دیو" پر حملہ ہوا تھا اور دوسری سال وہاں ایک بڑا طوفان آیا جس کا باعث ایک "فرنگستانی بھوت" تھا جسکو "اکھاڑہ" میں داخل ہونا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ "چھوٹا لال دیو" اس وقت "اکھاڑہ" میں موجود تھا، طویلہ کی بلا بندر کے سر، چونکہ "اکھاڑہ" میں اس کا اثر تھا اس لئے اسپر الزام تھوپ دیا گیا مگر اسنے سب کی اس طرح خبر لی کہ سب بھوت پلید پناہ مانگ گئے۔ جب "انجمن دیوزادگان" کا دوسرا سالانہ جلسہ ہوا جس میں دور دور کے دیوزاد جمع تھے اس نے تمام معاملات پیش کئے اور الزام لگانے والوں پر الزام لگادیا۔ انصاف تو نہیں ہوا مگر کسی کی یہ ہمت بھی نہیں ہوئی کہ اس بے گناہ پر الزام لگا سکتا۔ اس جلسہ میں "لال دیو" پر یہ ثابت ہوگیا کہ بغیر گروہ جمع کئے ہوئے یہ "طلسم کوہلی" نہیں ٹوٹے گا۔ اس سے پیشتر بھی دوست احباب کا اصرار ہوا تھا مگر وہ اس کے خلاف اسوجہ سے رہا تھا کہ "دیوستان" میں بہت جوش تھا۔ اور ممکن تھا کہ آپس کے ذاتی اختلاف سے آگ زیادہ نہ بھڑک جائے اور نقصان پہونچے۔ مگر اب معاملات رو باصلاح ہوگئے تھے خود "دیوؤں" کو شکایت پیدا ہوگئی تھی سب کی رائے تھی کہ "اکھاڑہ" کی طرف توجہ کیجائے اور "غول بیابانی" کو ہمیشہ کے لیے دبادیا جائے۔ "لال دیو" اور اس کے چار ساتھیوں نے مشورہ کے بعد مجبوراً ایک مجلس اس غرض کے لیے قایم کی کہ "انجمن دیوزادگان"

تو کم از کم ”بھوت پلید اور غول بیابانی“ کے اثر سے محفوظ رہے اور ” دیو زادگان“ کی اُس بڑی تعداد کی خواہشات کا بھی لحاظ کیا جائے جو ہفت اقلیم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فوراً ”لال دیو“ کو حکم ہوا کہ وہ ایسا دستور العمل تیار کرے جو آسان اور ”اکھاڑہ“ کی ترقی کا باعث ہو۔ اُس نے قابل ” دیو زادوں سے مشورہ کرکے قواعد بنائے جن کو ”چھوٹے لال دیو“ نے اپنے خاص طریقے سے الفاظ میں ڈھالا اور ایک پُر زور گشتی تحریر کے ساتھ دور افتادہ ”دیووں“ کے پاس بھیجا۔ وہ تو سب بھوکے تھے خوشی سے جوق کے جوق شریک ہوگئے اور اس غلام انجمن دیو زادگان کے ذریعہ سے انجمن کے کام اور اکھاڑہ کے حالات سے باخبر رہنے لگے۔ تہلکہ پڑگیا، غل غپاڑہ ہوا مگر جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والی مثل تھی۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ نئی ”مصلح جماعت“ دبنے والی جماعت نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ صلح ہو جائے۔ ”لال دیو“ ہمیشہ سے خوش قسمت تھا۔ اُس کے دوست احباب بہت تھے اور دل سے محبت کرنے والے قابل ترین ”دیو“ اُس کے ساتھی تھے۔ چھوٹا لال دیو“ تنہا ایک بڑی جماعت کے برابر تھا۔ ”انجمن دیو زادگان“ کا سارا کام ”لال دیو“ کے سپرد تھا اور اس کے دوست اس کے مشورہ سے کام کرتے تھے وہ اُن سے ہمیشہ مشورہ لیتا تھا اور بغیر مشورہ اور رائے کے کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ سب کو ایک دوسرے پر پورا اعتماد تھا۔

”لال دیو“ کی گھر کی زندگی نہایت پرلطف تھی۔ جو وقت ” اقلیم“ کے کام سے بچتا تھا وہ ”انجمن“ کی خدمت میں صرف کرتا تھا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سارے ”دیوستان“ کے دیووں کو ”اکھاڑہ“ کا شیدا کرتا تھا اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا۔ وہ ہزاروں ترکیبیں کرتا، خوشامد کرتا، پیار کرتا، غصہ ہوتا، گالیاں دیتا غرض کسی نہ کسی طرح راضی کر لیتا۔ جب کام سے واپس آتا تو ” خاندان دھنکیہ“ میں چیخ و پکار پڑ جاتی۔ ایک کاندھے پر نیلا سوار ہوتا دوسرے پر پیلا۔ پیٹھ پر چھوٹی نیلم پری و گلفام پری سوار

ہوتیں غرض لدا پھندا اپنے غار میں آتا "سبز پری"، یہ تماشا دیکھ کر اور غل شور کی آواز سن کر کبھی ہنستی تھی اور کبھی غصہ ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ اے "لال دیو"، تجھے ذرا خیال نہیں سب بچوں کو تو ہی خراب کرتا ہے۔ انکے پڑھنے کا وقت ہے تو انہیں کھیل سکھاتا ہے۔ خود غل کرتا ہے اور انسے غل کراتا ہے" وہ کب سنتا تھا اور اس کے دیوزادا اور پریاں کب سنتی تھیں۔ ایک نے کان پکڑا اور کہا ہاتھی ہاتھی کھیلیں گے "لال دیو" جھٹ قالین پر ہاتھی بن گیا دو نے لمبی لمبی مونچھیں پکڑیں دو نے کان اور تین لمبی چوڑی پیٹھ پر سوار ہو گئے۔ سارا غار "مل"، "جھٹی"، "اگ"، "پری"، "دبت"، ہاتھی تھمل (سنبھل) کی آوازوں سے بھر جاتا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہاتھی بہوتا رہو کا) ہے آواز پر "فیل بان" اور "فیل سوار"، سبز پری کو گھیر لیتے اور کہتے "اماں جانی"، ہاتھی تا رکا چارہ۔ بچاری "اماں جانی"، مصیبت میں آجاتی تھی۔ ساتوں کے پاس چارہ ہو ورنہ ہاتھی خفا ہو جائیگا۔ ہاتھی نے منہ کھولا اور نرم نرم میٹھے میٹھے چمچوں اور کانٹوں کے ذریعہ سے چارہ کھایا۔ ہاتھی بھی بڑا شوقین تھا۔ چارہ کھاتے ہی جھٹ دوسری فرمائش کردی۔ ہاتھی پیارے گا غوں غوں۔ سات چوڑی نرم نرم میٹھے میٹھے ہونٹ سب طرف سے لپیٹ گئے۔ چٹ چٹ کی آواز آنے لگی۔ ہاتھی خوشی سے کہتا "ہاتھی کا غلام کون"، ایک ساتھ ساتوں آوازیں آتیں ام ام (ہم ہم)

"لال دیو"، مجھ سے کہتا تھا کہ میں نے اُن حضرت کو اس حیثیت سے ایک دن ملاحظہ فرمایا اُس نے کہا کہ بھائی اگر میرا بس چلے تو کہاں کی "اقلیم"، کہاں کی "سبھا اور کہاں کا "اکھاڑہ"، ہاتھی ہو اور اُس کے "فیلبان"، اور "فیل سوار"، اور "سبز پری"، اور بڑا سا میدان۔ کیسی لطف سے گزرے۔ جب غریب کے گھٹنے دکھ جاتے تو "ہاتھی"، کو غصہ آتا تھا۔ فور فور کر کے پیٹھ کو ہلایا اور ادھر فیلبان اور ادھر فیل سوار گر گئے اور گر کر خوب قہقہے لگائے۔ جس کے ذرا سی چوٹ لگ گئی اس نے دل کی

بھرس نکال لی۔

کبھی ”اٹنگ بٹنگ طوطی مجنگ، ہاتھی کا تھان، گیلے چوگان، یہ ہریا یہ ہریل، یہ طرہ یہ پھول“، کا زور تھا۔ کبھی ”اٹگن ٹگن دہی چٹوکر، اگلا پھوٹے بگلا پھوٹے ساون ماس کریلا پھوٹے۔ پھول پھول کی باڑیاں، راجہ گئے دلی لائے سات کٹوریاں ایک کٹوری پھوٹ گئی، لنگڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کنڈہ ماروں چھری؟ کنڈہ تیری امان جانی کا کلیجہ ٹھنڈا“، کا زور تھا۔ کبھی ”چلی گھمر گھمر، بہن بہن کتنا پیسا؟ دو گاڑی بھوسی کتنی نکلی؟ ایک گاڑی بھوسی کیا کی؟ کمہار کو دی، کمہار نے کیا دیا؟ ہنڈیا برتن۔ ہنڈیا برتن میں کیا پکایا؟ کھیر، کھیر کیا کی؟ ٹھنڈی ٹھنڈی آپ کھائی گرم گرم راجہ کے لیے رکھی، راجہ کی کھیر کیا ہوئی؟ بلوٹہ لے گیا، بلوٹہ کیا ہوا بیٹھ میں گھس گیا، بیٹھ کیا ہوا پانی سے بھر گیا، پانی کیا ہوا، بھینس پی گئی، بھینس کیا ہوئی؟ (یہاں سے دو حصے ہوتے ہیں) کبھی تو چور لے گئے چور کیا ہوئے؟ سب زور سے ننھی ننھی انگلیاں آسمان کی طرف اوٹھا کر اور پھانسی کی جانب اشارہ کر کے وہ ٹنگے“ اور کبھی ”بھینس ببول پہ چڑھ گئی، ببول کیا ہوئی بڑھئی نے کاٹ لی، بڑھئی کیا ہوا؟ اپنے پیر میں کلہاڑی مار کر مر گیا“۔ اس پر بڑھئی مرحوم کے لئے بہت زور شور کے ساتھ آہ و بکا کی جاتی تھی۔

کبھی ”پدے بھائی کی کہانی ہوتی“، ؎

ٹیرا رے ٹیرا ٹیری کی گاڑی میں دو منیڈک جتے جائیں

راجہ پکڑی لو دی ہم رجہ پکڑن جائیں،

کبھی ”ایک او دنیا ایک یو دنیا، ایک ہم بھی تھے“، کا تذکرہ تھا۔ غرض جہاں بہت چھوٹے چھوٹے دیوزاد اور ننی منی پریاں جمع ہوتی تھیں اُن میں سب سے زیادہ نٹھا حضرت لال دیبی ہوتے تھے۔ جب تمام ”خاندان دنبکیہ“ جمع ہوتا اور ”لال دیو“ کی ماں بہن بھی آجاتیں تو ”سبز پری“، چھیڑنے کو کہتی تھی ”بی ایچ کہئے گا یہ آپ کے

بیٹے ‹‹دیوانہ›› نہیں تو کیا ہیں؟ ‹‹اکھاڑہ›› والے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں دیوزادوں کی تعلیم میں مخل ہوتے ہیں اور اُن پر بُرا اثر ڈالتے ہیں کیا غلط کہتے ہیں؟ جس کا جواب ہمیشہ یہی ملتا تھا کہ خدا کرے تمہارے بچے بھی ایسے ہی دیوانے ہوں۔ اور ‹‹اکھاڑہ›› میں تو سب کے سب ایسے ہی ہو جائیں۔

‹‹لال دیو›› کو میں نے طرح طرح کے رنگوں میں دیکھا ہے، اُن میں تین رنگ خاص ہیں، جن میں دو پر تو میں فدا ہوں اور تیسرے کو خدا نہ کبھی مجھکو اور نہ اُس کے کسی دوسرے دوست کو دکھائے۔ ایک رنگ تو وہ جب وہ اپنے عزیز دوستوں کے درمیان ‹‹کنہیا›› بنا بیٹھا ہوتا ہے ‹‹گوپیوں›› کا اُس کے گرد ہجوم ہوتا ہے۔ قصے، لطیفے، پھبتیوں کی بوچھار ہوتی ہے۔ قہقہوں سے مکان گونج اُٹھتا ہے اور فقرہ پر فقرہ ہوتا ہے۔ ایک آدھ وہ کہتا ہے دس بارہ اسپر اُڑ جاتے ہیں۔ خاص کر اس وقت جبکہ ‹‹چھوٹا لال دیو›› بھی موجود ہو۔ یہ کھلنڈروں کی مجلس ہوتی ہے جس میں ‹‹چھوٹے لال دیو›› اور تیز طبیعت ‹‹دیوزادوں کی›› طبع آزمائی کا وہ نشانہ ہوتا ہے۔ اس وقت شاید فرشتوں کا بھی دل چاہتا ہوگا کہ وہ بھی ‹‹اندر کے اکھاڑہ›› کے ‹‹دیوزاد›› ہوتے۔ دوسرا رنگ اس سے کسی طرح کم نہیں۔ جب کہ وہ غصہ میں ہوتا ہے اور مخالفین میں اس کی قینچی کی طرح زبان چلتی ہے آنکھیں سُرخ ہوتی ہیں۔ لانبا قد اور دو فٹ لانبا ہو جاتا ہے، پچاس انچ کا سینہ دو گز کا معلوم ہوتا ہے اور بھدہ چہرہ بھی واقعی خوبصورت ہو جاتا ہے۔ ‹‹لال دیو›› یا تو خالص دوستوں میں بھلا معلوم ہوتا ہے یا دشمنوں میں۔ جو رنگ اس کا خدا کسی کو نہ دکھائے وہ رنگ ہوتا ہے۔ جب کہ اُسکو ثقہ بننا پڑتا ہے۔ متانت اور ثقاہت سے اسکو کیا تعلق۔ جس وقت ثقہ بننے کی کوشش کرتا ہے مجسم چغد معلوم ہوتا ہے۔ وہ تو حیوانِ ہے جس وقت ‹‹حیوانیت›› پر قائم رہتا ہے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جہاں انسان بنا نظروں سے گرا۔

اس وقت ‹‹اندر کے اکھاڑہ›› کو سب طرح کے دیووں کی ضرورت ہے

بلاشک وشبہ "اکھاڑہ" کے دیوزاد اور اس کے تعلیم یافتہ اس پر بلا استثنیٰ فدا اور شیدا ہیں آپس میں لڑتے اور جھگڑتے ہیں، مارتے اور پیٹتے ہیں مگر پھر سب بھائی کے بھائی ہیں۔ کیا مجال کہ غیر تو کچھ کہہ سے دو اندر کے اکھاڑہ" کی ترقی کا وقت ہی سفید دیو" "کالا دیو" "لال دیو" "کارگذار دیو" جن کی دس برس کی کارگزاری کا اعلیٰ نتیجہ عنقریب نکلنے والا ہے اور بہت سے نیلے پیلے دیووں کی ضرورت ہوگی۔ جہاں اندر کے اکھاڑہ کی بہبود کا سوال آتا ہے وہاں سب کے سب ایک ہو جاتے ہیں، ورنہ ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد!
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔

سچ تو یہ ہے کہ بغیر "سفید دیو" "لال دیو" "چھوٹے لال دیو" "کارگزار دیو" کے اکھاڑہ سونا ہو جائے گا۔ خدا ان کو اور سب دیوزادوں کو زندہ اور سلامت رکھے اور ان کے گھروں کو ان کی پریوں اور دیوزادوں سے آباد۔ ان سب کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

خدا ترا بت نادان دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

کالج کے زندہ دلوں کے جہاں اور بہت سے مشاغل ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ چار یا پانچ جب اکٹھا ہوتے ہیں تو سب مل کر کورس بھی گایا کرتے ہیں۔ اور علی العموم ایک کورس جو ایک سال گایا جا چکتا ہے دوسرے سال وہ آوٹ آف فیشن سمجھ کر نکال دیا جاتا ہے۔ مورخین کالج کا بالاتفاق بیان ہے کہ کسی کورس کو آج تک یہ مقبولیت نہیں حاصل ہوئی جو اُس ترجیع بند کو ہوئی جس کا برڈن آف سانگ زیب وہ عنوان ہے۔ میں جب کالج میں آیا تو یہ ترانہ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اور سال بھر تک اس کا ورد برابر رہا پھر رفتہ رفتہ کم ہو گیا۔

بھائی نذیر بھیں خدا اُنھیں غریق رحمت کرے (ناظرین بدگمان نہوں۔ ہمارے عزیز دوست نے صرف علیگڈھ سے انتقال مکانی قبول کیا ہے) جو سبب تالیف کورس تھے، عجیب آدمی تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی نیا طالب علم کالج میں داخل ہوتا ہے تو اسمیں اگر کوئی بات کالج کی موجودہ آب و ہوا کے خلاف ہوتی ہے تو کالج کے نبض شناس فوراً اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور خطابات، القاب، کارٹون نظمیں، طرح طرح کے نسخوں سے اُس کا معالجہ کرتے ہیں۔ مگر واہ رے بھیں! یہ تمام کوششیں اُن پر صرف ہوئیں مگر ایک انچہ بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکے۔

بھیں ! کی وجہ تسمیہ بھی عجیب بیان کیجاتی ہے۔ روایت ہے کہ پہلے سال جب حضرت کو کالج میں عید الضحیٰ کرنے کا اتفاق ہوا تو ڈائننگ ہال کی سوئیوں اور عید ڈنر کے

پلاؤ پر اکتفا نہ کر کے محض بہ نظر ادائے سنت ابراہیمی ایک دنبہ (ایک روایت ہے کہ بھرٹی) شہر سے خرید لائے۔ شام کا وقت تھا اسلیے ایک شب کے لیے اس غریب کو لینے کرے میں محبوس رکھا۔ پھر کیا تھا رات بھر بارک والوں نے جو آواز سنی صبح کو اُسے منتقل کر کے آپکا خطاب قرار دیدیا۔

اصول درایت کی رو سے ہم اس روایت میں چند غلطیاں پاتے ہیں جنکی تحریر کی یہاں گنجائش نہیں، مزید تنقید کے لیے ناظرین مولانا شبلی کی طرف رجوع کریں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ گرمیوں کے زمانے میں ایک شب کو یاروں نے بھائی نذیر کے پلنگ سے ایک بھینسا باندھ کر اُس پر اس قدر زدوکوب کی کہ بچارے بے زبان جانور کو بے پہیوں کے گاڑی کھینچنا ہی پڑی۔ اگرچہ اس تمام واقعے کے ساتھ کسی قسم کی آواز کا ذکر نہیں مگر معلوم نہیں صبح کو کیوں لوگوں نے بھیں کا خطاب آپکو دیدیا۔

تیسری روایت جو سب سے زیادہ قرین قیاس ہے وہ یہ کہ صرف آپکی حیرت کدائی اور بھیانک آواز کے صلے میں بورڈنگ ہاؤس کے دربار ظرافت آثار کی طرف سے یہ خطاب عطا ہوا تھا اور ساتھ ہی کالج کے ملک الشعرا نے ایک نظم بھی لکھ دی جو اس درجہ مقبول ہوئی کہ آجتک لوگوں کی زبان پر ہے ؎

میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

وہ تو روز چرن کو جاتی تھی + کچھ آج نہیں تھی بات نئی
ترے کھیت میں منہ تک نہیں ڈالا + پھر بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا
میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

گر پیٹ کا بچہ مر جاتا + تو تیرا کیا جاتا
تو نے ٹانگ پکڑ کے کیوں کھینچا + اور بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا
میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

خدا جانے بھائی بھیں اسے پڑھینگے تو مجھے کتنی صلواتیں سنائینگے اسلئے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ جسوقت اُنکے سامنے یہ کورس گایا جاتا تھا تو عموماً وہ چپ رہتے یا صرف جگالی کرتے یعنی طرح طرح سے مُنہ بناتے اور اُس وقت تک کہ فلر ہاؤس میں پھونچکر اپنے کمرے کے کیواڑ اطمینان کے ساتھ بند نہ کرلیتے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتے۔ مگر خارجی دشمنوں کے حملے سے اسطرح اطمینان حاصل کرچکنے کے بعد وہ بالکل آپے سے باہر ہوجاتے اور پھر بیٹ کورس گانیوالوں کو گالیاں دیتے اور تاوقتیکہ اس کا یقین نہ ہولیتا کہ کسی نے اُنکی باتیں نہیں سنیلیں دروازہ ہرگز نہ کھولتے۔

"مورخ رموزدان"

حیدرآباد دکن کے طلبا "فٹ بال" میں ہمیشہ دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے رہے ہیں اور سچ پوچھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن میں کا ایک ایک کمانڈر رہ چکا ہے ہماری فٹ بال ٹیموں کی جان رہا ہے۔ مسٹر اکبر نظر علی حیدری جو ڈپٹی فنانشنل سکرٹری سرکار نظام کی تشریف آوری کے موقع پر "فٹ بال" کا جو میچ ہمارے تمام کالج اور حیدرآبادی طلبا کے درمیان ہوا تھا اُس میں حیدرآبادی طلبا نے علیگ کے مقابلے میں دو گولوں سے فتح حاصل کی۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ لڑکوں نے اپنے میں ملکی شکست کا داغ اپنے ذمے لیا اور مسٹر حیدری کے خوش کرنے کو حیدرآبادیوں کو جتا دیا، مگر کھیل کا نتیجہ کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ڈنر

سالانہ ڈنر کی تقریب پر معزز اولڈ بوائز چند روز کے بعد علیگڈہ میں جمع ہونے والے ہیں۔ حدود کالج میں تعلیم یافتہ احباب کا یہ مجمع خاص اہمیت اور دلچسپی رکھتا ہے۔ مختلف مذاق کے طلبا اپنے اپنے نکتۂ خیال سے اس اجتماع کو دیکھتے ہیں بعض کے نزدیک علیگڈہ کی قومی نمایش کے بعد ہندوستان کے مہذب مگر فلیشن کے دلدادہ احباب کی نمایش ہوتی ہے اور بس۔ بعض کی رائے میں یہ بزرگ زندگی کے مخمصوں سے دو تین دن کے لیے آرام حاصل کرنیکی غرض سے اپنے قدیم دارالعلم کی چار دیواری میں اجتماع احباب اور دیگر سامان تفریح سے محظوظ ہوتے ہیں اور اس میں اُنھوں نے یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں کے اولڈ بوائز کی تقلید کی ہے۔ اکثر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے بعض اہم امور کے تصفیہ کی ضرورت، اس قومی درسگاہ کی خاص محبت، ایام گزشتہ کی یاد، ان درو دیوار سے دلبستگی انکو کشاں کشاں لاتی ہے اور وہ اپنی الما میٹر کی بہبودی و ترقی اور طلبا ے کالج کی بہتری اور باہمی تعلقات پر غور و خوض کرتے ہیں۔

ان جلسوں میں شرکت کی علت محرکہ خواہ کچھ ہی ہو مجھے اس سے بحث نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ مادر کالج کے بزرگ فرزندوں کا اجتماع انکے چھوٹے بھائیوں پر جو ہنوز زیر تربیت ہیں کیا اثر ڈالتا ہے۔

ایسوسی ایشن کی گرانقدر خدمات کا معترف نہونا ایک صریح لاعلمی اور احسان فراموشی ہے۔ اولڈ بوائز ماہوار چندوں اور دیگر عطیوں سے اپنے دیرینہ تعلق اور موجودہ محبت کا بین ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ متوفی اولڈ بوائز کی اولاد کی تعلیم کا مسئلہ اور

لاج کی تعمیر مزید سپاسگذاری کی موجب ہے۔ بایں ہمہ ان کے سالانہ جلسے اور ڈنر محض رسمی
اور نمائش ہیں۔ موجودہ زمانے کی دیگر قومی مجالس کی طرح ان کا دائرہ عمل بھی چند
رزولیوشن اور تقریروں تک محدود رہتا ہے۔ مادر کالج کے یہ وہ فرزندان ارجمند ہیں جو
اپنے چھوٹے بھائیوں کے لئے عملی نمونہ ہیں۔ نوجوان فطرتاً ان کا تتبع کرتے ہیں اور
اُن کی آئندہ زندگی اور روش پر اولڈ بوائز کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ نہایت افسوس سے کہنا
پڑتا ہے کہ اولڈ بوائز اسلامی رنگ بالکل مفقود ہے (الا ماشاء اللہ جنکی طرف میرا روئے
سخن نہیں) اس قومی کالج کی ایک غرض دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینداری اور
اسلامی کیرکٹر کا قایم رکھنا عموماً بیان کیا جاتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے ورنہ بڑے بڑے
اور مکمل گورنمنٹ کالجوں کو چھوڑ بعید الوطن طلباء کے لئے ایک مرکزی درسگاہ قائم
کرنا جہاں مصارف تعلیم کہیں زیادہ ہیں ایک مفلس قوم کے سرمایہ دین و دنیا کو
نہایت بے دردی سے ضائع کرنا ہے۔ یہ ایک مشہور اور سچی مثال ہے کہ درخت اپنے
پھل سے پہچانا جاتا ہے، لہٰذا اے مادر کالج کے سپوتو مجھے بتاؤ کہ آپ مذہب اسلام کے
کہاں تک پابند ہیں، اور ارکان دین پر کہاں تک عمل ہے۔ حج لنڈن اور پیرس کے
بعد زاد راہ ہونے کے باوجود حرمین شریفین کی زیارت کا بھی کبھی خیال آیا ہے۔ کیا
مساجد کبھی منت کش جبین نیاز ہوئیں یا جھوٹی خودداری کے خیال میں آپکی آنکھیں
ہمیشہ آسمان کی طرف لگی رہیں آیہ فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ
واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ آپ پر تو صادق نہیں آتی عشقیہ ناولوں
کے مطالعہ کے بعد فرقان حمید کو بھی کبھی طاق نسیاں سے اتارا ہے۔ کیا آپ اس سالانہ
جلسے میں متفق ہو کر اسلام کی جامع مانع تعریف سوچینگے۔ کتنی مرتبہ آپ نے عملی
نمونہ نکر نہیں تو کم از کم اپنی تقریروں میں ضرورت مذہب کی طرف اپنے چھوٹے
بھائیوں کو توجہ دلائی ہے؟ اس کے برعکس مادر کالج کے طفلان نوخیز ان جلسوں

میں اپنے بڑے بھائیوں سے صرف ظاہری لباس، تزئین، تفاخر، ہزلیات اور آزاد خیالی کا سبق سیکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں چونکہ اولڈ بوائز کو دنیوی جد و جہد، تمدن کے تغیرات، ملازمت، اور معاش کے مختلف شعبوں کے متعلق انفرادی طور پر کافی تجربہ ہوتا ہے۔ لہذا یہ انکا فرض ہے کہ اپنی نصائح اور نیک مشوروں سے طلبا کی رہبری کریں جو کارزار دنیا میں حصول معاش کے لئے شریک ہونیوالے ہیں۔ اولڈ بوائز جو تاجر ہوں، تجارت کی سہولتوں اور نیز دقتوں پر روشنی ڈالکر نونہالان قوم کو اسکی طرف توجہ دلائیں ملازم پیشہ احباب اپنے صیغوں کے فوائد، ذرائع رسائی اور استعداد مطلوبہ کو بیان فرمائیں، ممالک غیر کا تجربہ رکھنے والے بزرگ اپنی وسیع معلومات سے حسب حال فائدہ پہنچائیں۔ غرضیکہ جتنے اولڈ بوائز سالانہ ڈنر میں شریک ہوں ان کا فرض ہے کہ قولاً فعلاً یا عملاً اپنے چھوٹے بھائیوں پر نیک اثر ڈالیں۔ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان کی معلومات میں اضافہ کریں۔ کیونکہ صرف وہی حدود کالج میں انکا بہترین نمونہ ہو سکتے ہیں۔

(راشد۔ سیالکوٹی)

ترکی تمسکات کے متعلق قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر کی رائے ہے کہ گورنمنٹ ہند سے اس مشورہ کے بعد کہ یونیورسٹی کے متعلق گفتگو میں تو مزاحمت نہ ہوگی، ترکی تمسکات خرید لئے جائیں۔ نیز پانچ لاکھ روپے کے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ اس غرض سے خرید لئے جائیں کہ ان کے منافع سے تکمیل یونیورسٹی کے ہمارے کالج کو مدد پہنچائی جائے۔

چند نظمیں

"گمنام شاعر"

ہمارے کالج میں ایک گمنام شاعر تھے۔ بلکہ اب بھی موجود ہیں۔ اور اگرچہ اچھے خاصے شاعر ہیں اور بہت مشہور ہیں مگر ہیں گمنام۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ "گمنام" اُنکا تخلص ہے بلکہ محض ازراہ انکسار وہ اپنے کو "گمنام" تصور کرتے ہیں، اور اس معاملہ میں ہم بھی کچھ زیادہ کہنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ حال میں ہمکو اُن کی ایک نظم دستیاب ہوئی ہے جس کی شان تصنیف یہ ہے کہ کالج میں ایک بہت ہی سیاہ فام حبشی رنگ کے طالب علم مشرقی سید محمود کورٹ کے شمالی حصہ میں رہتے تھے اور منجملہ دیگر پابندی اوقات (مثلاً کالج کی حاضری، مسجد کی حاضری ڈائننگ ہال جانا وغیرہ وغیرہ) کے ایک ضروری مشغلہ دن میں تین بار پیرز سوپ سے منہ دھونا بھی تھا (اُس زمانے تک کالج میں دیسی صابون کا استعمال گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا، خدا اُن کو معاف کرے) اگرچہ مقصد اس سے رنگت کی سیاہی دور کرنا ہوتا تھا مگر بجائے یہ کرنے کہ پرنسل صاحب نے صابون او رپانی کے استعمال پر اپنے سالانہ لکچر میں اس سال خاص زور دیا ہے۔ بدقسمتی سے شوب پڑکر چہرہ پر اچھی خاصی وارنش ہوجاتی اور سیاہی اور زیادہ چمک اُٹھتی، مگر دنیا بہ اُمید قائم، کبھی مایوس نہ ہوئے اور مشغلہ برابر جاری رہتا۔

"گمنام" صاحب نے کہیں آتے جاتے اس سعی لاحاصل کو دیکھ لیا تھا لہذا اُنکی تشفی کے لئے ایک چھوٹی سی نظم لکھدی جو درج ذیل ہے

اُنسے گیسو کو شکایت ہے کہ میری رنگت ✦ آپکے روئے منور نے چھپا رکھا ہے

وہ یہ کہتے ہیں مزاجب ہی کہ یک رنگی ہو، — لطفِ دنیا کا دورنگی نے مٹا رکھا ہے
زلفِ لیلا کہ ہے ہم شکل غلافِ کعبہ — میرے چہرہ نے وہی رنگ اُڑا رکھا ہے
خالِ محبوب پہ غالب ہی سیاہی میری — صدقے رنگت کے، پری زاد بنا رکھا ہے
پختگی اصل میں ہوتی ہی سیہ رنگت میں — ورنہ گورے میں سوا نام کے کیا رکھا ہے
ہوں وہ مہتاب کہ منت کشِ خورشید نہیں — اسی نمکیں نے سیہ تاب بنا رکھا ہے

حقہ کلب

کالج کے جدت پسند ہمیشہ نئے مذاق کی دھن میں رہتے ہیں، دو سال سے کچھ زیادہ ہوئے منٹو سرکل میں ایک کلب حقہ کلب کے نام سے کھولی گئی تھی جس کی ایگزیکٹو کمیٹی میں کوئی ایسا شخص نہیں داخل ہو سکتا تھا جو بارہ سال سے کم کا حقہ پینے والا ہو۔ اس کی تعمیرات بھی دو چار منٹو سرکل میں موجود ہیں اور کلب کے مشرح حالات بیان کر سکتی ہیں۔ جلسہ افتتاحی کے موقع پر یہ نظم پڑھی گئی تھی ؎

منٹو سرکل میں بڑھی خوب طلب حقے کی — لو مبارک ہو کہ بنتی ہے کلب حقے کی
چاہنے والے تو رہے اسکے ہمیشہ لیکن — قدر باقاعدہ ہونیکو ہے اب حقے کی،
ہے یہ وہ چیز کہ پیتا ہے اسے شاہ و گدا — مدح کرتے ہیں فرنگی و عرب حقے کی
بادشاہانِ زماں قبضے میں جنکے ہی جہاں — سر جھکا دیتے ہیں تعظیم کو سب حقے کی،
شمعِ محفل ہے یہی، باعثِ تزئیں ہی یہی — کیوں نہ ممنون ہو ہر بزمِ طرب حقے کی،
وہ دل آویز صدائیں رگِ جاں جیسے کھنچے — ہائے موہنی سی شکل غضب حقے کی،

اصلی مسودہ میں اس جگہ پر حقے کی تصویر بنی ہوئی اور ایک طرف دھکتے

ہوسے انگاروں سے بھری ہوئی چلم بھی رکھی ہے۔

دہ دہواں کاکل معشوق سے جسکو تشبیہ   بڑھکے ارگن سے وہ آواز شغب حقے کی
چہرے ہو جاتے ہیں گلنار خوشی کے مارے   حقے بازوں میں جب چلم آئی ہے حقے کی
مست خوشبو کہ جسے سونگھ مردے جی جائیں   تسبیح پڑھنے لگے ہر جان بہ لب حقے کی
اُسکی تقدیر کھلی جاگ اُٹھے اُس کے نصیب   جسکو قسمت سے ملی نعمت رب حقے کی

حقے بازی کا ہے یہ زور تو بے شک و شبہ
جھنڈی ہو جائینگی ہر جا پہ نصب حقے کی

ہمارے لئے یہ بات موجب مسرت و ابتہاج ہے کہ ہمارے دو دوستوں کو جو کم و بیش چار سال سے ہم جماعت اور ہم مسکن تھے (اور ہیں) ایک ہی مہینہ کے اندر خداوند کریم نے اولادیں عطا فرمائی ہیں۔ مسٹر سید احمد علی (سابق کپتان کرکٹ) کے حال ہی میں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور مسٹر ایچ ایم حیات (لارڈ حیات) کے لڑکا۔ اس مرتبہ لارڈ حیات بازی لے گئے مگر مسٹر احمد علی نے دوستوں سے وعدہ کیا ہے کہ یہ کمی آئندہ پوری کر دینگے۔

اولڈ بوائز علی گڑھ کالج کا سالانہ جلسہ اور ڈنر

علی گڑھ کالج کے اولڈ بوائز کا سالانہ جلسہ اور ڈنر سالہائے سابقہ میں بماہ اپریل منعقد ہوتا رہتا تھا، کیونکہ ان ایام میں بوجہ تعطیلات ایسٹر جلسہ کی انعقاد میں خاص سہولت ہوتی ہے لیکن چونکہ امسال ایسٹر ماہ مارچ میں واقع ہوا، اسلیے ایسوسی ایشن کا جلسہ بھی بجائے اپریل کے ۲۱ اور ۲۲ مارچ کو ہوا۔

اولڈ بوائز حسب معمول پہلے سے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے، اور آخر تک انکی تعداد تقریباً پونے دو سو تک پہنچ گئی تھی۔ بہت سے اولڈ بوائز نے بذریعہ تار و خطوط عدم شرکت کی معذرت کی تھی۔ اور اگر انہیں ایام میں مسلم یونیورسٹی اور مسلم لیگ کے جلسے لکھنؤ میں ہونے والے ہوتے تو ان کی تعداد غالباً مذکورہ بالا تعداد سے دو چند ہوتی۔ تاہم جس قدر اولڈ بوائز امسال جمع ہوئے اس سے قبل کبھی جمع نہ ہوئے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علیگڈھ کالج کے اولڈ بوائز کی دلچسپی خدا کے فضل سے اپنی علمی مادر کیساتھ روز افزوں ترقی کر رہی ہے جو نہ کہ صرف کالج کے لیے بلکہ کل قوم کے لیے ایک نہایت امید افزا امر ہے اور جس پر ایسوسی ایشن کے ذمہ دار کارکن مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ایسوسی ایشن کے جلسے زیر صدارت جناب آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے ایل ایل بی۔ ۲۱ مارچ کو صبح کے ۹ بجے سے یونین کلب کے "رام پور حامد ہال" میں شروع ہوئے۔

١٩١٢/١٣ سب سے پہلے مسٹر شوکت علی بی اے (آنریری سکرٹری ایسوسی ایشن) نے اپنی رپورٹ پڑھی جو کہ گیارہ ماہ کی بابت تھی۔ کیونکہ امسال کا جلسہ بجائے اپریل کے مارچ میں ہوا تھا۔ رپورٹ میں ایسوسی ایشن کے جائنٹ سکرٹری مسٹر سرفراز خان صاحب اور ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کی مساعی دلچسپی کا اعتراف و شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سال زیر رپورٹ میں دفتر کی ترتیب عمل میں آئی اور مولوی سید عبدالباقی صاحب، مسٹر منظور احمد اور شاہ مصطفےٰ احمد صاحب (سابق طلبائے کالج) کی مدد سے حسابات درست کئے گئے۔ آمدنی بمقابلہ سال گزشتہ کے ساڑھے آٹھ ہزار کے (گیارہ ماہ کے اندر) تقریباً اضافہ ہوئی۔ ایک کمیٹی نے (جس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب، مسٹر محمد علی صاحب (اسکن)، مسٹر محمد یعقوب صاحب وکیل مرادآباد اور سکرٹری وجائنٹ سکرٹری شامل تھے) تو عہدے پر نظر ثانی کی۔ متوفی و دیگر غیر مستطیع اولڈ بوائز کی اولاد کی تربیت اور امداد کا کام شروع کیا گیا۔ اولڈ بوائز کے جو بچے کالج میں اس وقت زیر تعلیم ہیں، اُن کی نگرانی کا کام ایسوسی ایشن نے اپنے ذمہ لیا، اور اولڈ بوائز کے لیے تلاش روزگار کا سلسلہ قایم کیا گیا۔ اولڈ بوائز ڈائرکٹری کا وہ حصہ جو کالج ڈپارٹمنٹ سے نکلے ہوئے طلبا کے متعلق ہے، تیار ہو گیا ہے۔ ڈائرکٹری کی تکمیل و ترتیب پر مولنا طفیل احمد صاحب نے باوجود اپنی علالت کے نہایت کوشش و جاں فشانی کی ہے۔ اولڈ بوائز لاج (جس کا نقشہ جناب خان بہادر سید جعفر حسین صاحب نے تیار کیا تھا اور جو زیر نگرانی مسٹر عظیم داد خاں صاحب اولڈ بوائے کالج زیر تعمیر ہے) اس کی زیرین منزل آیندہ موسم برسات تک تیار ہو جائیگی۔ ایسوسی ایشن کے ممبروں کی تعداد بمقابلہ سال گزشتہ ۹ سو کے ۱۱ سو تک پہنچ گئی۔

مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کی یہ تحریک تسلیم کی گئی کہ آیندہ ایسوسی ایشن کے کاغذات ممبروں کے پاس لیتھو میں چھپ کر نہ جایا کریں، بلکہ صرف ٹائپ میں چھپا کریں۔

جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب نے سکرٹری صاحب ایسوسی ایشن کی خدمات اور اُنکے عہد میں ترقی اتفاق کا اعتراف کیا اور اُمید ظاہر کی کہ اُن کے قیام علی گڑھ سے پارٹیاں قطعی نابود ہو جائینگی۔

اس کے بعد ممبروں نے کچھ سوالات کیے جن کے جوابات دیے گئے۔

صاحب صدر نے اپنے ریمارک میں فرمایا کہ بہت کفایت شعاری کے ساتھ کام کیا گیا ہے، البتہ کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کی شدید ضرورت ہے۔

انتخاب عہدہ داران کا نتیجہ حسب ذیل ہے:۔ مسٹر سرفراز خاں جائنٹ سکرٹری مسٹر سلطان بھائی لال جی پراونشیل سکرٹری بمبئی۔ مسٹر صغیر علی پراونشیل سکرٹری یا مسٹرل... مسٹر سعید محمد خاں و مسٹر عبدالحمید خاں ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی۔ کپتان عظمت اللہ صاحب پراونشل سکرٹری حیدرآباد دکن

بورڈ اف ٹرسٹیز کالج میں ایسوسی ایشن کی قائم مقامی کے لیے مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کا انتخاب ۵ سال کے لیے اور مسٹر محمد فائق صاحب۔ بی، اے، ایل ایل بی۔ (وکیل فیض آباد) کا انتخاب ایک سال کے لیے عمل میں آیا۔

اس کے بعد دوران سال میں وفات پانیوالے اولڈ بوائز کے انتقال پر اظہار رنج وغم اور اُن کے پس ماندگان کے ساتھ ہمدردی کے رزولیوشن پاس ہوئے۔

ایسوسی ایشن کے پاس کردہ رزولیوشن حسب ذیل ہیں:۔

(۱) "زیر سرپرستی سکرٹری صاحب ایسوسی ایشن ہذا ایک امپلائیمینٹ ایجنسی کھولی جاوے جو بے کار اولڈ بوائز ممبران ایسوسی ایشن کو ملازمت دلانے میں کوشاں رہے" (۲) "جس ضلع یا قصبہ میں کم از کم سات اولڈ بوائز ہوں وہاں ایک لوکل اولڈ بوائز ایسوسی ایشن زیر سرپرستی علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کھولی جاوے اور اس کے اجلاس ماہواری ہوا کریں۔ یہ اجلاس باری باری ہر اولڈ بوائے کے مکان پر ہوں، اور جس اولڈ بوائے کے مکان پر ماہواری اجلاس ہو وہ ممبران کو بلا عذر کے پارٹی دے" (۳) "عرصہ سے اولڈ بوائز کے لیے کوئی خاص امتیازی نشان تجویز ہونیکی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

پس اولڈ بوائز ایسوسی ایک کم قیمت انگوٹھی کا نمونہ تیار کرے جس پر کالج کا نشان ہو اور یہ انگوٹھیاں ممبران ایسوسی ایشن کے ہاتھ فروخت کیجاویں،، (۴) "یہ جلسہ سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی ایسوسی ایشن کو اجازت دیتا ہے کہ وہ علاوہ رقم منظور شدہ کے اگر ضرورت ہو تو امسال مبلغ دس ہزار روپیہ تک اولڈ بوائز لاج کی تعمیر اور ضروری اخراجات یہ بشرط گنجائش صرف کرے یعنی جو اخراجات بابت وظائف وغیرہ منظور ہو چکے ہیں وہ جاری رہیں" (۵) "بہ نظر ان دلی تعلقات کے جو ان کے اور اولڈ بوائز کے درمیان ہیں، سر تھیوڈور ماریسن کو من جانب ایسوسی ایشن بمقام علی گڑھ اولڈ بوائز کر ملنے کے لیے مدعو کیا جائے،، (۶) "سر تھیوڈور ماریسن کی تشریف آوری کے موقع پر منجانب ایسوسی ایشن ان کو ایک ایڈرس پیش کیا جائے،،۔ (۷) قواعد وضوابط کی دفعہ ۳ میں حسب ذیل ترمیم کی جائے: "سکرٹری اور جائنٹ سکرٹری میں سے کوئی ایک یا دونوں علی گڑھ میں رہیں گے،،۔ اور دفعہ ۱۴ الف میں یہ ترمیم ہو کہ "ہیڈ فیس ۵ انجارج ہو،، (۸) ٹرسٹی صاحبان سے درخواست کیجائے کہ وہ مہربانی سے ان شرائط کو منسوخ کر دیں جو انھوں نے اولڈ بوائز کے قایم مقام ٹرسٹیز کے انتخاب کے متعلق عاید کی ہیں، بلکہ بجائے اس کے وہ خود ایسوسی ایشن کو مجاز کریں کہ جو شرائط وہ خود مناسب تصور کرے اپنے میں سے بہترین لوگ انتخاب کرنے کے لیے قایم کرے،، (۹) "اس ایسوسی ایشن کی رائے ہے کہ کالج میں والینٹری سسٹم جاری کیجاوے۔ تاکہ کام میں سہولیت ہو اور کام کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہو، اور جو اولڈ بوائز اپنے خدمات معرفت سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی پیش کرینگے تو کمیٹی بعد غور و منظوری کے آنریری سکرٹری صاحب کالج کی خدمت میں سفارش کرے گی کہ ان کو بہ پابندی قواعد دفتر متعلقہ اجازت کام کرنے کی دیجائے،،

سب کمیٹی کا ترمیم کردہ مسودہ قواعد بعد غور و بحث کے پاس کیا گیا۔

۲۱ مارچ کو اولڈ بوائز کا ایک گروپ میں فوٹو لیا گیا۔

اسی تاریخ کو شام کے پانچ بجے اولڈ بوائز جناب نواب حاجی محمد اسحاق خان بہادر آنریری سکرٹری کالج کے خیر مقدم اور ایوننگ پارٹی (من جانب ممبران کالج کلب) میں شامل ہوئے۔

۲۲ مارچ کو اولڈ بوائز کا ایک گروپ اسٹاف اور طلبائے موجودہ کے ساتھ پھر لیا گیا۔

۲۲ مارچ کو رات کے وقت یونین میں اس مضمون پر ڈیبیٹ ہوا ہے۔

"پودا نہیں پھول کا علی گڈھ کالج
گلداں میں مسلموں کا گلدستہ ہے"

مسٹر سید کلب عباس نقوی۔ بی اے نے تحریک پیش کرتے ہوئے ایک نہایت پُر اثر و فصیح و بلیغ تقریر کی۔ موجودہ طلبا اور اولڈ بائز نے مباحثہ میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصّہ لیا۔ تقریباً تین گھنٹہ تک مباحثہ نہایت زور شور سے جاری رہا، اور پھر بالاخر تحریک کامیاب ہوئی۔

۲۳ مارچ کو اولڈ بوائز بہ مقابلہ طلبائے موجودہ کرکٹ اور ہاکی میچ کھیلے، جن میں سے اوّل الذکر میں طلبائے حال بازی لے گئے اور موخر الذکر مقابلہ کا نتیجہ مساوی رہا۔

اولڈ بوائز ڈنر ۲۱ مارچ کو شب کے آٹھ بجے منعقد ہوا۔ چونکہ امسال کے ڈنر کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں کالج کے موجودہ طالب علم ابتدائی سے لیکر اعلیٰ ترین جماعت تک کے شریک تھے، اس لئے وہ بجائے اسٹریچی ہال کی کھلی ہواہیں کرکٹ لان پر کیا گیا تھا۔ ڈنر کے میدان وحوالی اور اس کی میزوں کو گملوں اور گلدستوں اور برقی فانوسوں اور کالج ٹروفیز (انعامات بازی)

سے آراستہ کرنے میں بہت محنت و جانکاہی کی گئی تھی۔ ڈنر کی دیگر دلچسپ خصوصیات کی طرح اس کی مینو (فہرست اطعمہ) بھی اپنی جدت کے لحاظ سے نہایت لذت بخش تھی جسکو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :-

اوّل طعام

قبولی پٹھانی، بورانی خاقانی، دال ماش ہندوانی، بقولات ایرانی، ہنڈیا دیوانی سرفرازخانی، دال موٹھ شاہ جہانی، قہوۂ عربستانی، پانی ہندوستانی، سگریٹ ترکستانی۔ سگار نقل ہوانی۔ صرف نمک سلیمانی باقی رہ گیا تھا۔

"اوّل طعام" کے بعد جب "بعدہٗ کلام" کی نوبت آئی تو سب سے پہلے آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب پریسیڈنٹ جلسہ ایسوسی ایشن کی تحریک پر جملہ حاضرین نے سروقد استادہ ہو کر حضور ملک معظم کا جام صحت پورے جوش عقیدت کے ساتھ نوش کیا۔

اس کے بعد مسٹر محمد علی بی اے (آکسن) نے "اولڈ کالج اور ٹرسٹیان" کا جام پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ علی گڑھ کی تمام حالات سے قوم کو مطلع رکھنا چاہئے۔ کالج کا سالانہ بجٹ باقاعدہ اور وقت پر پبلک میں شایع کیا جانا چاہیے کالج کی سالانہ رپورٹ پبلک میں شایع ہوتی رہا کرے۔ اسٹاف پر ٹرسٹیوں کے اصول و ان کی پالیسی کی پابندی لازم ہے اولڈ بوائز علی گڑھ کے زبردست ترین طاقت ہیں جن سے زیادہ کالج کا کوئی خیرخواہ نہیں ہو سکتا۔ مسٹر محمد علی نے موجودہ طلبہ کو بھی ڈسپلن کی پابندی اور ہمت سے اپنی تعلیم کی جانب متوجہ رہنے کی نہایت پرزور الفاظ میں تاکید کی۔ اسکے جواب میں جناب نواب حاجی محمد اسحاق خان بہادر آنریری سکرٹری کالج نے جو تقریر فرمائی اس میں کالج کے بعض نہایت اہم انتظامی امور پر بحث کی گئی تھی۔ (اس تقریر کا مکمل ترجمہ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں شایع کیا جائیگا) ڈاکٹر جے ہورووٹز (پروفیسر شعبہ عربی کالج) نے اولڈ بوائز کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے انکے سالانہ اجتماع کو کالج اور اسکے موجودہ طلبا کے لئے نہایت مفید ثابت کیا۔ مسٹر محمد الیاس بی۔ اے (وائس پریسیڈنٹ سٹوڈنس یونین کلب) نے اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے

تبایا کہ اولڈ بوائز موجودہ طلبا کی ترقی و بہبودی میں نہایت گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ موجودہ طلبا کو انکو اپنے خیالات سے باخبر رکھنا اور انکے مشورہ سے مستفید ہونا چاہیئے۔ اولڈ بوائز کالج کے نظام میں ایک نہایت زبردست طاقت ہیں اور ان کا رسوخ روز افزوں ہے ممکن نہیں کہ طلبا واقعات زمانہ سے متاثر نہوں۔ جنگ بلقان نے مسلمانوں میں اخوت اسلامی کی تحریک پیدا کر دی ہے۔ سب رجحان مذہب کی طرف ہو چلا ہے۔ تہذیب جدید کا جادو ٹوٹ گیا ہے۔ طلبا کو بحیثیت مسلمان ہونیکے ٹرکی سے بہت ہمدردی ہے چنانچہ چندہ سے وہ مالی مدد کر رہے ہیں اور ٹرکی کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے افسروں کی اطاعت فرض سمجھتے ہیں اور اور کوئی کام ان کے حکم اور مرضی کے خلاف کرنا گوارا نہیں کرتے۔ سرکار کی وفاداری علیگڈھ تحریک کا جزو لاینفک ہے۔ شکایت وفا بھی ہمیشہ اخلاص و اُمید کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ ہر ایک طالب علم کی تمنا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان، محب وطن اور سرکار کی وفادار رعایا ہو۔ خدا وہ دن کرے کہ علیگڈھ اسلامی ترقی کا سرچشمہ ہو۔ اس تحریک کے جواب میں آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب اور سید مصطفےٰ حسین رضوی صاحب نے تقریریں کیں۔ خواجہ صاحب نے ملازمت اور تجارت میں مسلمانوں کی پست حالت کا ذکر کرکے موجودہ طلبا کو اصول کفایت شعاری پر کاربند ہونے کا مشورہ دیا۔ مسٹر احسان الحق بیرسٹر ایٹ لا نے اسٹاف کا جام صحت نوش کئے جانے کی تحریک کرتے ہوئے انکو یقین دلایا کہ اولڈ بوائز اور قوم کو ان پر پورا اعتماد ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ولی محمد ایم اے پی ایچ ڈی نے اس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے اپنے ذاتی تجربہ سے بتایا کہ کالج کا نام نہاد ،،سفید ہاتھی،، یعنی سائنس ڈپارٹمنٹ بہت مفید کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد مسٹر شوکت علی نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کیا۔
اس کے جواب میں جناب نواب غلام احمد خاں بہادر ،،کلامی،، آف مدراس نے بزبان اُردو تقریر کی جس میں اُنہوں نے طلبہ کو پیشہ تجارت کی جانب توجہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ مسٹر آر ایم غلام حسین (اسسٹنٹ اڈیٹر ،،کامریڈ،،) نے نو واردان از انگلستان

(مسٹر شمشاد احمد خاں، مسٹر تصدق احمد خاں شروانی، ڈاکٹر محمود اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو) کا جام صحت تجویز کیا۔ اس کے جواب میں مسٹر شمشاد احمد خاں بی لے (کینٹب) بیرسٹرایٹ لا نے تقریر کی۔ اس کے بعد سید بے نظیر شاہ صاحب قادری وارثی اور ماسٹر قاضی جلال الدین صاحب نے اپنی اپنی عمدہ نظمیں پڑھیں جو ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

نظم بے نظیر

بازم زمغاں گرید آمد — نوروز رسید و عید آمد
ہنگام سحر بہ گوش بلبل — از موسم گل نوید آمد
صد گنج مراد راہمید دل — این مژدۂ نو کلید آمد
در گلشن دل ز شور بلبل — چون پیک بہار اُمید آمد
صد طرح نشاط ما فگندیم — این جشن طرب جدید آمد
ساقی چو گرفت جام در دست — خود پیر مغاں مرید آمد
این راز محبت نہفتہ — در بزم کنوں پدید آمد
زاں درس کہ گفت پیر ارشاد — شاگرد بہ رشید آمد
این ساعت نیک و عہد فرخ — آمد و چہا سعید آمد
در سایۂ گل نشستہ یاراں — گل بانگ زناں کہ عید آمد
یا رفتہ کسے بدید یارے — یا او بپئے بازدید آمد

ہر یک کہ بہ خلق بے نظیر است
در خوبی خود فرید آمد

"بس اب تمھیں تم ہو"

عزیزو! میزباں یا مہماں بس اب تمھیں تم ہو
ہو کم سن یا مسن یا نوجواں بس اب تمھیں تم ہو

تمھیں کو نعمتیں سارے جہاں کی کھو کے پانا ہے
امینِ قلب یا آرامِ جاں بس اب تمھیں تم ہو

نظر اب ہند میں تم ہی پہ تا دو کیسہ پڑتی ہے!
ہمارے جسم کی روحِ رواں بس اب تمھیں تم ہو

تمہارے سر بندھی پگڑی ہے اب قومی امامت کی
طریقِ رہبری کے خطبہ خواں بس اب تمھیں تم ہو

تمہارا سہوا دنیٰ سے تباہی کا مرادف ہے
رہ پرخار میں دامن کشاں، بس اب تمھیں تم ہو

تمھاری گردنوں پر دین کی بھاری ودیعت ہے
امین و حاملِ بارِ گراں، بس اب تمھیں تم ہو

تمھیں قائل، تمھیں سامع، تمھیں رہرو، تمھیں رہبر
تمھیں سیل، تمھیں سیلِ رواں بس اب تمھیں تم ہو

تمھیں سننا ہے کوئی اب ترانہ بلبل و گل کا
بہارِ قوم کے اک نغمہ خواں بس اب تمھیں تم ہو

اب اس گلشن کی سبزی منحصر ہے آپ کے دم پر
نسیمِ صبح یا بادِ خزاں بس اب تمھیں تم ہو

سب سے آخر میں ظہور وارڈ کے ایک کم سن طالب علم محمد ابراہیم پارک نے تلاوت کلام پاک کی جس پر یہ سلسلہ کلام ختم ہوا۔

امسال علیگڈھ کالج میں اولڈ بوائز کا سالانہ اجتماع کئی پہلو سے غایت درجہ اہم تھا۔ جو اختلافات ابتک اولڈ بوائز میں نظر آتے تھے وہ امسال مبدل بہ اتفاق ہو گئے اور مختلف فیہ مسائل اتفاق کے ساتھ طے ہوئے۔ اولڈ بوائز نے ہمیشہ سے زیادہ استحکام اور استقلال کے ساتھ امسال یہ عہد کیا کہ وہ کالج کی امداد سے کسی وقت میں بھی منہ نہ موڑینگے اور کسی قسم کی بھی دشواریوں کے مقابلہ میں ہمت نہ ہارینگے اور حسب ضرورت اپنی امداد کو وسیع سے وسیع تر کرتے جائیں گے۔ ایک زمانہ تھا کہ اولڈ بوائز کے

باہمی اختلافات مخالفت کا رنگ اختیار کئے ہوئے تھے اور کوئی صورت اس سے عہدہ برا ہونے کی نظر نہ آتی تھی، لیکن جب یکجہتی کا وقت آیا تو انھوں نے ثابت کر دیا کہ انکے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سب کا مطمح نظر ایک اور صرف ایک ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ قوم کے موجودہ دوسرے اختلافات بھی ایک دن اسی خوش اسلوبی کے ساتھ رو براہ ہو جائیں۔ ڈنر کے بعد جو تقریریں ہوئیں وہ بھی اپنی اہمیت کے لحاظ سے امسال ایسی تھیں جن کو لنڈن کے لارڈ میئر کے ڈنر کی تقریروں سے مشابہ قرار دیا گیا تھا، خدا سے امید ہے کہ ایسوسی ایشن اپنے موجودہ سرگرم کارکنوں کے زیر نگرانی اس طرح سرگرم ترقی رہے گی۔ وللہ عاقبۃ الامور

مفصل حالات دلچسپ پیرایہ میں سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آیندہ پرچہ میں نذر ناظرین کرینگے۔

(اولڈ بوائے)

اولڈ بوائز

ہم نے اشاعت سابق میں اپنے ہر دل عزیز دوست اور بھائی مسٹر سرفراز خاں صاحب کے فرزند ارجمند کی ولادت کی خوشخبری ناظرین رسالہ کو دی تھی اور ہمیں امید تھی کہ یہ خبر ہمارے دوست کے وسیع حلقۂ احباب میں مسرت کے ساتھ سنی جائیگی۔ اب ہمیں دفتر کے خطوط اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اولڈ بوائز میں عام طور پر اس مولود کا چرچا ہے اور ہمارے اور سرفراز خاں کے خاص دوست مسٹر ابراہیم حسین جی کلکٹر نہایت زور سے تحریک کرتے ہیں کہ بچہ کا نام عیسیٰ خاں رکھا جائے نام بہت متبرک اور موزوں ہے جس کی تائید ہم بھی نہایت خوشی کے ساتھ کرتے ہیں۔

اولڈ بوائز کے لیے یہ خبر نہایت مسرت بخش ہے کہ لفٹنٹ عظمت اللہ صاحب (حیدرآباد) اب کپتان ہو گئے ہیں اور عہدہ کی ترقی کے ساتھ ہی تنخواہ میں بھی ایک سو دس روپیہ ماہوار کا اضافہ ہوا ہے۔ علیگڑھ کے چند دوستوں نے مشورہ کیا ہے کہ کبھی سنگی دلیوں کو بلا کر ایک خاص جلسہ میں اس ترقی کی مبارکباد گائی جائے۔ ہم اپنے کپتان عظمت کو مبارکباد دیتے ہیں مٹھائی ضرور ملیگی کیونکہ "پیر" نے اونکا گھر بتا دیا۔ مٹھائی یا گلگلے پرانے احباب اس معمہ کو دیکھکر مسٹر مغنی کو یاد کریں گے۔

ہمیں ڈفرا لیوسی ایشن سے یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی کہ اب ولڈ بوائز اپنا بقایا جلد جلد ادا کر رہی ہیں اور ہمارے لیے یہ بات اور زیادہ قابل انبساط ہے کہ بعض نے اپنا حساب بالکل بیباق کر دیا۔

مسٹر سید نیاز حسین ای اے سی سب سے پہلے اولڈ بوائے ہیں جنھوں نے

سنہ ۶ء سے لیکر اسوقت تک کے اضافوں کا روپیہ بذریعہ منی آڈر دفتر کو بھیجدیا ہی۔ خدا کرے ایسے لوگوں کی ترقیاں جلد جلد ہوں۔ ایسے پرجوش ولڈ ائز دیکھکر ہم کو کامل یقین ہوگیا کہ اور لوگ مدد کریں یا نہ کریں مگر ضرورت کے وقت ہمارے اولڈ بوائز خود ہی کالج کو چلائیں گے۔

مسٹر مرزا شبیر بیگ صاحب کی تنخواہ میں معتدبہ اضافہ ہونے سے ہم بہت خوش ہوے ہیں "عالم خیال" میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ کوہ مولا پر ہماری دعوت کا سامان کرنے والے ہیں۔

اس مرتبہ انتخاب "ٹرسٹیاں" میں قسمت نے مسٹر سید سجاد حیدر صاحب اور مسٹر محمد فائق صاحب کے نام قرعہ ڈالا۔ مسٹر سجاد پانچ سال کے لیے اور مسٹر محمد فائق ایک سال کے واسطے "اولڈ بوائز" کی جانب سے ٹرسٹی منتخب ہوئے ہیں۔ ہم دونوں صاحبوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

یہ خبر بھی ہمارے لیے بیحد مسرت انگیز ہی کہ خالق عالم نے ہمارے دوست مسٹر سید سجاد حیدر کے گھر میں سوا پہر نور برسایا ہی اور اونکے یہاں لڑکی تولد ہوئی ہی۔ خدا باپ اور ماں دونوں کو مبارک کرے۔

ہمارے دوست مسٹر قاسم حسین صاحب آخر کار میعادی ڈپٹی کلکٹر ہو ہی گیے جب ہم لوگوں سے مسٹر قاسم کی تعریف سنتے تھے تو ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ یہ اب تک تحصیلداری پر کیوں پڑے ہوے ہیں آخر خداوند کریم نے اونکی محنت کی داد دی۔ ہم نے سنا ہی کہ وہ ہمیں متھرا بلاکر بہت سے "رس گلے" کھلانے کی فکر میں ہیں۔ خدا کرے "قاسم" جلد مستقل ڈپٹی شاب (صاحب) ہوجائے۔

ہمیں اطمینان ہی کہ جب کبھی سجاد عنایت اللہ اور ناظر جونکیں گے ہمارے رسالہ کو مضامین سے بھر دیں گے۔ سجاد نے نثر مسوری اور ناظر نے نظم کشمیری کا وعدہ کیا

ہے۔ خدا کرے ان کے وعدے ایفا ہوں۔ ہمیں مسٹر محمد امین اور مسٹر راما شنکر صاحب سے
امید ہے کہ وہ بھی اپنے مضامین کو باقی آیندہ نوکری سے نکال کر بقول مسٹر سجاد ناوہندوں
کی فہرست سے نام خارج کرالیں گے۔

آنریبل مسٹر روشن لال بیرسٹر ایٹ لا لاہور نے ہمیں ایک چھوٹا سا خط لکھا ہے
جسمیں انھوں نے اپنے اس کالج کی گذشتہ زندگی کو یاد کر کے چند آنسو بہائے ہیں ہمیں
امید تھی کہ وہ آنریبل راجہ رامپال سنگھ کنور مہندر پرتاپ سنگھ صاحبان اور دوسرے
ہندو اولڈ بوائز ضرور شریک دعوت ہوں گے مگر افکار نے انھیں فرصت نہ دی۔ خیر!
بار باقی صحبت باقی۔ انشاء اللہ اگلی سال بھی۔ ہم مقامی ہندو اولڈ بوائز کے
خاص طور پر ممنون ہیں کہ اونھوں نے اپنے ڈنر کو رونق دی۔

مسٹر سید محمود حسین صاحب رئیس ترکی پورہ پاس ضلع بلند شہر نے اپنے اور ہمارے
بزرگ راجہ سید محمد باقر علیخاں بہادر مرحوم کی ایک چھانوے صفحہ کی کتاب "محاکمہ اسلام"
بھیجی ہے جو "بقاحت کہتر و بقیمت بہتر" کہی جانے کی مستحق ہے۔ یہ کتاب سر سید اور تعلیم جدید
کی تائید میں اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ ہمارے رہنما پر چاروں طرف سے کفر کے
فتوؤں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ کتاب تین آنہ میں مسٹر محمود سے ڈاکخانہ پہاسو کے
پتہ پر مل سکتی ہے۔

سادات گرلز اسکول پٹیالہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر پٹیالہ اور نواب ذوالفقار علیخاں بہادر
وزیر اعظم ریاست کی توجہ اور ہمشیرہ صاحبہ میر تفضل حسین صاحب و بیگم خلیفہ سید حامد حسین
صاحب کی کوشش سے خوب ترقی کر رہا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ اولڈ بوائز کے بیبیاں زنانہ
تعلیم میں کافی حصہ لے رہی ہیں۔ اور ہمیں مسز حامد سے جو قبلہ و کعبہ نواب عماد الملک بہادر
کی برادر زادی ہیں۔ ایسی ہی امید تھی۔ کیا اچھا ہوتا کہ مدرسہ کا نام حضرت سیدہ
کے نام پر "مکتب فاطمہ" رکھا جاتا۔

بہت سے اولڈ بوائز کو یہ سنکر ملال ہوگا کہ ہمارے اور اونکے زندہ دل دوست مسٹر سید ظہور حسین (انسپکٹر خفیہ پولس الہ آباد) نے امروہہ میں قضا کی۔ مسٹر ظہور کے احباب تمام ہندوستان میں پائے جاتے ہیں اور وہ بہت زیادہ ہر دلعزیز تھے۔ ہمیں اونکے عزیزوں سے ہمدردی ہے اور اونکے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ خدا اون کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

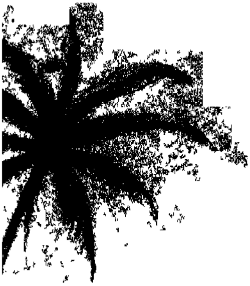
ہمیں معلوم کرکے بھی سخت قلق ہوا ہے کہ مسٹر محمد ہاشم صاحب (ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس) کے چھوٹے بھائی مسٹر محمد قاسم نے پچیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ مرحوم جوان صالح اور ہونہار تھے۔ ہم مرحوم کے جملہ خاندان کے عموماً اور غم نصیب بھائی کے خصوصاً شریک غم ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مرحوم کو جنت نصیب کرے۔

ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے عزیز مسٹر سید اولاد حسین صاحب (پھپھوند ضلع اٹاوہ) انسپکٹر آبکاری کی خدمت کیلئے نامزد ہوئے ہیں۔ خدا کرے وہ ہماری اور اپنے خاندان کیلئے باعث فخر ثابت ہوں اور اپنے خدمات کو استقلال اور دیانت سے انجام دیں

تصاویر

ہم ایک عرصہ سے اس خیال میں تھے کہ ہمارا "اولڈ بوائے" ایک مصور رسالہ ہوجائے، لیکن چند در چند وجوہ سے ہم اپنے خیال کو کامیابی کی صورت نہ دے سکے۔ اب خداوند کریم کے فضل سے ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور اس مرتبہ اپنے ناظرین کی خدمت میں تین تصویروں کا مجموعہ پیش کرتے ہیں۔ ہم اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں دیکھتے کہ ان خاموش (آہ خاموش!) ہستیوں کے نام اور اُن کے کام کی تشریح کریں کیونکہ تعلیم یافتہ دنیا میں عموماً اور ہمارے ناظرین میں خصوصاً مشکل کوئی صاحب ایسے ہونگے جنھوں نے ان تصویروں کا شرف قدمبوس نہ حاصل کیا ہو۔ اگر نہیں تو ایسے تو ضرور ہونگے جنھوں نے اپنے احباب کے کمروں میں اس قسم کی تصویریں دیکھی ہوں گی اور انھیں سر سید مرحوم نواب محسن الملک مغفور اور مسٹر بک آنجہانی کے حالات اپنے دوستوں سے معلوم ہوئے ہوں گے چونکہ ہمارے کالج کے مشن کی ابتدا انھیں تین (اور ان جیسے چند اور) بزرگوں سے ہوئی ہے اسلیے ہم نے بھی اس موقع پر انھیں تصویروں کو داخل رسالہ کرنا مناسب سمجھا۔

آئندہ نمبروں کے لیے ہمارے پاس بہت سی تصویریں آگئی ہیں ؎



اولڈ بوائے



رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۶)

اولڈ بوائے

جلد ۳ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۹

اڈیٹر

شوکت علی بی-اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبع احمدی واقع علیگڑھ میں چھپکر سنہ ۱۳۳۱

حسب ایمائے مولوی سید منظر علی صاحب دفتر اولڈ بوائے علی گڈھ سے شایع ہوا

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلبار مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ کے دلوں میں اُن کے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا، اُسکے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اُسکی ترقی کیلئے ہر طرح کوشاں رہنا

۲ اولڈبوائے میں رشتۂ اخوت قایم رکھنا، اور اُن کو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور کالج، کی مالی مدد کے لیے سابق طلبار کو ترغیب دینا، اور عملی تجاویز پیش کرنا، تاکہ مادر مہرباں کے خدمتگزاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُن پر ہماری کالج کے قایم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

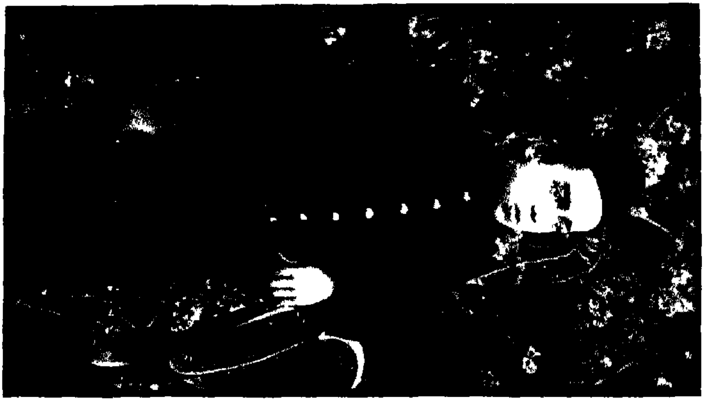
(۱) جملہ خط و کتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ "منیجر اولڈبوائے" علی گڑھ سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹینٹ اڈیٹر اولڈبوائے" علی گڑھ آنا چاہیئے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈبوائے" ہر وقت مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹینٹ اڈیٹر و منیجر





بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اولڈ بوائے

اے! اُو!

" صرف یہ معلوم ہو جانا کہ وہ اولڈ بوائے تھے میرے لئے کافی سے بھی زیادہ تھا! یقین کیجئے، مجھے۔ آنکھیں چار ہوتے ہی۔ یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ وہ ہو نہ ہو ہمارے کالج کے اُولڈ بوائے ہیں، میں یہ نہیں بتا سکتا۔ کیوں؟ مگر یہ ایک واقعہ ہے کہ میری طبیعت خود بخود اُن سے بات کرنے کو چاہی، میں نے خود سلام علیک کی اور خود تعارف حاصل کیا، یہ معلوم ہوتے ہی کہ میرا خیال صحیح تھا میں اور زیادہ دلچسپی کے ساتھ باتیں کرنے لگا! ٹرین میں ابھی آدھ گھنٹے سے زیادہ تھا، اور میں ان کے ساتھ ساتھ پلیٹ فارم پر اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ ..."

"کس پلیٹ فارم پر؟"

"چندوسی جنکشن!" راوی نہایت متانت کے ساتھ بیان کر رہا تھا اور راقم الحروف پوری دلچسپی اور غور کے ساتھ سُن رہا تھا " افسوس ہے کہ مجھے اُن حضرت کا نام یاد نہیں، ورنہ پھر شبہ کی قطعی گنجائش نہ ہوتی؛ جس وقت میں اُن کے ساتھ ٹہل رہا تھا اُس وقت وہ خاص ٹھاٹھ

سے نہیں تھے! لباس کی صورت میں ترکی ٹوپی، ترکی کوٹ اور پتلون اُن کے زیب بدن تھا غالباً اسی وجہ سے، یا شاید اس وجہ سے کہ اُسوقت سوائے میرے کوئی اور معقول صورت اسٹیشن پر نظر نہ آتی تھی، جس سے وہ باتیں کر کے انتظار کا وقت آسانی کے ساتھ کاٹ سکتے! اُنھوں نے مجھ سے باتیں کرنی گوارا بھی کر لیں، ورنہ کہاں وہ، سکنڈ کلاس پسنجر، اور کہاں میں ڈیوڑھے درجہ کا مسافر؟ گویا اُن کے نقطۂ خیال سے زمین آسمان کا فرق! اب مجھے خیال آتا ہے کہ اُسوقت بھی ان کی گفتگو ضرورت سے زیادہ خودنمائی آمیز تھی، تاہم اُسوقت مجھے اس کا مطلق شبہ بھی نہیں ہوا، اور ہوتا ہی کیونکر؟ میں تو ان کی ایک ایک بات کو خاص دلچسپی کے ساتھ سُن رہا تھا، ان کی ایک ایک حرکت کو خاص محبت اخوت آمیز محبت اور واجبی احترام کیساتھ دیکھ رہا تھا! کیا اچھا ہوتا کہ میں جو کچھ بعد میں سمجھا، اُسی وقت سمجھ جاتا....."

"وہ کیا؟"

"یہی کہ۔ وہ اپنی شخصیت کو خواہ مخواہ مجھ پر منڈھ رہے تھے، وہ اپنی ارفع شان کے سر بفلک کشیدہ مینار پر چڑھکر مجھ ناچیز کو حقارت کے ساتھ دیکھ رہے تھے! یقین جانئے، میں اُن کو۔ اور اُن کی ایک ایک حرکت کو، خالص اخوت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا! پھر بھی، میں یہ ضرور کہونگا۔ کہ ان کا لب ولہجہ، اُردو زبان میں ایک خاص انگریزی اِمفیسس (Emphasis) اور سب سے زیادہ ایک عجیب شانِ استغنا، میری آنکھوں میں اُسوقت بھی کھٹک رہی تھیں، مگر اس سے میں نے اگر کوئی خیال اُن کی نسبت قایم بھی کیا تھا، تو یہی کہ وہ پُرانے اولڈ بوائے تھے، اور معاف کیجئے، پُرانے اولڈ بوائے زیادہ تر اسی ٹائپ کے ہیں!"

پُرانے اور نئے اولڈ بوائز کی تقسیم۔ اور پھر اُن کا ٹائپ! افسوس ہے میں ابھی پوری طرح سمجھا نہیں؟

"آپ کو سمجھنا بھی نہیں چاہیئے، کیونکہ آپ کا شمار بھی زمانہ کے لحاظ سے اُن ہی میں ہوگا

راوی کے چہرے پر ایک مضحکہ آمیز تبسم نمایاں ہوا، اور جاتا رہا۔" خیر۔ پُرانے اولڈ بوای سے میرا مطلب اُن اولڈ بوائز سے ہے، جن کالج چھوڑے کم از کم پانچ چھ سال گذر گئے ہوں اور نئے اولڈ بوائز وہ ہیں جو اس دو سال میں کالج سے علیحدہ ہوئے ہوں، یا آیندہ ہونے والے ہوں! یہ ایک نمایاں تقسیم ہے! واقعیت سے انکار تو شاید آپ بھی نہیں کرسکتے، اور اسی وجہ سے میں بلاخوف تردید، بلکہ بلالحاظ غصہ آمیز طعن و تشنیع ضرور کہوں گا کہ بقول ایک یوروپین مؤدب کے "کیچڑ میں لتھڑا ہوا کُتا دروازہ پر، اور فلینل فول وِکٹ کے قریب" یہ پُرانے اولڈ بوائز اگر مشہور تھے یا ہیں تو اسی وجہ سے کہ وہ ہمیشہ وکٹ کے آس پاس ہی رہے قومیت جس کا نام سُنتے سُنتے کان بہرے ہوگئے ہیں، اور اخوّت جس کی تعریف "اولڈ بوای" کے صفحوں میں پڑھتے پڑھتے آنکھیں دُکھنے آگئی ہیں، پُرانے اولڈ بوائز میں عجیب رنگ میں جلوہ گر ہے! صاحبیت کا رنگ، انگریزیت کی تقلید، مغربیت کا عشق، اُنکی عادات کے اجزائے لاینفک ہیں! اُنکی قومیت کوٹ پتلون کی ایک ایک چیز پہ مائل ہونا! اُنکی ترقی، سر سے پانوں تک مغربیت کے سانچے میں ڈھل جانا! اُنکی اخوت۔ کرکیٹ ٹور اور ڈیپوٹیشن کے موقع پر اکھٹا ہو کر کچھ عرصہ کے لیے ہمسفر ہو جانا! کیا قومیت، ترقی اخوّت، اسی کا نام ہے؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پُرانے اولڈ بوائز نے سچی قومیت کو اپنی نمائشی مغربیت پر کبھی ترجیح دی؟ کبھی اُنھوں نے اپنے کرکیٹ وغیرہ کے سامنے اِسلام کی پابندی اوقات کا خیال رکھا؟ کبھی اُنھوں نے صاحب بننے کی بجائے مسلمان بننے کی کوشش کی؟ کبھی بھی اُنھوں نے اپنے توس مکھن اور اپنی فلالین کی پتلون پر دور اُفتادہ مسلمانوں کی امداد کے خیال کو مقدم جانا؟ ......"

"اہا یہ کہیئے، آپ کا مطلب موجودہ ترکی مجروحین کی امداد ہے! اور غالباً یہ ظاہر کرنا ہے کہ آپ صاحبان نے کھانے تک میں تکلیف گوارا کرکے سے قوم پر بڑا احسان کیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ! کسقدر پوچ خیال! آخر کو ہیں تو آپ بھی اُن ہی پُرانوں میں، ورنہ ایسا رکیک خیال کبھی آپ کے دل میں پیدا نہ ہوتا! اوّل تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ مجھ کالج چھوڑے ہوئے سال بھر سے زائد ہوگیا، اور مجھے اُن طلبا میں ہونے کا فخر حاصل نہیں جو اپنے آرام و آسائش کو امداد اور ہمدردی کے جوش میں چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے ایسے گروہ پر، اور اس ہمدردی کے جوش پر خود نمائی کا الزام لگاتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی .....؟"

"مگر آپ کا یہ دعویٰ کہ پُرانے اولڈ بوائز میں اس ہمدردی کا احساس ہی نہیں، میری رائے میں بالکل لغو ہے! کیا میں آپ کو بتاؤں کہ اس ٹرکی امداد کے موقعہ پر پُرانے اولڈ بوائز نے کیا کیا، اور اب تک کیا کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں نہ گذشتہ زمانہ میں اس قسم کی ہمدردی کا موقعہ آیا، اور نہ پُرانے اولڈ بوائز کو اس کے اظہار کا موقع ملا! بس یہ ہی وجہ تھی: اب اسوقت اگر آپ کہیں تو میں پُرانے اولڈ بوائز کے نام گنانا شروع کردوں جو ہمہ تن اسی خیال میں غرق ہیں ....."

"معاف کیجئے، میں اُن کو جانتا ہوں، اور میں ہی نہیں، قریب قریب تمام قوم، جانتی ہے۔ بلکہ فرض کر لیجئے کہ بعض ایسے بھی ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔ تاہم کبھی آپ نے اِن کی تعداد پر بھی غور کیا۔ کبھی اُس ناقابل لحاظ تعداد کا مقابلہ کُل پُرانے اولڈ بوائز کی تعداد سے بھی کیا؟ اگر نہیں کیا تو ذرا ٹھنڈے دل کے ساتھ اب کیجئے؟ یہ خیال رہے کہ بےلوث قومی محبت کا ذکر ہے۔ ایسے حضرات قابل شمار نہیں ہوسکتے جن کا اصلی مقصد کسی خاص عہدہ پر پہنچنا، کسی خاص چمکتے ہوئے خطاب کا حاصل کرنا، یا کوئی خاص عظیم الشان نفسانیت ہو، اور محض اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ مجبور ہوں کہ کچھ عرصہ تک قومی کاموں میں سرگرمی ظاہر کریں، جو در اصل اُن کی ذاتی خواہش کے بام کامیابی پر سیڑھی کا کام دے سکے! معاف فرمائیگا، ایسے حضرات کا منتہائے خیال

جو کچھ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے! "ایسے بھیڑ کی کھال اوڑھنے والے بھیڑیے" کافی وقت تک قوم کی رہنمائی میں دھوکہ دے چکے، اب قوم کو ان کی ضرورت نہیں اور وہ صاف پہچان لیے جاتے ہیں! وہ زمانہ ہُوا ہوگیا، جبکہ نائب تحصیلداری سے لیکر ڈپٹی کلکٹری تک اور منصفی سے لیکر ججی تک ہر عہدہ پر مامور ہونے والا اولڈ بوائے اپنے آپ کو ایوان ترقی کا ایک عالی شان ستون سمجھنے لگتا تھا! اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اور سب بھی اُسے ایسا ہی سمجھیں! اب زمانہ صاف دکھا رہا ہے کہ اولڈ بوائز- زیادہ تر ہر قومی امداد سے ایسی دیدہ دلیری کے ساتھ پہلوتہی کرتے ہیں، کہ باید وشاید! میں ایک دفعہ کالج ڈیپوٹیشن میں اور کئی مرتبہ کانفرنس کے لئے مختلف جگہ گشت لگاچکا ہوں۔ مسلم یونیورسٹی کے چندہ کو بھی بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے، میں آپ کو نام بنام بتا سکتا ہوں کہ کہاں کہاں اور کس کس موقع پر اولڈ بوائز نے کنارہ کشی کی ہے! چندہ دینے کے موقع پر ایک عام عذر تو خرچ کی زیادتی ہے جو ہر اولڈ بوائے کی زبان پر رہتا ہے! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس خرچ کی زیادتی کی وجہ سوائے فیشن ایبل سوٹوں، اور مغربیت کی فضول خرچیوں کے اور کوئی بھی ہوسکتی ہے؟ ذرا تو غور کیجئے، یہ اندھی تقلید ہے؟ یا نہیں! آخر ان فضولیات اور صاحبیت کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ ترقی کے لیے ناقابل ترک چیزیں ہیں، یا قومیت کی علامت ہیں؟ آخر کچھ تو بتائیے، کہ یہ ہیں کیا؟ اور آپ نے ان کو کیوں اختیار کیا؟ وہ کونسا اصول ہے جسکی وجہ سے آپ اندھی تقلید پر مجبور ہیں؟ کچھ نہیں، محض فیشن، خودنمائی، خودپسندی، نفسانیت، اور تقلید! کیا ان ہی باتوں سے آپ ترقی کریں گے؟ کیا زمانہ نے آپ کو اب تک صحیح راستہ نہیں دکھایا....؟"

"مگر معاف فرمائیگا۔ میں اسوقت تک یہ نہیں سمجھا کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟ کیا آپ علی گڈھ کالج کو دقیانوسی مکتب بنانا چاہتے ہیں، اور طلباء کو مسجد کے مُلّا نے؟"

"یہ آپ نے کیا فرمایا؟ آپ کے ان الفاظ سے اور زیادہ سوا اسکے کہ آپ کی اصلی

طبیعت کا اندازہ ہوگیا اور کچھ نہیں! موجودہ طلبار کے مقابلہ میں آپ حضرات کے خیال کسقدر اوچھے اور سطحی ہیں، آپ ناراض نہ ہوں۔ میں پھر کہونگا کہ ان الفاظ سے اور زیادہ میرے دعوے کو ثبوت مل گیا، آپ لوگوں کی طبیعت میں مغربیت سرایت کر گئی ہے، آپ نہ اپنے خیالات کو تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ آپ سے کسی بات کی اُمید کی جاسکتی ہے! دقیانوسی کتب کو تو چولھے میں ڈالیے، میں آپ سے ہی پوچھتا ہوں، کہ آپ مادی ترقی کو ترقی سمجھتے ہیں یا سطحی نمایش کو؟ آپ نے شاید سُنا ہوگا کہ بنارس کالج کے کئی پروفیسر جن میں سوا ایک ولایت کی تعلیم یافتہ ہیں، کس طرح رہتے ہیں، وہاں کے طلبار کا رجحان طبع کس طرف ہے، اور یہ لایق پروفیسر کسقدر قلیل تنخواہ پر قوم کو فائدہ پہنچا رہے ہیں؟ کیا کوئی ایسی ہی ایثار نفس کی مثال آپ اپنے کالج میں پیش کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کو حب وطن اور حب قوم اُسی قدر ہے جسقدر کہ وہاں کے تعلیمیافتہ حضرات میں ہوتا ہے؟ معاف فرمائیے گا آپ سکریفائس (Sacrifice) سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، آپ اپنے تمدن، اور اپنی تہذیب سے متنفر ہیں، کیا اسی بوتے پر آپ ترقی کا دعوےٰ کرتے ہیں؟ آپ خود غور کیجیے، کہ ترقی کی مستحق وہ قوم ہے یا آپ؟ مذہب کی پیروی کو آپ لغو سمجھتے ہیں، پُرانے تمدن کو آپ بیہودہ جانتے ہیں، ہمدردی اور ایثار نفس کے جوش کو آپ بار برزم (Barbarism) کا لقب دیتے ہیں، پُرجوش مسلمان کو آپ فینٹک (Fanatic) کے نام سے یاد فرماتے ہیں میری سمجھ میں مطلق نہیں آتا کہ آپ کا نقطۂ خیال کیا ہے! فضول توہمات زیر بحث نہیں حقیقی اسلام کو بھی آپ ایک معمولی چیز۔ قابل ردّ و بدل چیز، میز پر کھانے کے وقت مضحکہ اُڑانیکے قابل چیز، سمجھتے ہیں: پھر آپ برائے نام مسلمان رہکر اسلام کو کیوں بدنام کرتے ہیں؟ ایسی چیز کو جو ضروریات زمانہ کے لیے، خصوصاً آپ کی تہذیب یافتہ ضروریات کے لیے، قطعی موزوں نہیں، آپ کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ جنابمن، اگر آپ نے قومیت، اور مذہب سے آزاد ہوکر ترقی کی تو وہ ہماری ترقی نہیں کہی جاسکتی!"

"آپ کی ترقی غالباً وہ ہوگی جبکہ ہم اچھا کھانا چھوڑ دیں، اچھا پہننا چھوڑ دیں، مغربی تعلیم سے کنارہ کرلیں، اور وہی آج سے ایک صدی پہلے کے جہلا کی طرح ہوجائیں؛ کیوں یہی ہے نا؟ افسوس یہہ ہے کہ آپ کو یہ خیال نہیں رہا کہ یہہ کالج بنانے والے نے کس کے نمونہ پر بنایا تھا اور اس سے اُسکا کیا مقصد تھا؟"

پھر دیکھئے آپ کے جواب سے وہی اوچھاپن اور تقلید کا جوش صاف ٹپکا پڑتا ہے! یہہ آپ نے کہاں سے مطلب نکالا کہ میں تعلیم کے خلاف ہوں! ایک نہ شد دو شد۔ عزیز بھائی میں مسلمان ہوں اور کبھی ہرگز اُس چیز کے خلاف نہیں ہوسکتا جس کو اسلام نے عورت و مرد سب کے لئے فرض بتایا ہو! مذہب اسلام زنّار یا صلیب کا محتاج نہیں! وہ کسی ظاہری چیز سے گھٹ بڑھ نہیں سکتا! نہ وہ کسی لباس کے خلاف ہے! وہ "درویش صفت باش و کلاہ تتری دار" کا حکم دیتا ہے؛ وہ آپ کو ملکی معاملات میں اعلیٰ درجہ کا مُدبّر، قومی معاملات میں سچّا ہمدرد، خانگی معاملات میں سلیقہ شعار منتظم، مسجد میں پکّا نمازی، اور میدان جنگ میں پرجوش شہید یا غازی، دیکھنا چاہتا ہے! وہ آپ کے دل کو سچّا مسلمان بنانا چاہتا ہے اور یہ ہی وہ بات ہے جس کو آپ ناقابل برداشت چیز سمجھتے ہیں! اس کے ماننے سے غالباً آپ بھی انکار نہیں کرسکتے۔ کہ جبتک آپ کے خیالات بلکہ مقاصدِ زندگی کے لئے کوئی محدود دائرہ ہے۔ کتنا ہی وسیع سہی لیکن اسکے حدود ہیں۔ اُسوقت تک اُس کے تمام افعال اور اقوال اُس دائرہ کے مرکز سے ہی پیدا ہونگے، اُس میں قوت، اُس میں جرأت، اس میں طاقت سب ہی کچھ ہوگی؛ لیکن جب اسکے خیالات غیر محدود ہوگئے۔ ان کیلئے کوئی مرکز نہیں رہا۔ تو اس کی تمام طاقت اور قوت فوراً جاتی رہی! جب تک آپ سچے مسلمان تھے؛ آپ اسلام کی ٹانگوں پر کھڑے ہوتے تھے اور اُسی کے

بل پر ترقی کی راہ میں قدم زن تھے، لیکن جب آپ نے فی الحقیقت اسلام کو چھوڑ دیا۔ نہ مسلمان رہے نہ عیسائی رہے نہ ہندو رہے، غرض کچھ بھی نہ رہے۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کونسی ٹانگوں پر کھڑے ہونگے اُس کے بل پر چلیں گے اور آپ کا مقصد زندگی کیا قرار پائیگا ؟ رہی یہ بات کہ سید علیہ الرحمۃ نے اس کالج کو کس کے نمونہ پر بنایا تھا، بالکل صاف ہے: آپ ضرور کہیں گے کہ کیمبرج کے نمونہ پر اور نئی روشنی کے اصولوں پر، میں اسکو تسلیم کرتا ہوں۔ مگر یہ تو فرمایئے کیا محض عالیشان عمارت بنا لینا، طلباء کو انگریزیت کا شیدا کر دینا ہی کیمبرج کے راستہ پر چلنا ہے ؟ میں کبھی ہرگز انگریزی لباس کو بائیکاٹ کرنا نہیں چاہتا، البتہ انگریزیت کو۔ یعنی سوٹ پہنکر ایک عجیب شان تبختر و ہمہ دانی پیدا ہو جانیکو سخت قابل نفرت سمجھتا ہوں انکسار، خلق، ہمدردی، ایثار نفس، غرض تمام اعلیٰ جذبات پر اس صاحبیت نے چھری پھیر دی ہے! صاحب جس وقت اپنے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالکر ٹہلتا ہے تو بیچارہ ہندوستانی لباس پہننے والا نیٹو اسکی نگاہ میں نہایت چھوٹی چیز۔ ناقابل توجہ چیز۔ نظر آتا ہے۔ کیا کیمبرج اسی کو کہتے ہیں ؟ جناب من کیمبرج کی سی قومیت، حب وطن، اور اپنے تمدن پر جان دینا، اگر ہم میں، پیدا ہو جائے تو ہمارے بھلے دن ہی نہ آجائیں! مگر اسکے کہنے میں مجھے ذرا بھی، توقف نہیں کہ جو راہ آج سے دو سال پیشتر تک یہاں کے طلباء نے اختیار کی تھی وہ کبھی ہرگز ہمارے مقصد اصلی کے دروازہ تک ہمیں نہیں پہنچا سکتی!"

"وہاں اگر وہ تقلید ایسی ہی ہو جیسی کہ آپ اپنی قوت گویائی سے اُسے ثابت کرنا چاہتے ہیں"۔

میں ثابت کرنا چاہتا ہوں! واہ! یہ کیوں نہیں فرماتے کہ آپ لوگ اُس بجہ

عامل ہو کر خود اسکی زندہ مثال موجود ہیں"۔

"آپ کی نظروں میں ہونگے! میں کبھی ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ کوئی علیگ ایسی لغو اور پوچ صاحبیت کا عامل ہو"۔

"حالانکہ میں آپ کے سامنے ایک چھوڑ ہزار زندہ مثالیں اسی وقت پیش کر سکتا ہوں! ہاں! اُن صاحب ہی کو لیجئے جن پر اسوقت یہ ذکر چلا تھا۔ آپکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ جن حضرت نے چندوسی کے پلیٹ فارم پر اس قدر دیر تک گفتگو کی وہ علیگڈھ کے اسٹیشن پر از سرتا پا ایک نئی چیز تھے! وہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن میں جارہے تھے اور میں بھی کالج واپس جارہا تھا اسلئے میں اور وہ ایک ہی ٹرین میں تھے۔ علیگڈھ پہنچتے ہی میں فوراً اپنی گاڑی سے اُترا اور سیدھا ان کے درجہ پر پہنچا محض اس خیال سے کہ انکا اسباب وغیرہ اپنے سامنے گاڑی پر رکھوا دوں اور حتی الامکان انکو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔ یقین کیجئے جو حضرت وہاں اُس گاڑی میں سے نکلے وہ میری نظر میں کبھی ہرگز وہ نہیں تھے جنکو میں نے چندوسی جنکشن پر دیکھا! اب وہ سرکی ہیٹ سے لیکر پانوں کے بوٹ تک صاحب تھے! ایک اعلیٰ درجہ کا فراک سوٹ پہنے ہوئے نہایت بے پروائی کے ساتھ اُترے اور عجیب تحکمانہ انداز کے ساتھ کھڑے ہوگئے! کالج کے طلباء اولڈ بوائز کو لینے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی سے بات نہیں کی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ میں نے خود اُن سے پوچھا کہ آپ کا اسباب کہاں جائیگا؟" مگر انھوں نے جواب دینا تو درکنار میری طرف رُخ بھی نہیں کیا! اوّل تو انکا راستہ میں سر سے پیر تک کیچلی اُتار پھینکنا، پھر اس پر یہ شان تکبر۔۔۔۔"

"معاف کیجئے ہر چیز کا بُرا رُخ دیکھنا چاہتے ہیں! ہر بات کو نفرت اور اعتراض کے نقطۂ خیال سے جانچ رہے ہیں! ممکن ہے کہ انھوں نے آپ کا سوال نہ سنا ہو!

اس درجہ رُکھائی۔ بلکہ بدتہذیبی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی تعلیم یافتہ سے صادر ہو سکتی ہے !"

"آپ کے سمجھ میں نہ آیا، نہ آسکتا ہے، نہ آئیگا: لیکن واقعہ ہے امیر حمزہ کی داستان یا گلیورز ٹریول (   ) نہیں! خیر اس جواب نہ دینے پر تو آپ نے ثقل سماعت کی توجیہ کر لی، لیکن آیندہ جو حرکت میں بیان کرنیوالا ہوں۔ مجھے دیکھنا ہے۔ کہ اس پر روغنِ تاویل کیونکر ملتے ہیں۔ اور کیونکر مجھ پر لعن لگانے کی کوشش کرتے ہیں؟ غالباً اس واقعہ کو تو سرے سے قابل تسلیم ہی نہیں سمجھیں گے اور جہانتک ہو سکے گا نہایت اچھے الفاظ میں مجھے جھوٹا ثابت کرنا چاہیں گے، لیکن پہلے میں آپ سے عرض کئے دیتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں بقسم سچ کہہ رہا ہوں۔ اگر اسپر بھی آپ نے یقین نہ کیا اور مجھے دروغ گو اور لغو سمجھا تو آپ ایک اہم اخلاقی گناہ کے مرتکب ہونگے! مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ اس اسٹیشن والے واقعہ کے دوسرے روز صبح کے ۹ بجے وہ بگی بارک کے کمرے نمبر..... سے۔ جسمیں وہ ٹھہرے تھے۔ ایک بیش قیمت سوٹ اڑائے ہوئے نہایت شان کے ساتھ بچے تلے قدم رکھتے اسٹریچی ہال کیطرف جارہے تھے! میں بھی بدقسمتی سے اپنے کمرے سے اسی طرف جا رہا تھا، میں ان سے کچھ قدم آگے بڑھا اور سب سے زیادہ حقارت آمیز بات مجھ میں یہ تھی کہ محض ٹرکی کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ صاحب کو کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت تھی۔ ہاں یہ اور سن لیجئے کہ پہلے روز یہ اتفاق کئی دفعہ ہو چکا تھا کہ میں صاحب کے سامنے سے برابر سے نکلا لیکن انھوں نے کبھی بھول کر میری طرف دیکھا بھی نہیں۔ اسوقت شاید صاحب کو ضرورت تھی لہذا مجھ سے کچھ دریافت کرنا عیب نہ معلوم ہوا۔ میں چونکہ کچھ قدم آگے تھا اسلئے مجھے اپنی طرف مخاطب کرنیکے لئے انھیں پکارنے کی

ضرورت تھی! اُنکے پکارنے کی شان: انداز - تحکمانہ، لہجہ - تکبر آمیز، آواز - نہایت انگریز: ان چیزوں کو نہ میں بیان کرسکتا ہوں اور نہ - جہانتک میرا خیال ہے - بیان کرنے پر بھی آپ سمجھ سکتے ہیں، لہذا ان کو تو چھوڑیئے، محض وہ الفاظ سنئے جن سے اُنھوں نے مجھے پکارا: ایک ناقابل بیان صاحبیت کے رنگ میں اُنھوں نے "اِسے اُ - اُو اِ!" فرمایا! میں نے بھی واقعی ترکی کا جواب ترکی میں ہی دیا: سیدھا بغیر پلٹ کر دیکھے ہوئے نہایت بے پروائی کے ساتھ سیٹی بجاتا ہوا چلا گیا! اب آپ ہی بتا دیجئے کہ یہ صاحبیت اور انگریزیت - وہی جسکی میں پوری طرح تعریف کر چکا ہوں - نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کیا یہ ہی اخوت، برادرانہ محبت، اور ترقی کی علامات ہیں ......"

آفت سماوی کی طرح سمجھئے، یا بلائے ناگہانی کی طرح کہئے، غرض راوی یہ فقرہ ختم کرہی چکا تھا کہ ایک چپراسی دوڑتا ہوا اور یہ سُناکر کہ کمشنر صاحب بلاتے ہیں، شروع کر دیا - تمام گفتگو کو غارت کر گیا! یہاں اور بتا دینا ضروری ہے کہ راقم الحروف اور راوی سے یہ گفتگو کمشنر صاحب کے بنگلے پر بریلی میں آئی تھی جبکہ راقم الحروف اور راوی دونوں ڈبل روٹی کی فکر میں صاحب کمشنر کے سامنے حاضر ہوئے تھے!

اس واقعہ کے جھوٹ کا عذاب، یا سچ کا ثواب - جو کچھ بھی ہو - راوی کی گردن پر ہے! راقم الحروف کی ذاتی رائے یا من گھڑت کو اس میں دخل نہیں! عبارت کا طول یا الفاظ کا تبدل - اُس حد تک کہ اصل واقعہ میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے - قابل معافی ہے! اس واقعہ کی نسبت کوئی رائے زنی کرنے سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے حضرات کیلئے چھوڑ دیا جائے - ہاں اسکے اقرار کرنے کے لئے میں بلا حجت تیار ہوں کہ انتظار کا وقت نہایت لطف کے ساتھ کٹ گیا!!

سلطان حیدر

سالانہ جلسہ و ڈنر کے حالات

امسال ۲۱ و ۲۲ مارچ سالانہ جلسہ و ڈنر کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ تاریخ کے تعین اور جلسہ کے انتظام میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آئیں۔ اول تو ایسٹر کی تعطیل قبل سال تمام (یعنی ۱۴ مارچ سے پہلے) پیش آگئی۔ دوسرے مسلم لیگ نے اپنے سالانہ ملتوی شدہ جلسہ کے لئے بھی یہی وقت مقرر کیا تھا۔ انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہمیشہ اس زمانہ میں ہوتا ہے، یونیورسٹی اور خود ہمارے اسکول و کالج کے امتحانات درپیش تھے اور مصیبت تھی کہ ہولی بھی اس زمانہ میں تھی۔ اور ان سب پرطرہ یونیورسٹی کمیٹی کی ضروری میٹنگ ۲۲ مارچ کو ہونے والی تھی۔ ہولی کی وجہ سے ہمارے ہندو اولڈ بوائے بھائی مجبوراً شریک نہو سکتے تھے۔

اولڈ بوائز مہمانوں کے قیام کے انتظام میں بھی دشواری تھی۔ کیونکہ طلبا امتحانوں کی تیاری میں لگے تھے اور اپنے بڑے بھائیوں کی خاطر تواضع ہارج ہوتی۔ مصیبت یہ تھی کہ ۲۱ کو اگر ڈنر کرتے تھے تو بوجہ گڈ فرائیڈے، پرنسپل صاحب اور دیگر عیسائی پروفیسران شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر ۲۲ کو رکھتے تھے تو آنریری سکرٹری صاحب، مسٹر محمد علی اور دیگر حضرات شریک نہو سکتے تھے کیونکہ اُن کو لکھنؤ جانا تھا۔ مجبوراً ۲۱ ہی کو ڈنر کیا گیا۔ کیونکہ وہ آنریری سکرٹری صاحب کا پہلا ہی ڈنر تھا اور اُن کو اشتیاق تھا۔ اسٹریچی ہال ڈنر کے لئے چھوٹا ہی نہ تھا بلکہ امتحان کے لئے اُس میں جگہ مقرر تھی اور اس کو تتر بتر کرنا بڑی زحمت تھا۔

باوجود ان دشواریوں کے سالانہ جلسہ اور ڈنر نہایت درجہ کامیاب رہا اس قدر اولڈ بوائز پہلے کسی ڈنر میں شریک نہیں ہوئے تھے، یہ سب دشواریاں

تھوتیں تو قریباً ۰۰ ۱ اولڈ بوائز جمع ہوتے ۔ چونکہ بورڈنگ ہاؤس میں قیام کا
خیال ملتوی کر دیا گیا تھا اس لئے اسکول میں انتظام کیا گیا تھا اور اس کے
گرد نہایت خوبصورت کیمپ تیار کیا گیا تھا۔ مسٹر پروس صاحب ہیڈ ماسٹر نے
ہر طرح کی مدد فرمائی ۔ کمروں میں باقاعدہ پلنگ اور دیگر سامان درست کر دیا گیا
تھا، ایک بڑا کمرہ تصویروں، قالینوں اور گملوں سے خوبصورت دُلہن بناکر بیٹھنے
کے لئے آراستہ کر دیا تھا جہاں فرصت کے وقت مجمع رہتا تھا۔ ایک بڑا شاندار
شامیانہ جو ہمارے ایک مفرور بڑے بھائی یعنی مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی
صاحب نے بھیجا تھا کھانے کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں
صاحب بوجہ ٹرسٹی ہونے کے ابتک تو ہمارے مخدوم و مکرم تھے مگر اب اُن کا
درجہ ترقی کر کے "بُرادر معظم" کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے ۔ اگر ہم سے چھوٹے بھائی اور
اُن سے بڑے بھائی زندہ رہے تو انشاءاللہ! ہماری ایسوسی ایشن مالامال
ہو جائیگی ۔ سب پُرانا برسوں کا بقایا وصول کرنا ہے ۔ کھانے کے خیمہ کے گرد
عمدہ اور خوبصورت ڈیرے سلیقہ کے ساتھ لگے تھے جو مسٹر عام مصطفےٰ خاں اور
نواب احمد سعید خانصاحب اولڈ بوائز نے بھیجے تھے ۔ نواب فضل اللہ خانصاحب
کے ڈیرے تو گویا ہم سب کے لئے وقف تھے ۔ کیمپ میں فقط چاء اور ناشتہ وغیرہ
کا انتظام تھا اور واقعی خوب انتظام تھا۔ اس بات کا سب کو یقین ہو گیا تھا کہ تمکنت
اور سرفراز دونوں ڈنر کا انتظام کر رہے ہیں اور کچھ ہو یا نہو مگر ٹھاٹھ ضرور ہوگا۔
واقعی ٹھاٹھ بڑے زور کا تھا۔ دس ہوشیار خدمتگار خاص طور پر رکھ لئے گئے تھے
جو علاوہ صاف کپڑوں کے "کالج کلر" کی سبز، سُرخ اور سفید پٹیاں کمر اور پگڑی پر
لگائے تھے ۔ ہر انتظام نہایت خوش سلیقگی سے کیا گیا تھا، کیمپ کی سجاوٹ اور
انتظام کا کام مسٹر قایم حسین کے سپرد تھا۔ اُنھوں نے اس فراخدلی سے کام کیا

تھا کہ اگر اولڈ بوائز کی ایک فوج باہر سے آجاتی تو اس کا انتظام ہو جاتا۔ چاء و ناشتہ کا انتظام مسٹر خواجہ باقر حسین صاحب کے ذمہ تھا؛ جو آجکل ڈائننگ ہال کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ انڈوں کے ڈھیر تھے اور ڈیری کے مکھن کی تو کچھ پوچھو ہی نہیں۔ ہمارے چھوٹے بھائی مسٹر خیرات علی کے سپرد مہمانوں کی خاطر و مدارات تھی۔ "اسپانڈ ڈاگ سگار" اور "کالج کے معرکہ کے سگرٹ" پلانے میں وہ بڑے دلیر تھے۔ رات ہو یا دن کوئی وقت ہو خیرات علی کا نام لیا کہ وہ حضرت مع سگار و سگرٹ موجود تھے۔ دل سے اسکے لئے دعا نکلتی ہے۔ جب تک علیگڈھ سے مسٹر خیرات علی ب محنتی منتظم اور خوش سلیقہ نوجوان تیار ہوتے رہینگے دنیا اور حاسدین ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ کھانا ڈائننگ ہال میں ہوتا تھا۔ کیمپ کی روشنی کے لئے کچھ گیس لیمپ لگے تھے جس سے چاندنی رات کا لطف دوبالا ہو گیا تھا۔ مسٹر قایم حسین کو افسوس ہی رہا کہ کمرے خالی رہے۔

اولڈ بوائز ڈنر کا انتظام کرکٹ لان پر کیا گیا تھا۔ وہاں کا سماں مشکل سے کاغذ پر ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر عبدالصادق خاں مسٹر ضیاءالحسن علوی اور دیگر طلباء کی کوشش سے سارا لان ایک گلدستہ بنا تھا۔ کالج کے تمام پام اور گملے وہاں موجود تھے۔ چاروں طرف سیکڑوں خوبصورت کاغذ کی چینی قندیلیں لطف کو اور دوبالا کر رہی تھیں اور ان سب سے بڑھ کر خدا کا بنایا ہوا آسمان والا لیمپ اپنی روشنی سے عجیب خوبصورتی پیدا کرتا تھا۔ خوبصورت پام اور گملوں سے لان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ ایک طرف تیرہ سو مہمانوں کے لئے کھانے کی میزیں لگی تھیں، ہر میز کی سفید چادر پر خوبصورت سبز سرخ اور سفید رنگی ہوئی ململ سے کالج کا کلر بنا ہوا تھا۔ بڑی میز پر کالج کے سب جیتے ہوئے کپ اور شیلڈ وغیرہ تھے جو رات کو رنگین کپڑے پر بڑی خوبصورتی سے چمک رہی تھیں۔ تقریباً

پچاس نوکر کالج کا کلر لگائے ہوئے کھانے کے انتظام میں سرگرم تھے۔ دوسرے حصے میں سبز گھانس پر خوبصورت قالینوں کا فرش تھا۔ اُس پر آرام کرسیاں سوفے، پام اور گملے لگا کر ایک خوبصورت اور وسیع ڈرائنگ روم تیار کر دیا گیا تھا جہاں کھانے سے قبل اولڈ بوائز اور اُن کے مہمان آرام اور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے۔ واقعی "ٹھاٹھ" تھا مگر خوش سلیقگی اور نفاست مذاق کے ساتھ۔ کوئی چیز آنکھ اور دل کو بُری لگنے والی نہ تھی۔

ڈنر کا حال ہم بعد کو مناسب وقت پر دیں گے۔ یہاں مہمانوں کا ذکر مناسب خیال کرتے ہیں۔ ۲۰ کی صبح کو سب سے اوّل جو مہمان آیا وہ مسٹر سید علی حسن بلگرامی تھے جو چار دن کا سفر کر کے پربھنی علاقہ حیدرآباد دکن سے آئے تھے۔ سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت سے پُرانے دوستوں نے دل بھر کر گلے لگایا اور گانے کی فرمایش کی جو پوری ہوئی۔ اس کے بعد تو آموں کی طرح ٹپکنا شروع ہو گئے۔ ۲۰ کی رات اور ۲۱ کی صبح کو تو بھرمار تھی۔ پنجاب سے مسٹر احسان الحق کا آنا ایک ضروری امر تھا۔ اُن کے ساتھ مسٹر سکندر حیات خاں، مسٹر آغا صفدر خاں (وہ) اور مسٹر شفیع بھی موجود تھے۔ مسٹر سعید محمد خاں حسب معمول مع ریوالور اور اردلی کے آئے تھے۔ میرٹھ کی کیمپ کا خدا بھلا کرے کبھی ناغہ نہیں ہوتا، اُن کا نمبر سب سے اوّل ہے۔ مسٹر عبدالوہاب زبیری "کاؤ بچی کمپنی" اس کمپنی کے منیجر تھے۔ اور واقعی بڑی شان کی کمپنی تھی۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین، مسٹر محمد اسمٰعیل خاں، مسٹر اسلام احمد خاں، مسٹر سید حامد علی، مسٹر آصف الزماں، مسٹر سلام الدین، مسٹر عابد حسین (کنور صاحب)، مسٹر حامد حسین (کیٹ)، مسٹر عبد الحمید (ڈھینڈس)، مسٹر علاء الدین (شب چراغ) جن کی گہرافشانی نے ساری مجلس کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اور سب سے آخر مگر سب سے بالا "بدنصیب" مسٹر مسعود حسین

کمبوہ (ٹامی) تھے۔ اگر کسی ڈنر میں ٹامی نہ ہو تو گویا وہ ڈنر ادھورا ہو گا۔ پرانے آنے والوں میں مُراد آباد اب کی غیر حاضر تھا۔ صرف مسٹر مصطفےٰ احسین رضوی آئے تھے اور اُن کا نہ آنا غیر ممکن تھا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ مرادآباد والے اب بڑے لوگ ہو گئے ہیں۔ کوئی "آنریبل" ہے اور کوئی "اُردو ٹرسٹی" مسٹر رضا علی اور مسٹر محمد یعقوب قابل سزا تھے مگر نہیں مسٹر یعقوب "قوم" ایک خاص تقریب کی وجہ سے قابل معافی ہیں۔ مسٹر محمد احمد انصاری نے جو وجوہات مراد آباد سے نہ آنے والوں کے لکھے ہیں اور جو محبت کا بھرا ہوا خط اُنھوں نے معذرت میں لکھا ہے وہ ناظرین اگلے پرچہ میں پڑھیں گے۔ اگر وہ وعدہ کریں کہ ہمیشہ ایسا ہی معذرت کا خط اُردو میں لکھیں گے تو ہم اُن کی غیر حاضری آیندہ سال کے لئے بھی معاف کر دینگے۔ رامپور سے صرف مسٹر خورشید علی اور مسٹر فصیح اللہ خاں آئے تھے۔ بدایوں سے صرف ایک بہت پُرانے اولڈ بوائے مسٹر وہاب الدین صاحب تشریف لائے۔ دہلی سے مسٹر محمد علی، مسٹر آر ایم غلام حسین، مسٹر ذکر الرحمن اور مسٹر عبدالحمید خاں آئے۔ علیگڈھ کا پورہ مجمع تھا۔ ٹونک سے مسٹر محمد عمر اور مسٹر عبدالسلام آئے اور عبدالسلام اپنے ہمراہ ایک "بارہ بجے شب والی" نظم بھی لائے تھے۔ مسٹر محمد مثنیٰ جالون سے، مسٹر محمد وجیہہ رڑکی سے، مسٹر عبدالوحید خاں و مسٹر عبدالغفار خاں پٹیالہ سے آئے۔ غرض بڑا مجمع تھا۔ افسوس بوجہ مجبوری مسٹر سید راس مسعود، مسٹر سید علی حسن اور مسٹر ظفر عمر اور اور بہت سے اولڈ بوائز نہ آسکے۔

۲۱ کی صبح کو اوّل اجلاس یونین کے حامد ہال میں ہوا۔ تمام موجودہ اولڈ بوائز نے کالج کے مانوگرام والے کاغذ پر دستخط کئے تاکہ "وزیٹرس بک" میں چسپاں کئے جا سکیں اور ہمیشہ کے لئے ایک دلچسپ یادگار رہے۔ مسٹر احسان الحق کی تحریک اور مسٹر عامر مصطفےٰ خاں کی تائید اور جملہ حاضرین کے اتفاق رائے سے

آنریبل خواجہ غلام ثقلین صاحب جلسہ کے پریسیڈنٹ منتخب ہوئے مسٹر شوکت علی آنریری سکرٹری نے صدر جلسہ کی اجازت سے سالانہ رپورٹ پڑھکر سنائی۔ اور ممبر صاحبان سے درخواست کی کہ وہ اس پر تنقید فرمائیں اور ایسوسی ایشن کی ترقی کی نسبت مناسب ہدایتیں فرمائیں۔ مسٹر سید سجاد حیدر نے اعتراض کیا کہ آئندہ ایسوسی ایشن کے کاغذات ہرگز لیتھوگراف میں نہ چھپیں بلکہ ٹائپ میں چھپا کریں۔ مسٹر شیخ عبداللہ صاحب نے مسٹر شوکت علی آنریری سکرٹری کے خدمات کا اعتراف کیا اور یہہ کہا کہ اُن کے علیگڈھ آجانے سے اولڈ بوائز کی محبت اور اتفاق میں بڑا اضافہ ہوا ہے اور آیندہ کے لئے پارٹیاں نیست و نابود ہوجائیں گی اور کالج کے عمارات اور ڈائننگ ہال کے ٹھیکوں کی نسبت فرمایا کہ یہہ مسئلہ غور طلب ہے اور اولڈ بوائز کو مناپلی نہ ملنا چاہیئے۔ آنریری سکرٹری نے تفصیل کردی کہ ایسوسی ایشن کا مقصد روپیہ کمانا نہ تھا بلکہ کالج اور اولڈ بوائز کی بہبودی مدنظر تھی۔ وہ جو کام کرینگے اور ٹھیکہ داروں سے انشاء اللہ ارزاں نرخ سے کریں گے۔

مسٹر محمد مصطفےٰ صاحب نے تغلب سالِ ۱۹۱۰ء کے متعلق سوال کیا۔ مسٹر سرفراز خاں جائنٹ سکرٹری نے مفصل حال بیان کیا اور یہہ بھی کہ اب ایسا طریقہ عمل میں لایا جاتا ہے جس سے غبن ناممکن ہے۔ پہلے روزانہ حساب نہ تھا، اب باقاعدہ دفتر رجسٹرار اور ایسوسی ایشن سے روزانہ حساب کا سلسلہ جاری ہے۔ مسٹر محمد مصطفےٰ نے ٹکٹ وغیرہ کی خریداران کے حساب کی بابت دریافت کیا، جائنٹ سکرٹری صاحب نے موجودہ دستور العمل بتایا۔ مسٹر تصدق احمد خاں نے اعتراض کیا کہ اگر چیک بہ الفاظ اور ہند سے لکھے جاتے تھے تو رجسٹرار صاحب کالج نے کیوں اس غلطی کی گرفت نہ کی۔ مسٹر شیخ عبداللہ صاحب نے اس زمانہ کا طریقہ چیک کے اجراء کا بیان کیا

بیان فرمایا اور وہی جواب برتا جاتا ہے۔ رجسٹرار کالج اسوقت کچھ نہیں کرسکتا تھا
خان بہادر عبدالمجید خاں صاحب نے فرمایا کہ سکرٹری صاحب کی تجویزوں کے متعلق سب کمیٹیاں قایم کی جائیں۔
مسٹر مسعود حسین صاحب نے سوال کیا کہ تغلب کے بعد آڈٹ کیا گیا تھا یا نہیں اور اگر کیا گیا تھا تو کس نے کیا تھا؟ شیخ عبداللہ صاحب نے جواب دیا کہ انھوں نے آڈٹ کیا تھا۔ مسٹر محمد علی نے سوال کیا کہ آیندہ آڈٹ کا انتظام کیا گیا ہے یا نہیں؟ مسٹر شوکت علی نے جواب دیا کہ نئے قواعد کی روسے ہر سال کیا جائیگا۔ جو غبن ۱۹۱۱ء میں ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دفتر کا کوئی دستورالعمل نہیں تھا اور نہ کوئی دفتر تھا۔ اب غبن ناممکن ہے۔ آیندہ حساب کا آڈٹ اولڈ بوائز آڈیٹر کیا کرینگے۔
آخر میں آنریبل مسٹر غلام الثقلین صاحب صدر جلسہ نے سب ممبران موجودہ کی طرف سے آنریری سکرٹری اور جائنٹ سکرٹری کے خدمات کا اعتراف کرکے شکریہ ادا کیا۔ آمدنی کے اضافہ، ممبروں کی تعداد میں ترقی اور جدید مفید شعبوں کے قایم ہونے کی تعریف فرمائی۔ پراویڈنٹ فنڈ اور متوفی اولڈ بوائز کی اولاد کی تعلیم کا مسئلہ خاص توجہ کے قابل تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک بڑی تعداد وی پی کی واپس آتی ہے جس میں فضول ممبروں اور ایسوسی ایشن کا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ ہماری تھوڑی توجہ سے اس فضول خرچ اور تضیع اوقات میں کمی آجائیگی۔ اولڈ بوائز کے بچوں کی نگرانی سے جو ہمارے اسکول میں پڑھتے ہیں ایسوسی ایشن کی ہردلعزیزی بہت بڑھ جائے گی۔ کالج کے سالانہ بجٹ میں کمی کا ذکر فرمایا اور کہا کہ ہم اولڈ بوائز کو اب کمر ہمت باندھ لینا چاہیئے اور کالج کو اپنی شان اور اس کی ضروریات مطابق مدد کرنا چاہیئے۔ آخر میں فرمایا کہ مسٹر شوکت علی کو واقعی جو سچی محبت اولڈ بوائز اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے ہے اور جو خدمتیں وہ اسکی کرتے

رہے ہیں اس کو دیکھ کر اُن کو ہمیشہ اُن پر رشک آتا ہے۔

مسٹر سجاد حیدر پانچ سال کے لئے اور مسٹر محمد فایق ایک سال کے لئے منجانب الیوسی ایشن ٹرسٹی مقرر ہوئے۔ دونوں صاحبوں کو مبارکباد دی گئی۔ اُمید ہے کہ کالج کو اُن کے خدمات سے بہت فائدہ ہوگا۔

تیسرے پہر کے اجلاس میں حسب ذیل انتخابات ہوئے۔

۱۔ مسٹر سرفراز خاں۔ جائنٹ سکریٹری۔ ۳ سال کے لئے
۲۔ مسٹر سلطان بھائی لعلجی۔ پراونشل سکریٹری صوبہ بمبئی۔ " " "
۳۔ مسٹر صغیر علی صاحب بی اے۔ پراونشل سکریٹری سنٹرل انڈیا۔ " " "
۴۔ کپتان عظمت اللہ صاحب پراونشل سکریٹری حیدرآباد دکن۔ " " "
۵۔ مسٹر سعید محمد خاں۔ ممبر سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی۔ " " "
۶۔ خان بہادر عبد الحمید خاں صاحب " " " "

ممبری کمیٹی کیلئے مسٹر سجاد حیدر کا نام انتخاب کی غرض سے دوبارہ پیش ہوا تھا مگر اُنھوں نے اس کو واپس لے لیا۔ یہ سب اولڈ بوائز قابل ترین ممبروں میں سے ہیں اور انشاء اللہ یہ الیوسی ایشن کی بڑی خدمت کریں گے۔

آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب نے تحریک کی کہ یہ جلسہ مندرجۂ ذیل بھائیوں کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتا ہے اور اُن کے لئے دعاے مغفرت کرتا ہے :۔

سید ظہور حسنین صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس مرادآباد۔ سید محمد حسین صاحب رضوی مرحوم اجمیر۔ مسٹر امیر احمد بی اے مرحوم شاہجہانپور۔ مسٹر محمد قاسم لطیف مرحوم برادر مسٹر محمد ہاشم بی اے بدایوں۔ مسٹر آل نبی نقوی بی اے ڈپٹی کلکٹر کانپور۔ مسٹر سید نور الدین بی اے مرحوم برادر مسٹر زین الدین صاحب مسٹر شیخ آلہی بخش صاحب

مرحوم وکیل میکھانہ ضلع جھنگ۔

اور سکریٹری صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ پس ماندگان کو پیغام تعزیت بھیجیں اور اُن سے دریافت کریں کہ آیا اُن کو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہے یا نہیں۔

مسٹر محمد اسمٰعیل خاں لودی کی تجویز کہ ایسوسی ایشن بیکار اولڈ بوائز کو باکار بنانے کے لئے ایک امپلائمنٹ ایجنسی کھولی، بالاتفاق منظور ہوئی۔

مسٹر محمد اسمٰعیل خاں لودی کی دوسری مفید تجویز بھی منظور ہوئی جسکی رو سے جس ضلع یا مقام میں ۷ اولڈ بوائز ہوں وہاں ایسوسی ایشن کی ایک شاخ قایم کیجائے اور اولڈ بائز باری باری ہر مہینہ ایک دوسرے کے مکان پر مل کر اجلاس کیا کریں۔

مسٹر طفیل احمد صاحب کی تحریک امتیازی نشان کی نسبت بڑے مباحثہ کے بعد اس ترمیم کے ساتھ پاس ہوئی کہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ایک کم قیمت انگوٹھی یا بٹن یا تمغہ تیار کرے جس پر کالج کا نشان ہو۔ اور یہ چیزیں ممبران ایسوسی ایشن کے ہاتھ فروخت کیجائیں۔

مسٹر شوکت علی اور مسٹر سرفراز خاں کی تحریک پر کہ علاوہ پندرہ ہزار کی منظور شدہ رقم کے، دس ہزار روپیہ کی اور منظوری 'بشرط گنجایش فنڈ' اولڈ بوائز لاج کیلئے دیجائے، بہت دلچسپ مباحثہ ہوا۔ بالآخر یہ تحریک پاس ہوئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ علاوہ معمولی اخراجات کے ادا کرنے کے، وہ وظایف وغیرہ بھی دیئے جائیں جو گذشتہ سالوں میں منظور ہو چکے ہیں۔ مگر دیئے نہیں گئے ہیں۔

خان بہادر عبدالحمید خاں صاحب کی تحریک کہ سر تھیوڈور ماریسن کو ایسوسی ایشن کیطرف سے علیگڈھ میں مدعو کیا جائے اور ایڈریس پیش ہو، بالاتفاق منظور ہوئی۔

۲۲ کے اجلاس میں مسٹر شوکت علی کی پرانی تحریک جس کی رو سے سکرٹری یا جائنٹ سکرٹری دونوں میں سے ایک کا قیام بوقت ضرورت صدر مقام علیگڈھ سے باہر جائز ہوسکتا تھا بالآخر پاس ہوئی۔

بہت سے ممبر جو پہلے اس کے مخالف تھے اور اس کو غیر مفید سمجھتے تھے انھوں نے بھی اس کے موافق رائے دی۔ مسٹر شوکت علی نے نہایت جوش بھرے الفاظ میں یہ کہا کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اپنی ایسوسی ایشن کی آزادی یا اس کے مرتبہ میں کمی دیکھنا قبول کرے گا۔

اولڈ بوائز جو کالج و اسکول اسٹاف میں کام کرتے تھے ضرور قابل تھے مگر قانوناً ایسوسی ایشن کے افسر مقرر نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ قید کچھ زمانہ تک کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اس لئے اگر خدانخواستہ ہم میں سے ۲ یا ۴ اولڈ بوائز کبھی مجبوری کی وجہ سے ہٹ گئے، تو قانوناً ہم پابند تھے کہ چاہے کوئی اور مقامی اولڈ بوائے اس کام کے قابل ہو یا نہو مجبوراً اس کے ہاتھوں میں اپنی ایسوسی ایشن کا کام دیدیں۔ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ہم صدر مقام میں علاوہ ایک افسر کے چند تنخواہ دار مددگار رکھ لیں اور اس سے کام لیں، مگر ایسوسی ایشن کی پالیسی، اس کی آزادی، اسکے اصول انتظام اُن ہاتھوں میں ہوں جن پر اولڈ بوائز کا کامل اعتماد ہو اور جو اولڈ بوائز کے سوا کسی دوسرے اثر سے متاثر نہو سکیں، سکرٹری یا جائنٹ سکرٹری میں سے ایک کا باہر رہنا جائز ہوگا نہ کہ فرض۔

مسٹر عبدالحکیم کی تجویز کہ کالج میں والنیٹری سسٹم کام کرنے کا جاری کیا جائے، بعد بڑی ردوقدح کے یوں ترمیم ہوکر پاس ہوئی کہ ایسوسی ایشن کی رائے سے کالج میں والنیٹری سسٹم جاری کیا جائے تاکہ کام میں آسانی ہو کام کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہو اور جو اولڈ بوائے اپنی خدمات معرفت سنٹرل اسٹینڈنگ

کمیٹی پیش کریں، کمیٹی بعد غور و منظوری کے جناب آنریری سکرٹری صاحب کالج کی خدمت میں سفارش کرے کہ اُن کو بپابندی قواعد مجریہ دفتر اجازت کام کرنے کی دی جائے۔

۲۲ کے اجلاس میں چونکہ آنریبل مسٹر غلام الثقلین صاحب لکھنؤ تشریف لیگئے تھے اس لئے بالاتفاق رائے مسٹر احسان الحق صاحب بی۔اے بیرسٹر ایٹ لا صدر جلسہ منتخب ہوئے۔ اور آخر تک وہی صدر رہے۔ ترمیم قواعد جو سب کمیٹی کی تجویز سے ہوئی تھی اس اجلاس میں پیش ہوئی۔ اور بعد کافی غور و مباحثہ اور ضروری ترمیمات کے وہ قواعد پاس ہوئے۔ ان سے کام میں بہت آسانی ہو جائے گی اور آیندہ کے لئے غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے گا۔ پورے سات گھنٹے کی متواتر کوشش کا نتیجہ یہ قواعد ہیں اور صدر جلسہ مسٹر احسان الحق صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے نہایت خوش اسلوبی سے تمام مشکل مراحل کو وقت معینہ کے اندر طے کر دیا۔ اُن کی آخری تقریر نہایت قابل قدر تھی جسے ہم بجنسہ یہاں درج کرتے ہیں :-

اب جبکہ وہ تمام ضروری اور اہم کارروائی ختم ہو چکی ہے جبکے لئے ہم ہندوستان کے مختلف حصّوں سے آکر یہاں جمع ہوئے ہیں میں اجازت چاہتا ہوں کہ جملہ ممبران اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کیطرف سے اپنے محترم دوست اور برادر مسٹر شوکت علی خاں آنریری سکرٹری کو انکی ان تمام کامیابیوں اور ترقیوں پر جو پچھلے سال انکے دوران عہدہ داری میں ظہور میں آئیں صدق دل سے مبارکباد دوں۔ میرے دوسرے دوست اور بھائی مسٹر سرفراز خاں بھی ویسے ہی شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں جنھوں نے آنریری سکرٹری کے عدم موجودگی میں تمام خدمات کو بوجہ احسن انجام دیا۔ تاہم اس توصیف و تعریف کے ساتھ ساتھ

مجھے ایک شکایت پیش کرنا ہے موجودہ طلبائے کالج ایک مدت سے شاکی ہیں کہ اولڈ بوائز ان سے ربط وضبط نہیں رکھتے اور جیسا کہ چاہئے ان سے نہیں ملتے یہ شکایت بالکل درست اور بجا ہے مگر اسکے لئے قابل الزام آنریری سکرٹری ہیں - ہمارے لئے اتنے مشاغل ترتیب دے دیئے جاتے ہیں کہ موجودہ طلبا سے ملنا اور آپس کے خیالات کا تبادلہ بالکل ناممکن ہو جاتا ہے - میری خواہش ہے کہ اس میٹنگ کے اوقات بڑھا دئے جائیں اور مشاغل حسقدر کم ہو سکیں کم کردئے جائیں -

برادران - ہم نے چند نہایت ضروری اور اہم امور اس میٹنگ میں طے کئے ہیں اور یہ بات آپ سب کے لئے مایۂ فخر و ناز ہے کہ باوجود اختلاف رائے و تضاد خیالات کے سب معاملات کو نہایت دلپسندی اور دوستی سے طے کیا ہے - اگر آپ میرے جیسے ناقابل نئے ممبر کی جسارت کو معاف فرمائیں تو میں کہونگا کہ ہم میں سے کثیر التعداد لوگوں کو اپنے اپنے حلقہ اثر میں کشاکش زندگی درپیش رہتی ہے اور جب ہم علیگڈھ آتے ہیں تو دوستوں سے ملنا اور پرانی ملاقاتوں کو تازہ کرنا مقصد ہوتا ہے یہیں آکر ہم دنیا کے جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر آرام پاتے ہیں - اگر ہم یہاں بھی وہ تناقض اور فساد اپنے ہمراہ لائیں تو اس ملاقات کا اصلی مقصد فوت ہو جائیگا -

یہ امر نہایت دلخوش کن ہے کہ اس دفعہ بمقابلہ سالہائے گذشتہ کے معاملات بالکل دوسرے رنگ میں فیصلہ ہوتے ہیں - ایسی انجمنوں میں جنمیں تعلیم یافتہ یا تہذیب اور تجربہ کار اصحاب شامل ہیں - اہم مشاغل پر اختلاف رائے بالکل ناگزیر ہے مگر اسکی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں ایک گروہ دوسرے گروہ کی نیت کو ارادہ ہائے فاسدہ پر محمول کرے - ہم سب کالج کے بہی خواہ ہیں اور

ہماری انجمن اور اسکے ہر فرد کو اختیارات حاصل ہیں کہ اپنے یقین پر قایم رہے۔ تاوقتیکہ معاملات اس داد وستد کے اصول پر نہ چلیں گے۔ پریشانی اور بدنظمی بدیہی طور پر لازمی ہے۔ ہم یہاں قانون کی باریکیاں بیان کرنے معاملات پر سدنن یونین کلب کے اصولوں کے موافق بحث کرنے نہیں آتے۔ ہماری مجلسیں میرے خیال ناقص میں پنچایت کے اصولوں پر قرار پانی چاہئیں۔

برادران۔ ان مباحث کے وقت میں نے شاید مجبوراً بہت سی تقریروں کو دوران بیان میں ہی اختصار مد نظر رکھنے کے لئے کہا ہے۔ میں ان مقرروں سے پوری ہمدردی رکھتا ہوں کیونکہ میں ذاتی تجربہ سے جانتا ہوں کہ اگر ایک مقرر اپنے دل آویز تقریر کے رو کو روکنے پر مجبور کر دیا جائے تو یہ امر کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے مجھے امید ہے کہ میرے برادران میرے اس خود مختارانہ استعمال اختیارات کو معاف فرمائیں گے۔ یہاں سوائے لحاظ عمر کے اور کوئی چیز رتبہ یا منصب کسی کو دوسرے پر تفوق نہیں دیتی اسلئے مجھے امید ہے کہ ان برادروں نے میرے فیصلوں کو اسی نظر سے دیکھا ہوگا جیسے برادر خورد کو بزرگوں کے فیصلوں کو دیکھنا چاہئے۔

برادران ہمیں بہت سی ہمت درکار ہے تاکہ اس کام کو پروان چڑھائیں جو ہمارے نامور رہنما نے شروع کیا تھا۔ ہم اس برادری میں جولاثانی اور مضبوط رشتوں سے بندھی ہوئی ہے اور ابد تک رہیگی۔ ہمارا عزیز قدیم کالج ایک مقدس امانت ہمارے پاس ہے اور ہم سے کسی اور مجلس انجمن یا ذات سے زیادہ حقوق کا طالب ہے ہم فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ابتک ہم نے اپنے آپکو مادر کالج کا وفادار اور قابل اعتبار بچہ ثابت کیا ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ جب کبھی کسی نازک وقت میں کالج ہماری مدد کا حاجتمند ہوگا تو ہم شانہ بشانہ

کھڑے ہوکر اسکے بہی خواہی اور عاقبت پسندی کا ثبوت دینگے۔
برادران بہت تھوڑے سے گھنٹے ہماری خوشی اور دلچسپی کے لئے باقی رہگئے ہیں پھر جدائی اور مفارقت ہوگی۔ خدا کرے کہ ہم خوش خوش جدا ہوں اور اسیطرح ہشاش بشاش پھر سال آیندہ ملاقات کریں۔ خدا حافظ

اس تقریر کے بعد جلسہ کا رنگ بالکل دوسرا تھا۔ سب کے دل میں اپنی ایسوسی ایشن اور کالج کی محبت بھری تھی۔ مسٹر شوکت علی نے سب کی طرف سے صدر جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چند ایسے الفاظ کہے جن سے وہ خود اور تمام اولڈ بوائز موثر ہوئے اور اکثر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسکے بعد سب کے سب بسر کردگی مسٹر احسان الحق اسکول کے لونڈوں کی طرح چیختے چلاتے، غل مچاتے جہل مرکب جلسہ کے لئے چلے، جس کے سب منتظر تھے۔ واقعی علیگڈھ کے اولڈ بوائز ایک طرفہ معجون ہیں۔ وہ لوگ جو ابھی بھاری بھرکم سنجیدہ، متین اور ثقہ بنے ہوئے تھے، مباحثوں میں اعلیٰ قابلیت دکھارہے تھے، آن واحد میں اسکول کے لڑکے ہوگئے۔ اور صرف احسان کے لفظ جہل مرکب کہنے پر۔ مسٹر ابوالحسن سکرٹری اسٹاف کلب نے سب کو دعوت دی تھی جہل مرکب اُن کے کلب یعنی آرنلڈ ہاؤس میں ہو۔ یہ غول بیابانی جس میں قدم قدم پر ضافہ ہوجاتا تھا جب کلب میں پہونچا تو قطعی مجمع ناجائز ہوگیا تھا۔ مسٹر محمد وجیہ جیسے سفید ریش قرون اولےٰ کے اولڈ بوائے اور اُن کے صاحبزادے مسٹر نذیر دونوں موجود تھے۔ ہمارے صحت مذاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ تین گھنٹے تک برابر جلسہ ہا اور سب کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہوگیا مگر باپ بیٹے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی سب موجود تھے اور سب کو لطف آیا۔ مسعود ٹامی تنہا کافی تھا۔ ایک نظم جسکو قیود علم عروض سے کچھ علاقہ نہ تھا گذشتہ شب کے ڈنر کی تعریف میں فوراً لکھ کر

سنا دی۔ اس نظم کا لطف کچھ انھیں کو آئیگا جو ڈنر پر موجود تھے۔ میر علی حسن بلگرامی، مسٹر احسان الحق، مسٹر ایچ ایم حیات، مسٹر تصدق احمد خاں شروانی (جو اس سال کیمبرج سے واپس آئے ہیں) اور سب کے پیارے ڈاکٹر سیف الدین کچلو ویسے ہی دُبلے پتلے مگر جرمن یونیورسٹی کے پورے ڈاکٹر علم موسیقی کے ماہروں میں تھے۔ موجودہ طلبا رمیں سے مسٹر آغا مرزا نے اپنا حق بہت خوبی سے ادا کیا۔ سنا گیا ہے کہ بعض اوقات مسٹر محبوب عالم، مسٹر سرور خاں اور مسٹر ضیاء اللہ محمود بھی اپنی آواز اُن کی آواز میں ملانا چاہتے تھے مگر حاضرین نے اس کی نسبت بہت زیادہ اصرار نہیں کیا اور نہایت خوشی کی بات تھی کہ وہ بھی تکلیف کی وجہ سے خاموش ہوگئے۔ اب کے جہل مرکب کا "سہرہ" سچی بات تو یہ ہے کہ مسٹر عبدالسلام کے سر رہا۔ اُن کی بارہ بجے والی نظم کی تعریف ہماری طاقت سے باہر ہے۔ مسعود ٹامی کی تعریف کرنا بیکار ہے، وہ اولڈ بوائے تھوڑا ہی ہے کالج میں ایک "انسٹی ٹیوشن" ہے۔

لگے نظر نہ کہیں ان کے دست بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

۲۱ کی شام کو اسٹاف کلب میں نواب محمد اسحاق خاں صاحب سکرٹری کالج اور اولڈ بوائز کو ایوننگ پارٹی دی گئی تھی اور ۲۲ کو کرکٹ لان پر موجودہ طلبائے کالج کیطرف سے گارڈن پارٹی تھی جس میں سب سے پیارے ظہور وارڈ اور اسکول کے بچے تھے ان میں بہت سے اولڈ بوائز کی اولاد سے تھے اور بعض کے باپ بھی موجود تھے۔ پارٹی کے بعد سب کا گروپ لیا گیا مگر افسوس کہ بوجہ شام ہوجانے کے خراب آیا۔ اولڈ بوائز کے سب گروپ نہایت عمدہ آئے ہیں اور وہ ممبران موجودہ کی خدمت میں بھیجے جارہے ہیں۔

اولڈبوائز ڈنر

یہ تو ہم اوّل ہی لکھ چکے ہیں کہ ڈنر امسال کرکیٹ لان پر ہوا تھا اور وہاں کا منظر آنکھوں کو کسی قدر بھلا معلوم ہوتا تھا۔ افسوس کہ مسٹر ٹول اور دیگر عیسائی ممبران اسٹاف "گڈ فرائڈے" کی وجہ سے شریک ہو سکے تھے اور یوروپین اسٹاف میں سے صرف ڈاکٹر ہارو وٹز موجود تھے۔ ایک تو علیگڈھ کے اولڈ بوائز خود جدّت پسند تھے، مینو انھوں نے انوکھا تیار کیا تھا، اس پر جب ہمدرد پریس میں چھپنے گیا تو مسٹر محمد علی، مسٹر محفوظ علی اور وہاں کے اولڈ بوائز نے اور رنگ آمیزیاں کیں۔ ہم نے اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کھانا جیسا تھا ویسا تھا مگر "مینو" غضب کا تھا۔ جب سے بلقان کی جنگ شروع ہوئی تھی کالج کے طلباء نے سچّی اسلامی ہمدردی کا علی ثبوت دیا تھا۔ انھیں نے پلاؤ، زردہ، فیرنی، یہانتک کہ ایک وقت کا گوشت بھی ترک کردیا تھا اور اس سے جو رقم بچتی تھی وہ اپنے مجروح مسلمان بھائیوں کے لئے بھیجتے تھے۔ اس طرح سے تقریباً تین ہزار روپیہ ماہوار چندہ میں اُن کی طرف سے جاتا تھا۔ اس ایثار نفس کے ذریعہ سے اُنھوں نے پیارے کالج کی وقعت، عزت اور محبت تمام مسلمانوں کے دلوں میں بٹھادی۔ وہ لوگ جو اس کو دارالملاحدہ کہا کرتے تھے اب بالاعلان کہتے ہیں کہ وہ غلط تھے اور واقعی ایمان اور اسلام علیگڈھ کے موجودہ اور سابق طلبا کا ہی حصہ ہے۔ ہمارے کالج سے اب ساری قوم کو مستحکم محبت ہوگئی ہے جس کے اعلیٰ نتائج آیندہ ضرور ظہور پذیر ہونگے۔ اولڈ بوائز ڈنر پر بھی امسال کسی قسم کا گوشت اور مٹھائی نہ تھی۔ صرف سادے چاول، دال اور ترکاریاں تھیں۔ کھانے میں تو لقولات چند تھیں اور نام اُن کے ایسے زبردست تھے۔ سارے کالج نے

زندہ دلی کا ثبوت دیا۔ اس ہفتہ میں رات کو بلا کی سردی پڑنے لگی تھی اور دسمبر کی راتیں یاد آتی تھیں۔ کھلے میدان میں چار پانچ گھنٹے جمع رہنا گو کارِ دارد تھا مگر علیگڈھ کے مست سردی گرمی کی کیا پرواہ کرتے تھے۔ مجمع آخر تک رہا۔

ہم مینو کی بجنسہ نقل کرتے ہیں

علیگڈھ

اولڈ بوائز

سنہ ۱۹۱۳ء

اوّل طعام

قبولی پٹھانی

بورانی خاقانی

دال ماش ہندوانی

بقولات ایرانی

ہنڈیا دیوانی سرفرازخانی

دال موٹھ شاہجہانی

قہوہ عربستانی + پانی ہندوستانی

سگرٹ ترکستانی + سگار نقل ہوائی

بعدہٗ کلام

کلام پاک۔ محمد ابراہیم پارک (ظہور وارڈ)

جام صحت

شہنشاہ معظم پریسیڈنٹ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

ذیرا اولڈ کالج و مرسٹیان، مسٹر محمد علی بی اے (آکسن)

جواب۔ نواب محمدؐ اسحاق خاں صاحب
آنریری سکرٹری

اولڈبوائز۔ ڈاکٹر ہارو ڈنز
مسٹر الیاس برنی والیس
پریسیڈنٹ یونین کلب

جواب۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین
مسٹر مصطفٰے احسین رضوی

اسٹاف۔ مسٹر احسان الحق
جواب۔ ڈاکٹر ولی محمدؐ

ہمارے مہمان۔ مسٹر شوکت علی
جواب۔ نواب غلام احمدؐ کلامی

نوواردان از انگلستان مسٹر آر ایم غلام حسین بی اے
(علیگ)

جواب۔ مسٹر شمشاد احمد خاں بی اے
(کینٹب)

نظم۔ قاضی جلال الدین
شاہ بے نظیر شاہ

مینوسے کہیں زیادہ تقریریں دلچسپ تھیں اور کلام پاک بجائے سب سے اوّل کے اس مرتبہ سب سے آخر میں پڑھا گیا۔ اوّل پریسیڈنٹ آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب نے حضور ملک معظم کا جام صحت پیش کیا جو بہت جوش و خروش سے نوش کیا گیا۔ اس کے بعد مسٹر محمدؐ علی نے ایک نہایت فصیح، قابل اور پر جوش تقریر میں

پیارے کالج کا ٹوسٹ پیش کیا۔ مسٹر محمدؐ علی کی ہم نے بہت سی تقریریں سنی ہیں مگر ایسی قابلیت اور صفائی کے ساتھ اُنھوں نے اولڈ بوائز کا پروگرام اور نصب العین کبھی پیش نہیں کیا تھا۔

نواب اسحاق خاں صاحب آنریری سکرٹری نے اُس کا جواب دیا جس کا ضروری حصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

میں "پیارے کالج اور ٹرسٹیان" کے جام صحت کے جواب دینے کا خوشگوار فرض انجام دینے کے لئے کھڑا ہوا ہوں جسکو مسٹر محمدؐ علی نے ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا فرض ہے جسکو کوئی اور صاحب جو اس میز پر تشریف رکھتے ہیں، زیادہ خوبی سے انجام دیسکتے تھے۔ میں افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ نہ میں گویا بلبل ہزار داستان ہوں اور نہ ڈنر کے بعد تقریریں کرنے میں مجھے مہارت تامہ حاصل ہے۔ لہذا میں بہ تقاضائے ضرورت اپنی تقریر سے آپ کی سمع خراشی ہی کروں گا جس کے سننے کے لئے آپ کو نہایت صبر و استقلال درکار ہوگا۔ حضرات! کالج اپنے اولڈ بوائز پر بجا طور سے نازاں ہے جو اسکے لئے فخر و تقویت کا موجب ہیں، اور وہ اُن سے توقع رکھتا ہے کہ وہ نہ صرف ضرورت کے وقت اسکے لئے سینہ سپر ہونگے، بلکہ یہ کہ اپنے کارہائے نمایاں سے، اپنے اعلیٰ نصب العین سے اور اپنے ذاتی ایثار سے اس کے گرد ایک حلقہ نور کھینچ دینگے، اور دنیا پر ثابت کر دینگے کہ ان کی نہایت باوقار و عزیز علمی مادر نے خود ان کے لئے کیا کچھ کیا ہے اور اُن لوگوں کے لئے کیا کر رہی ہے جو اس وقت ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اور جن میں سے بعض اسکی پر شفقت آغوش کو چھوڑ کر زندگی کی حقیقی جنگ کا جلد آغاز کرینگے۔ کیا میں اُن اولڈ بوائز کو جو گویا پورے طور پر پر و بال والے ہو چکے ہیں اور جنکو اب خدا نے

اعتماد و ذمہ داری کے مناصب پر فائز کیا ہے، یہ یاد دلا سکتا ہوں کہ کالج ان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنا دست امداد کالج کے جدید پیداوار وں کی طرف بڑھائیں اور اُن کے رجحان خاطر کے مطابق ان کے لئے میدان ہائے عمل کی تلاش کریں: یہ سو بار کہا جا چکا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں بلا خوف اس کو ایک سو ایک بار دُہرا سکتا ہوں کہ انسان اس دنیا میں جو نیکی کا سب سے بڑا کام کر سکتا ہے وہ آزادی اور دیانت داری کے ساتھ روزی کمانے میں اپنے ابنائے جنس کی امداد ہے"۔

اس کے بعد ڈاکٹر ہار وڈ نے ایک چھوٹی مگر پر معنی تقریر میں اولڈ بوائز کا جام صحت پیش کرتے ہوئے اولڈ بوائز اور موجودہ طلباء کی تعریف فرمائی اور مستحکم اُمید ظاہر کی کہ سب کی کوشش سے علیگڈھ ایک بڑی تعلیم گاہ بنجائیگا۔ اُن کے بعد مسٹر الیاس برنی وائس پریسیڈنٹ یونین کلب نے حسب معمول سابق موجودہ طلباء کی طرف سے اس ٹوسٹ کی پر جوش الفاظ میں تائید کی اُنھوں نے کہا کہ موجودہ طلباء کو اپنے کالج اور اولڈ بوائز پر فخر ہے اور انکا مُصمم ارادہ ہے کہ وہ کالج کی عزت برقرار رکھیں۔ اُن کو اسلام اور جملہ مسلمانان دنیا سے محبت ہے اور فخر یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ طلباء اپنے خدا، اپنے رسول، اپنے بادشاہ، اپنے بزرگوں اور اُستادوں کا ادب اور خدمت کرتے ہیں۔

مسٹر سید راس مسعود کی عدم موجودگی میں مسٹر سید مصطفےٰ حسین رضوی نے اولڈ بوائز کی طرف سے ممبران اسٹاف اور موجودہ طلباء کا شکریہ ادا کیا۔

مسٹر احسان الحق نے اسٹاف کا جام صحت بالفاظ ذیل پیش کیا:۔

اے معزز ممبران انگریزی اسٹاف! آپ کی حالت اور عہدہ داری کی

کیفیت بالکل لاثانی اور نرالی ہے۔ ہم نے چونکہ آپ سے مذہب۔ نسل اور ملک کی حیثیت سے مختلف ہیں آپ کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا محافظ اور ان کے چال چلن کا نگہبان بنایا ہے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو آجتک کسی قوم نے کسی دوسری قوم کو نہیں دی اور ہم کو اُمید ہے کہ آپ اس عظیم الشان اعتبار کے اہل ثابت ہونگے۔ آپ کو ایک ایسی قوم کی نئی اولاد کی نگہبانی کرنا ہے جو بیدار ہو رہی ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جسکو آپ نے کئی مرتبہ ذرا مشکل پایا ہے مہربانی سے اس خیال کو نہ بھلایئے کہ پچھلے ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ کے دوران میں ان نوجوان بچوں کی طاقت صبر و یقین زیادہ سختی سے آزمائی جا چکی ہے باوجود ان تمام باتوں کے جو اس سرزمین کے سب سے ممتاز لوگوں نے کہی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ یہ نوجوان ہرگز اس مذہب بزرگ کے پیرو ہونے کے اہل نہو تے جسکے نام سے ہمکو خود ناز ہے اگر وہ اپنے ان بھائیوں کے رنج و غم اور خوشی و خرمی میں شریک ہوتے جو ہندوستان سے باہر ہیں۔ یہ کام آپ کے لئے رہ گیا ہے کہ آپ انکے پریشان شدہ خدمات کو ایک مطمئن حالت پر لائیں اور انکے خیالات نرمی اور مضبوطی سے راہ راست پر لگائیں۔

ایک ایسی تعلیم گاہ میں جہاں طلبائے ہندوستان اور ایشیا کے تمام حصوں سے آتے ہیں اختلاف رائے اور خیالات و تضاد رسومات و قواعد لازمی ہے مگر ہم سب کے صرف ایک اصول مد نظر ہے اور یہ اصول وہی ہے جو سرسید اعظم کا تھا۔ اگر آپ اپنے اصولوں کو اس اصول کے ذات میں شریک کر دینگے اور ہمکو اُمید ہے کہ آپ ضرور کریں گے تو یقین جانئے کہ اولڈ بوائز اپنے امکان کے مطابق آپ کی مدد کرینگے نواب صاحب نے آپکو بتا دیا ہے کہ طلبا کی حالت

نظم و نسخ نہایت اعلیٰ ہے۔ اب اس سے زیادہ اطمینان کے کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر کبھی آپ اپنے آپکو تکلیف میں پائیں تو اسکا یقین کامل رکھئے کہ اولڈ بوائز ہمیشہ تیار ہونگے کہ دشواریوں کو دور کر دیں اور اپنی بساط کے موافق جہانتک ممکن ہوسکیگا کوشش کرینگے کہ ٹرسٹی۔ سٹاف اور طلباء کے آپس کے تعلقات میں نہایت یگانگت اور ہم آہنگی آجائے جو کالج کے انتظام اور اسکے بہبودی کے لئے ضروری ہے۔

اب مجھے اپنے مسلمان اسٹاف کے اراکین کا شکریہ ادا کرنا ہے اسکے ذات پر ناز ہے اور ہم شکرگذار ہیں کہ انھوں نے اپنی زندگی اس عظیم الشان کام کے لئے وقف کر دی ہے اور وہ مسلمانوں اور اپنے بھائیوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہیں۔ خدا کرے آپ کو اس کار خیر کی جزا اس دنیا اور عقبیٰ میں ملے۔

ڈاکٹر ولی محمد صاحب نے جو گذشتہ سال کیمبرج اور جرمنی سے سائنس میں اعلیٰ درجہ حاصل کر کے کالج میں تشریف لائے اور جن سے ہر شخص کو بہت کچھ امیدیں ہیں ایک مختصر تقریر میں اولڈ بوائز کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ کالج کا "سفید ہاتھی" یعنی شعبۂ سائنس انشاء اللہ عنقریب ایسے نتائج دکھائیگا جس سے اولڈ بوائز کو کامل تشفی ہوگی کیونکہ انھوں نے ہی کالج کی امداد ایک سائنس کا پروفیسر مقرر کرنے سے کی ہے۔

مسٹر شوکت علی نے جملہ مہمانوں کا جام صحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ باوجود سخت سردی اور صرف "ہنڈیا دیوانی سرفراز خانی" اور "آب ہندوستانی" کے ملنے پر مہمانوں نے اولڈ بوائز کو بے حد ممنون فرمایا اور دوسری جانب اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیا۔ اولڈ بوائز نے قوم کی فریادرسی سے ہے اور اُن کا مُصمم ارادہ ہے کہ جو کچھ اُن سے ہوسکے گا وہ اپنی قوم اور کالج کے لئے کرینگے۔

نواب غلام احمد خاں صاحب کلامی ٹرسٹی کالج نے جو فقط کالج کے حالات اور انتظام دیکھنے کے لئے دہلی سے تشریف لائے تھے ایک دلچسپ تقریر میں شکریہ ادا کیا اور اولڈ بوائز اور طلباء سے درخواست کی کہ وہ تجارت کی طرف توجہ کریں کیونکہ بغیر تجارت کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

مسٹر ابراہیم غلام حسین نے ایک پُر مذاق چھوٹی سی تقریر میں "نوواردان انگلستان" کا ماحت پیش کیا جسکا جواب مسٹر شمشاد احمد خاں بی اے (کینٹب) نے دیا۔

قاضی جلال الدین صاحب اور شاہ بے نظیر شاہ قادری وارثی (اولڈ بوائز) کی نظموں پر ڈنر ختم ہوا۔

ڈنر پر اس مرتبہ یہ کوشش کی گئی تھی کہ کھانا سب کو گرم گرم تقسیم کیا جائے مگر اس بار کامیابی نہ ہوئی۔ انشاء اللہ آیندہ ضرور اسکا انتظام ہو سکیگا۔ اور مہمانوں اور میزبانوں کے لئے چار حصے دعوت ہوگی "کم از کم دعوت تیرا ز" تو ضرور ہو جائیگی۔

۲۴ کو مسٹر شمشاد احمد خاں اور مسٹر سید علاء الدین کی کوششوں سے سابق اور موجودہ طلباء کی کرکٹ میچ ہوئی۔ وان ... تھیں مگر مسٹر شمشاد احمد خاں نے جس وقت لوٹا اٹھا کر آستین چڑھا لئے اور گھاس اور کرسیوں کو اپنے سر پر رکھ کر ایک آواز لگائی تھی سارا اسکول اور کالج جمع ہو گیا اور آناً فاناً میدان صاف ہو گیا اور اس طرح میچ ٹھیک گیارہ بجے شروع ہو گیا۔ اولڈ بوائز کی ٹیم بڑی زبردست تھی مگر احسان۔ ضیاء وغیرہ مجبوراً سب کو چھٹ گئے تھے تاہم علاوہ بھاری بھرکم پیرمغان شوکت کے سلام الدین اور عابد موجود تھے۔ اوّل اولڈ بوائز کھیلے مگر یہ شرط کر لی گئی تھی کہ "لیگ بیفور دی وکٹ" کا کوئی قاعدہ نہ ہوگا اسپر بھی اولڈ بوائز نہ جمکے جلد آگئے اور اسکور بھی انہیں کا۔ راتوں کو جاگنے اور غل کرنے کے بعد ہر ایک کو دو گیندیں دکھائی دیتی تھیں مشکل تھا کہ کس کو روکا جائے۔ بدقسمتی سے

سلام الدین اور عابد جلد چل بسے مگر "پیر مغاں" اور شمشاد احمد خاں نے خوب بیٹ بازی دکھائی۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ اوّل دو گیندیں جو سیدھی تھیں "پیر مغاں" نے بجائے بیٹ کے اپنے جسم مبارک سے رد کی تھیں مگر قواعد کی مناسب ترمیم تو اوّل ہی سے منظور ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی سُنا گیا ہے کہ وہ ارادہ کرکے گئے تھے کہ جو گیند "بولڈ آؤٹ" کردے وہ قطعی نو بال تھی اور "کیچ" تو بوجہ کمب ہونے کے ناممکن تھا۔ اولڈ بوائز کے چوراسی رن ہوئے جن کے اسکورر صاحب نے اس لحاظ سے کر دیا کہ چھ رن لکھنا بھول گیا تھا۔ صحیح خبر ہے کہ موجودہ طلباء میں کی ناخلف اولاد بھی دست بدعا تھی "اللہ کرے ابا جلد آؤٹ ہوں"۔

جب موجودہ طلباء کھیلنے آئے تو سلام الدین نے ایک دو "اوور" کے بعد "چنے بھوننا" شروع کردے مگر دوسری طرف سابد کو کچھ شوق تھا کہ بچوں کا دل بڑھانے کے لئے بلّے پر گیند دے جسکو شریف شرافت کو بالائے طاق رکھکر بڑی بیرحمی کے ساتھ کچی پارک سے معانقہ کرنے کے لئے بھیج دیتا تھا۔ تاہم کھیل آخر میں نہایت مزہ دار ہو گیا "ظہور وارڈ" کے چھوٹے چھوٹے بندر خاموش بیٹھے دعائیں مانگ رہے تھے۔ تعجب ہے کہ اب کی مرتبہ بھی "اسکورر" رن لکھنا بھول گیا مگر صرف تین۔ اس لئے صرف انھیں تین رنوں سے موجودہ طلباء جیت گئے۔

جس وقت "پیر مغاں" واپس آئے تو بچوں کا گرد ہجوم تھا اور ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ "واہ اولڈ بوائز ہار گئے" "شوکت ہار گئے"۔ شوکت صاحب خوش تھے اور ہم سے کہتے تھے کہ خدا کرے وہ روز ہارا کریں اور یہ سماں دیکھیں۔ عمدہ فیلڈ کرنے والوں میں مسٹر مصطفےٰ حسین کا نمبر بہت اعلیٰ تھا۔ بارہا دیکھا گیا کہ گیند روکتے وقت "وہ گھاس" پر تیر کر "ملاحی" کے ہاتھ لگاتے ہوتے تھے۔ شام کو ہاکی کا میچ سابق اور موجودہ طلباء میں ہوا۔ یہاں سب قسم کے لنگڑے لولے جمع تھے

بڑے زور کا کھیل ہوا اور چند منٹ ہی میں موجودہ طلباء نے دو گول کر دئے۔ اگرچہ شوکت اور بھائی مصطفےٰ چکر ہی کاٹتے رہے اور تصدق کی شوخ رنگ جرابیں اور چمکتے ہوئے جوتے کبھی یہاں اور کبھی وہاں تھے۔ سجاد دیوانہ مستانے ہاتھی کیطرح بھاگتا پھرتا تھا اور راہ میں جو آجاتا اُسے گرا دیتا مگر لڑکے بڑے تیز تھے۔ اسوقت خوش قسمتی سے ایک بڑا اولڈ بوائے کھلاڑی آگیا جس سے کھیل کا رنگ بدل گیا۔ ضمیر الدین جو ابتک ریفری تھا ہمارے ساتھ کھیلنے لگا۔ پھر کیا تھا جب گیند ہماری طرف آتی ضمیر واپس کر دیتا۔ دشمنوں نے ادھر گول کیا اُدھر ضمیر کی سیٹی خوں خوں بول اُٹھتی۔ "آف سائڈ"۔ لطف آگیا۔ گھنٹہ بھر کی جنگ وجدل کے بعد دونوں پہلوان برابر رہے اور واقعی اس کھیل کا مرد میدان قطعی ضمیر تھا۔ یہ آخری پرلطف شام تھی جو دور اُفتادہ اولاد نے اپنی "مادر مہربان" کی "آغوش محبت" میں گذاری اور پُرانا کورس پڑھتے ہوئے رخصت ہوئے۔

جانِ عالم میں سُنتی ہوں آج تری تیاری ہے
جاؤ خدا حافظ ہے سدھارو گر یہی مرضی تمہاری ہے

آیندہ سال سالانہ ڈنر کا پروگرام تین دن کا ہوگا اور انشا اللہ! خوب گذرے گی۔ یار زندہ صحبت باقی۔

ایک خط

جناب اڈیٹر صاحب۔ میری درخواست پر جو جناب نے پرچہ اولڈ بوائے میرے نام جاری فرمایا ہے میں اسکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اولڈ بوائے بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۱۳ء پہلا پرچہ ہے جسکو تمام وکمال پڑھنے کا مجھے فخر حاصل ہوا۔ اُسکے جملہ مضامین نہایت دلچسپ اور پرلطف پائے گئے۔ زندہ دلان علیگڈھ کالج نے

بڑی دیر تک میری حالت کو جو اس شعر کی مصداق ہو چکی تھی ۔

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　　اب کسی بات پر نہیں آتی

بالکل بدلدیا۔ راقم زہر کا چلبلا پن اور انوکھے فقرے میرے پھیپڑوں پر نہایت سریع التاثیر ثابت ہوئے ۔ خصوصاً اس فقرے نے تو پھڑکا دیا ۔ جب کبھی ایک آدھ روپیہ لیکر کچھ چیزیں مول لینے شہر جایا کرتا ضرور ایک چوانی یا دوانی حسب ضرورت اُسکے پاس سے گر پڑا کرتی اور ریش دراز کی تعریف میں "وہ بلا روک ٹوک بڑھنے والی ڈاڑھی" کیا خوب کہا ہے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب بعض اصحاب نہایت ظرافت سے فرمایا کرتے ہیں کہ "ڈاڑھی اور نماز ان دو چیزوں کی نسبت تو میں نے عہد کر لیا ہے کہ ہرگز نہ چھوڑونگا" زہر کے مضمون کے آخر کا شعر تو ماسبق مضمون سے ایسا وصل ہوا ہے کہ معاً سننے کے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید مضمون طرازی کا باعث یہی شعر ہوا ہے ۔

تاریخ خاندان دہنیکہ بھی ایک عجب دلاویز مضمون ہے ۔ لیکن اسکی نسبت مجھے لال دیو کے ہمزاد سے معافی مانگنے کی ضرورت ہے ۔ میں نے شروع میں دھد کو اے مفتوح کے مضموم پڑھا تھا ۔ جبکی تصحیح وجہ تسمیہ کے پڑھنے سے ہوئی اُن ذات بابرکات سے ایک امر کی درخواست اور بھی کرنے کو جی چاہتا ہے ۔ درخواست یہ ہے "کیا مجھے یہ عزت حاصل ہو سکتی ہے کہ آپ اس کمترین کے روبرو تشریف لانے کی صرف ایک مرتبہ کوشش کریں" ۔ مگر یہہ درخواست آیندہ ملاقات تک ملتوی رکھی جائے گی ۔

میری بہن کے ڈنڈا کیوں مارا ۔ یہہ مضمون بھی خط زر سے لکھنے کے قابل ہے بہین کی جگالی کرنے" نے بہت ہی بیچین کر دیا تھا ۔

گمنام شاعر تو ناحق گمنام ہیں ۔ اس گمنامی کی سیاہی کو چمکا دینا اُن کے نزدیک

کونسی بڑی بات ہے۔

مختصر یہ کہ پرچہ کا گیٹپ بہت ہی نرالا اور البیلا ہے (جملہ معترضہ کیا اب وہ زمانہ آچلا کہ ہماری اردو میں ایک لفظ گیٹپ کی بھی کھپت دشوار ہے) مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیوں دو دو مہینے کے بعد نکلتا ہے۔ دیر یوں لگتی ہے کہ مضمون نہیں ملتے۔ مضامین کی کمی عام توجہ کی کمی کی دلیل ہے۔ فقدان توجہ کا خاص سبب میری رائے ناقص میں تو صرف یہی ہے کہ اولڈ بوائے اپنی اصلی گونا گونی کو چھوڑ کر صرف ایک وردی میں جکڑ بند نظر آتا ہے۔ میری رائے کی تصدیق اولڈ بوائے کے مقاصد کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ مقاصد میں اولڈ بوائے کے نہایت قومی جذبات کو شامل کیا گیا ہے۔ مگر بیچارہ اولڈ بوائے صرف ثقہ ہی کیوں بنا رہے۔ ثقہ اور چغد میں کچھ اڑتی سی تجنیس خطی ہونے کے علاوہ لال دیو کی مثال بھی تو موجود ہے کہ اس سے ثقہ نہیں بنا جاتا۔ پس اولڈ بوائے کو ہر صورت اور وضع سے اکھاڑے میں آنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہہ مصرع زبان زد خلایق ہے۔

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

اسلئے مناسب یہ ہے کہ اس پرچہ میں جسکا نام اولڈ بوائے ہو اولڈ بوائے کے تمام خبطوں کا جھرمٹ نظر آئے محض لڑیری ہونے پر ہی موقوف نہیں بلکہ اسکو تو معجون مرکب ہونا چاہیئے۔ خیال تو کیجئے کہ اولڈ بوائے اپنے ماں باپ کا بچہ ہے۔ نٹ کھٹ بھی ہے کھلاڑی بھی ہے۔ تہذیب بھی سیکھے ہوئے ہے۔ تمام دنیا کے فیشنوں میں بھی دخل رکھتا ہے۔ طرح طرح سے سلام کرتا ہے حقہ کلب کا بھی ممبر ہے اور صرف چاء پینے والوں میں بھی ہے۔ درزی کی جان کو آیا کرتا ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہے کہ درزی کی صورت ہی نہیں دیکھتا

نوکریاں کرتا ہے۔ اور نوکری کو سلام بھی کر دیتا ہے۔ انگریزوں سے ہاتھ ملاتا ہے۔ کالوں سے دُور بھاگتا ہے۔ اور کبھی یہ سمجھکر کہ میں بھی کالا ہوں اپنے کالے بھائیوں میں بیٹھکر خوش گپیاں اُڑاتا ہے اور اُن کو اپنی چڈی پر سوار کر کے بام ترقی پر پہنچانے کو اپنا فرض عین سمجھتا ہے۔ فنون کو سیکھتا ہے۔ تجارت کرتا ہے۔ ریاست کرتا ہے۔ ہندوستان کے اندر بھی رہتا ہے اور سات سمندر پار بھی جاتا ہے۔ کبھی وہ کالج سے یہ کہتا ہوا نکلتا ہے۔ انچہ در سر داشتم بگذاشتم بگذاشتم۔ اور کبھی ایسا جانور بنجاتا ہے جسکو پنجرے کی کھڑکی کھلی ہونے کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ اگر باہر بھی نکالدو تو پھر اپنے آپ پنجرے میں داخل ہونے کے لئے سر پٹکتا ہے۔ اور اگر اندر آنا نصیب میں ہوتا تو جو بولیاں پنجرے میں بند رہکر سیکھی تھیں انکو تنہا کسی ڈالی پر بیٹھا ہوا جھوم جھوم کر دوہرایا کرتا ہے۔ کوئی کالج میں اس طرح رہتا تھا جیسے بیت الخلا میں ضرورت کیوقت البیوں کو کبھی کالج کی ہمدردی کیسی یاد تک نہیں آتی۔ اور کوئی اُسکو آغوش مادر سمجھتا تھا اور سمجھتا ہے۔ اور عمر بھر جنائین بچہ بنکر اپنا دل خوش کیا کرتا ہے۔ کوئی اس نظر سے تشریف فرما ہوئے تھے کہ کالج سے زبردست سفارش ملجاتی ہے۔ اور اُنھوں نے سفارش کرائی عہدہ لیا اور یہ جا وہ جا۔ پھر کون ہم کون تم۔ ان سے اور بیت الخلا والوں سے تو کچھ سروکار ہی نہیں۔ کوئی کوٹ پتلون اور ہیٹ پر مٹا ہوا ہے۔ کوئی پرانی وضع کا شیدا ہے۔ کوئی اپنے باپ کو اپنے باپ کا ملنے والا بتاتا ہے۔ کوئی جو سچی بات ہے اُسکے کہنے میں نہیں شرماتا۔ کوئی اپنے غریب عزیزوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا۔ کوئی اُنکی خاطر و دلجوئی کرنے میں ہی مگن ہوتا ہے۔ کوئی قومی چندہ جمع کرتا ہے اور کھا جاتا ہے کوئی قوم کے لئے اپنے کپڑے تک اُتار کے دینے کو تیار ہے۔ کوئی کہتا ہے

زندگی زندہ دلی کا ہے نام　　مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
کوئی کہتا ہے۔
خیرے کُن اے فلاں و غنیمت شمار عمر　　زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند
کسی کو دروزباں یہ شعر ہے۔
سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر　　ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے
کوئی کہتا ہے۔
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مرچلے
کوئی کہتا ہے۔ گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے۔ الخ کوئی کہتا ہے۔
فکر معاش و عشق بتاں دغدغۂ حشر الخ کوئی کہتا ہے۔ ما را بجہاں خوشتر ازیں عالم نیست
کوئی کہتا ہے۔
کہہ تو اے گلچیں اسیران قفس کے واسطے　　توڑلوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی
کوئی کہتا ہے کہ زوال سب قوموں پر آتا ہے۔ اور ایسی مثال نہیں پائی جاتی کہ کوئی قوم ڈوب کر پھر اُچھلی ہو کوئی کہتا ہے کہ اٹلی کو اور یونان کو دیکھو پھر ترقی کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہماری قسمت میں تو غلامی لکھی جا چکی۔ پڑوسیونکی ہو یا اجنبیونکی۔ بہتر یہ ہے کہ پڑوسیونکی ہو۔ کوئی اسکا جواب دیتا ہو کہ دونوں نقشے اپنی نظر میں جما کر تو دیکھو اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔
غرضکہ ہر سرے را سودا۔ پھر میاں مٹھو نبی جی بھبوکے جا بیٹے۔ جنکو مرچیں زیادہ کھلادی گئی ہیں وہ تو پڑھنے لگیں گی۔ باقی تو گز گز میں ہی رہیں گے۔
مگر ملی دیوانہ نہ ہوے۔ بس است لیکن دیوانہ کے ڈھب کیسی ہی ہو پھر دیکھئے کیسی چہچہاہٹ شروع ہوتی ہے۔ اجازت ملتے ہی ہر ایک چیخ اٹھیگا۔
باور مکن قول عدو ساغر کجا و شیشہ کو　　اے محتسب میں ہاے دہو دارم ز صہبا دگر

میرا تو جی یہ چاہتا ہے کہ اودھ پنچ ہونے کے علاوہ شوشیل بھی ہو۔ لٹریری بھی ہو۔ سائنٹفک بھی ہو۔ ٹکنیکل بھی ہو۔ پولیٹکل بھی ہو۔ کرٹیکل بھی ہو۔ ریلجس بھی ہو۔ فلولوجسٹ بھی ہو۔ پہلی ایٹولوجسٹ بھی ہو۔ آرکیولوجسٹ بھی ہو۔ ہسٹوریکل بھی ہو۔ اکونومکل بھی ہو۔ ایل ایل بی بھی ہو۔ ایل ایل ڈی بھی ہو۔ پی ایچ ڈی بھی ہو۔ ایم ڈی بھی ہو۔ اے بی سی ڈی ۔۔۔۔۔۔ نمیڈ بھی ہو۔ بھانڈ بھی ہو۔ بھاٹ بھی ہو۔ ہزار داستان بھی ہو۔ اور لال دیو بھی ہو۔ دیوزاد بھی ہو۔ پریزاد بھی ہو۔ رنڈی بھی ہو۔ ثقہ بھی ہو گو چند ہو۔ اور صفحوں کی تعداد بچاس کے بجائے پانسو ہو۔ چندہ تین کے بجائے چار دفعہ تیس ہو۔ یا اور بھی زیادہ۔ اور اڈیٹر کو مہینے میں چار مرتبہ اودھ پنچ نکالنا پڑے۔ اس صورت میں صفحے البتہ صرف سو ہی رہجائیں تو کچھ مضایقہ نہیں۔ بلکہ بچاس ہی سہی۔ مگر مہینہ کا عارضہ تو نہو۔

واحد از آگرہ

کلام اکبر

ذیل کی رباعیات ہمارے ایک کرم فرمانے مولانا سید اکبر حسین صاحب قبلہ کی بیاض سے چرا کر ہمکو بھیجی ہیں۔ ہم اپنے کارگزار دوست کے ممنون ہیں اور انکا نام مصلحتاً نہیں بتاتے تاکہ جج صاحب کہیں دفعات تعزیرات ہند اُن پر نہ جاری کریں۔ ان میں سے پہلی رباعی ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب کی شادی کی خبر سنکر مولانا نے لکھی تھی جس کے حسن بیان کو ڈاکٹر صاحب اور دوسرے فلسفہ دان اصحاب یقیناً پسند کرینگے۔

(۱) ڈاکٹر ضیاء الدین کی شادی

علم خود شاد ہے شادی سے ضیاالدین کی
اُنکو اس پارٹ میں یہ ایکٹ مبارک باشد

ہو یہ وہ شکل کہ پیدا ہوں معانی جس سے
اتصال فگر وفیکٹ مبارک باشد

(۲) ترکوں کے ساتھ ہمدردی

دونگا ذرا سمجھ کے جواب اُن کی بات کا
رُخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا

ہو برہمن بھی ترک کا ہمدرد ان دنوں
گنگا کو بھی خیال ہے موج فرات کا

(۳) یورپ کی لامذہبی

اللہ نے سائنس کی نعمت جو عطا کی
یورپ میں ہوس بڑھگئی دنیا طلبی کی

اب چاہتے ہیں دین خدا کو بھی مٹانا
پائینگے سزا جلد وہ اس بے ادبی کی

اولڈبوائز کی مہمانی اور مسعود ڈامی کی گل افشانی

ڈنر کا جلسہ اور مسعود ڈامی کی موجودگی! پھر کیسے ممکن تھا کہ کوئی انوکھی بات نہ پیدا ہوتی؟ کالج کے طالب علموں نے ایک عرصہ سے ایک وقت گوشت کا کھانا بند کر رکھا ہے۔ اس لحاظ سے اس سال ڈنر میں بھی خاص طور پر سادگی ملحوظ رکھی گئی تھی۔ البتہ کھانے کی سادگی "مینو" کی پر تکلف عبارت سے (جسے ناظرین کہیں اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہونگے) چھپا دی گئی تھی۔ بھائی مسعود کی ہمہ گیر طبیعت کے لیے یہ مصالحہ بہت کافی تھا اور "نمک سلیمانی" کی کمی کو (جو منتظمین ڈنر کی غلطی سے غالباً مینو میں درج ہونے سے رہ گیا تھا) انھوں نے

ذیل کی نظم سے پورا کر دیا۔ اگر ہمارے ناظرین کو بلحاظ اصول شاعری یا زباندانی اس نظم پر کچھ اعتراض ہو تو براہ راست مصنف سے خط وکتابت کریں نہ ہم شاعر نہ ہم کو ان اصولوں سے بحث معترض صاحب جانیں اور مسٹر مسعود! نظم یہ ہے۔

عزیزو دوستو دل سے سنو یہ سوز پنہانی ... کہ اسمیں نہیں کچھ بھی بلاغت کی درفشانی
ڈنر کو دیکھکر کیسی ہوئی کل مجھکو حیرانی ... بیاں کرنے پہ گر آؤں تو ایک قصہ ہے طولانی
سنا کرتے تھے ہوگا خوب باشوکت ڈنر اب کے ... بہت ہی ہوگی عیاشی یہ نگرانی یک افغانی
خدا جانے کہ کیوں گھبرا گئے پیران نابالغ ... نہ تھی کچھ خشک سالی جس سے ہوتی اُن کو حیرانی
اگر کھانا پھر اگلے سال بھی ایسا ہی ہوئیگا ... تو ہم میں سے بہت لوگوں کی گویا جان ہے جانی
کھلائی کھچڑی ارہر کی پلائی سونٹھ کے چھوارے ... پکوری سخت کھلوا کے کھلائی اسپہ ترکاری
دہی میں کچھ بڑے تھے اور کچھ چھوٹے سے لڈو تھے ... ملا آلو کا بھرتا اور تھی ڈھینڈس کی ترکاری
غرض کھانا نئے ہی ڈھنگ کا پکا تھا کچھ اب کے ... نہ انگریزی نہ ہندوانی نہ ترکی اور نہ ایرانی
متنجن گرم ہوتا اور ہوتیں چٹ پٹی چیزیں ... ڈبل روٹی کے کچھ میٹھے سے ٹکڑے ہوتے لاثانی
یہ کیا حرکت تھی کیوں کھانا پکا ایسا کہو یارو ... نہ بورانی نہ بریانی کہ یعنی اس کے کیا معنی
غضب اس پر ہوا ایسا کہ لمبی لمبی اسپیچیں ... جو کہنے کو کھڑے اکثر ہوئے پر جوش سیلانی
کرم ہم پر میاں مسٹر محمدؐ آکسن کا تھا ... تصدق ہو گئے ہم سب یہ دکھایا جوش انسانی
لگے گردن ہلانے کوئی اپنی ہیٹ کے نیچے ... نہ کھانے پائے تھے ورنہ نہ پینے پائے تھے پانی
ادھر کونوں سے آوازیں بھی کچھ آنے لگیں ایسی ... کہ جیسے ڈوبتے ہوں چیختے ہوں کہ رو رہے ہوں کچھ بنگالی
منیجر کمپنی میرٹھ جو ہیں کاؤس جی صاحب ... برابر داد دیتے تھے کھڑے آصف زمال ثانی
غرض ہم ایسی تکلیفیں اُٹھاکر آج جاتے ہیں ... کہ جیسے ممبر کونسل کو ہوئے مفت حیرانی

اولڈ بوائز

مسٹر سید مسعود الحسن صاحب سابق (؟) کی کپتان نے عرصہ تک سرکاری کام (آنریری ڈپٹی کلکٹری) خزانہ پر بوجہ ڈالے بغیر کانپور میں کیا تھا۔ اب معتبر ادمی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہ پروبیشنری ڈپٹی کلکٹر مقرر ہو کر ابٹہ آ گئے ہیں۔ کانپور میں اولڈ بوائز کا ایک بڑا مجمع ہے اور اُسے چھوڑتے ہوئے اُن کے دل کو ضرور تکلیف ہوئی ہوگی مگر یہ جدائی بہتری کی خاطر تھی۔ مسٹر سید محمد خاں اور مسٹر حسن محمد خوش ہیں کہ اُن کی جماعت میں ایک اچھا اضافہ ہوا۔ ہم مسٹر مسعود کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کام اچھی طرح کرنا۔ خبردار!

ہم اپنے اس نمبر میں اپنے عزیز دوست مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کی صاحبزادی کے تولد کی خبر درج کر کے اُن کو مبارک باد دینے کو تھے کہ ہمیں بچی کی وفات کی اطلاع ملی، ہمیں مسٹر سجاد اور ان کی اہلیہ سے اس غم میں ہمدردی ہے۔ اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ دونوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خبر ہے کہ مسٹر سید محمد مستحسن صاحب زیدی آیندہ اکتوبر میں وطن آنیوالے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے اور زیادہ مسرت ہوئی ہے کہ وہاں وہ نہایت خاموشی کے ساتھ طالبعلمانہ زندگی بسر کرتے رہے ہیں اور نماز کسی حالت میں بھی قضا نہیں ہوئی۔ ہم اپنے عزیز دوست کے لئے چشم براہ ہیں۔

ہم پریس پر جانے ہی کو تھے کہ ہمیں خبر ملی کہ مسٹر احسان عظیم (بریلی)، مسٹر جعفر علیخاں ہنی (میمن سنگھ) اور مسٹر سید منظر علی (پھپوند) کے یہاں سواسوپہر نور برسا۔ آخری دو صاحب تو بچ گئے ہیں مگر مسٹر احسان عظیم سے بریلی کے اولڈ بوائز مٹھائی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ ہم بھی اُنکے ہم خیال ہیں۔

ہمیں یہ سنکر مسرت ہوئی کہ "اولڈ بوائے" کے پرجوش قلمی معاون مسٹر سلطان حسن جوش بلگرام ضلع ہردوئی کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اُن سے قطعی اُمید ہے کہ اپنے کام کو نہایت محنت اور دیانت سے کریںگے "نہ ہر اسم نہیں مانگے" مضمون بھیجدیں۔

ہمیں یہ معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی کہ ہز آنر لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ نے ہمارے عزیز دوست مسٹر قاسم حسین (ڈپٹی کلکٹر متھرا) کے اُن خدمات کا اعتراف کیا جو اُنھوں نے آنولہ ضلع بریلی میں کنگ ایڈورڈ میموریل اسکول کے متعلق کئے ہیں۔

مسٹر اشہد حسین قدوائی سنا جاتا ہے کہ اٹاوہ سے متھرا تبدیل ہو گئے اور اُن کے کام کا جائزہ مسٹر اکرم خاں نے لیا۔ مسٹر سید اشفاق حسین نے گونڈہ کی بستی بسائی ہے۔ دونوں کے جانے کا مقامی احباب کو افسوس ہے۔

مسٹر محمد الحسن سے ہمیں شکایت ہے کہ اُن کا تبادلہ فیض آباد سے سہارنپور کو ہوا مگر وہ جاتے ہوئے ہم سے مل کر نہ گئے۔ خیر! یا زندہ صحبت باقی، کبھی

ہم بھی وہاں آکر مل لیں گے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے دفتر میں کام کی اس قدر کثرت تھی کہ آنریری سکرٹری، جوائنٹ سکرٹری اور اُن کے عملہ کے لوگ نہایت محنت مگر وقت سے روز کا کام ختم کر سکتے تھے۔ ان سب کے حال زار پر رحم کھا کر اولڈ بوائز کی سٹینڈنگ کمیٹی نے ایک مددگار افسر کے تقرر کی منظوری دیدی جسے ایک سالانہ جلسہ میں جملہ اولڈ بوائز نے منظور فرمایا تھا۔ اور خیال تھا کہ مسٹر ایچ ایم حیات اس جگہ پر مقرر ہونگے مگر ہمارے کالج کے آنریری سکرٹری صاحب نے انھیں اپنے زیر اشاعت میں لے لیا ہے۔ ہم نہایت خوشی سے اپنے ناظرین کو اطلاع دیتے ہیں کہ مسٹر حکیم محمد شجاع صاحب نے اس جگہ کو قبول کر لیا ہے اور اب اپنے عہدہ کا کام نہایت محنت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ مسٹر احمد شجاع نے ہمارے کالج سے ایف۔ اے کا امتحان نمود کے ساتھ پاس کیا تھا اور اس سال میرٹھ کالج سے بی اے کا امتحان دیا ہے۔ کالج میں مسٹر احمد شجاع جو اسکالر رہ چکے ہیں اور لٹریری سوسائٹی کے نام سے جو انجمن ہمارے یہاں تھی اُسکے وائس پریذیڈنٹ تھے۔ میرٹھ کالج میں وہ ہیر نگٹن اسکالر رہے ہمارے ایسوسی ایشن کو اُن سے بہت مدد ملے گی اور جو تجویزیں اب تک زیر غور تھیں اُن پر جلد عملدرآمد کیا جائے گا۔

ہمارے کالج کے سابق طلبا کی ڈائرکٹری تیار ہو گئی قیمت عہ/

"مسٹر راس مسعود"

آج ہم اپنے نہایت ہی پیارے بھائی اور کالج کے سب سے زیادہ برگزیدہ فرزند مسٹر راس مسعود کی "تصویریں اس رسالہ کے ساتھ چھاپتے ہیں۔ جو شخص ہمارے کالج کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہوگا وہ مسٹر راس مسعود کو ضرور جانتا ہوگا۔ پہلی تصویر ہمکو وہ زمانہ یاد دلاتی ہے جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے دوسری تصویر ہمارے سامنے وہ پر امید مستقبل پیش کرتی ہے جب وہ اپنی ذاتی لیاقت اور اپنا قیمتی وقت اپنے کالج کے لیے صرف کرسکیں گے۔ ایک تصویر گزشتہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے اور دوسری آیندہ کی اُمیدوں کو واثق۔ کیا ہی پیارا تھا وہ وقت جب کالج کے احاطہ میں سفید گھوڑوں کی جوڑی پر ایک طرف سرسید کا بارعب اور پر شوکت چہرہ نظر آتا تھا اور دوسری طرف راس مسعود کی معصوم اور پیاری صورت! کیسا مبارک ہوگا وہ زمانہ جب مسٹر راس مسعود "آیندہ مسلم یونیورسٹی" کے "افسر اعلیٰ" کی حیثیت سے اپنے دادا کے قایم کردہ نصب العین کی تکمیل میں کوشاں ہونگے! ہماری آنکھیں گزرے ہوئے زمانہ کو ڈھونڈھتی ہیں ہمارے دل آنیوالے زمانے کے منتظر ہیں۔ ایک طرف سے ہم مایوس ہوتے ہیں تو دوسری طرف امید مشعل لئے ہوئے راستہ بتانیکو تیار ہے۔ اسپر سید کی اسوقت دو زبردست یادگاریں ہمارے سامنے ہیں۔ کیا ہماری یہ امید بیجا ہے کہ انمیں سے ہر ایک دوسرے کی شہرت اور ناموری کو بڑھائیگی اور مستحکم کریگی؟ خدا وہ دن جلد لائے جب کالج مسٹر راس مسعود سے اور مسٹر راس مسعود کالج سے اپنا اپنا حق پائیں اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اور کل قوم کے لیے باعث فخر ہوں۔ آمین

مسٹر راس مسعود کی وجہ تسمیہ

ازنواب شاہ خاں صاحب خسرو باغ رامپور

ماہ اکتوبر و نومبر کے اولڈ بوائے میں کسی صاحب نے مسٹر راس مسعود کی چند وجوہ تسمیہ بیان فرما کر دریافت کیا ہے کہ ان میں سے کونسی وجہ تسمیہ درست ہے۔

قبل اس کے کہ اس کے متعلق میں کچھ لکھوں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ سائل صاحب کی بیان کردہ وجوہ تسمیہ میں سے کوئی بھی درست نہیں ہے اور یہ کہ بہت کم لوگوں کو انکی وجہ تسمیہ معلوم ہے۔ واضح ہو کہ پورا نام راس مسعود دو اجزا سے مرکب ہے۔ ایک راس اور دوسرا مسعود۔ مسعود سے پہلے ایک غیر مانوس لفظ راس کے لگانے کی یہ وجہ ہے کہ راس صاحب ایک مسٹر تھے جو سید محمود صاحب کے بڑے دوست تھے۔ انھوں نے مسٹر راس مسعود کو god son بنایا تھا اسی وجہ سے مسعود سے پہلے راس ایزاد کیا گیا۔ دوسرا جزو مسعود ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مولوی مسعود شاہ خاں صاحب مرحوم جو بھائی صاحب محمد محمود شاہ خاں صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل علی گڑھ کے والد اور راقم الحروف کے چچا تھے اور جنھوں نے کالج کے بالکل ابتدائی زمانہ میں سید صاحب کو دست راست کا کام دیا ہے، ان سے اور سید محمود صاحب سے برادرانہ تعلقات تھے۔ بجنور میں بچپن میں دونوں ساتھ کھیلے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بجنور میں سید صاحب تو صدر امین اور راقم الحروف کے دادا تحصیلدار تھے۔ ولایت جانے سے پہلے سید محمود اور مسعود شاہ خاں میں عہد ہوا کہ دونوں میں سے جس کا لڑکا پہلے پیدا ہو اس کا نام دوست کے نام پر رکھا جاوے۔ چنانچہ پہلے مسعود شاہ خاں کے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا اور شاہ لفظ خاندانی بدستور رہا۔ بعد وفات مسعود شاہ خاں کے سید محمود کا صاحبزادہ پیدا ہوا

انھوں نے بہ ایفائے عہد سابق لڑکے کا نام مسعود رکھا۔ ایک روز بھائی صاحب سید محمود صاحب سے ملنے گئے اور لوگ بھی بیٹھے تھے مرحوم نے حسن صباح اور عمر خیام اور نظام الملک تینوں میں اُس عہد کا ذکر کیا جو ہوا تھا اور اُس کے بعد اِس مسعود اور محمود شاہ خاں صاحب کے ناموں کی وجہ بیان کی اور حاضرین میں سے

ایک کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ کیوں جی مجھ میں اگلے بزرگوں کی بو ہے یا نہیں! (گویا بچپن کا عہد میں نے پورا کیا) اُن صاحب نے جواب دیا جی ہاں۔ پھر دوسرے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں جی ہے نا۔ ہے نا۔

اُمید ہے کہ مندرجہ بالا سطور سے سائل صاحب کی کافی تسلی ہو جاویگی۔ اگر اولڈ بوائے نے اجازت دی تو انشاء اللہ تعالیٰ اُس کے اگلے نمبر کے واسطے ایک دلچسپ قصہ سید محمود صاحب اور راقم الحروف کا جسمیں وہ مرحوم کے زبردست سونٹے سے بال بال بچا تھا بھیجونگا۔

ہمیں امید ہے کہ مسٹر ایوب شاہ خان صاحب اس قصہ کو ہمارے پاس ضرور روانہ فرمائینگے ۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنے مضمون کی آخری سطور میں کیا ہے۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۶)

اولڈ بوائے

جلد ۳ جون و جولائی سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۱۰ و ۱۱

اڈیٹر

مسٹر شوکت علی بی۔ اے

فہرست مضامین

تصویر آفتاب

باہتمام محمد عنایت خانصاحب

مطبوعہ مطبع ریاض ہند علی گڈھ

حسب ایماے مولوی سید منظور علی صاحب منیجر اولڈ بواے علیگڈھ سے شائع ہوا

اولڈبوائے

اپنے ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلباء مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُسکی ترقی کے لئے ہر طرح کوشاں رہنا۔

۲ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قایم رکھنا اور اُنکو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور کالج" کی مالی مدد کے لئے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی و تسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اپنے ہمارے کالج کے قایم کرنے سے کیا

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ مینیجر اولڈبوائے" علیگڈھ سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ" اڈیٹر اولڈبوائے" علیگڈھ آنا چاہیئے۔

اسی طرح ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلے کے لئے اخبارات ورسائل بھی۔

منتظمان اولڈبوائے" ہر وقت مشورہ و رفع شکایات کے لئے تیار ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ آپنے پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر





Photo. Mech. Dept., Thomason College, Roorkee

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُولڈ بوائے

ایک کرکیٹ ڈنر

کیفیت چشم اُسکی مجھے یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لیتا کہ چلا میں

کسی ۲۲- فروری کی رات کا خیال جب آتا ہے ایک نیا ہی سرور ساتھ لاتا ہے- تڑپا دیتا ہے- لوٹا دیتا ہے وہ مزا دیتا ہے کہ بیان سے باہر- ایسی ہی راتوں کے تصور میں وہ طاقت ہی جو دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور تا دم زیست کالج کی محبت ہمارے دل میں قایم رکھتی ہے- یہ رات بھی عجیب رات تھی- قربت رہنا — کامیابی کی اُمید- ناکامی کا ڈر ہمیشہ اس موسم میں کالج کی چہل پہل موقوف کر دیتا ہے ہنسی مذاق کی صحبتیں سرد پڑ جاتی ہیں- کوئی آٹھ بجے رات کے بعد اگر اس بارگ سے اُس بارگ تک کسی بورڈنگ میں متعدد چکر لگا سے تو ایک آواز بھی مشکل سے سنے- مگر ہم خوش ہیں کہ اس موسم میں بھی ایک آدھ واقعہ ایسا ہو جاتا ہے جو قابل یاد- مسرتوں کا سر چشمہ اور ولولوں کا اُبھارنے والا ہوتا ہے-

ایسا ہے بلکہ اس سے بڑھ چڑھکر کرکٹ کا سالانہ ڈنر ہے جو بائیس فروری کی رات کو سالار منزل کے نئی ڈائننگ ہال میں دیا گیا۔ کالج میں ڈنر تو ہوا ہی کرتے ہیں اور ہوتے رہیں گے مگر جو بات اس ڈنر میں نکلتی تھی وہ ابتک بڑے بڑے ڈنرس میں بھی نہ نکلی ہوگی۔ سالار منزل کا اگلا کمرہ ڈرائنگ روم بنایا گیا تھا قرینہ سے سوفا۔ کرسیاں چھوٹی میزیں لگائی گئیں تھیں کہ مہمان ڈنر شروع ہونے تک یہاں تشریف رکھیں آپس میں ہنسیں بولیں سگریٹ سگار کا شوق فرمائیں ڈرائننگ روم کی خوبصورتی اور بڑھانے کو پام کے درخت خوشنما گملوں میں موقع بموقع رکھ دیئے گئے تھے جنھوں نے آرایش کو دوبالا کردیا تھا اور آنکھوں میں پائیں باغ کا سماں کھینچ رہے تھے اندر کا کمرہ ڈائننگ روم تھا اسکی دیواروں پر کرکٹ ٹیمیں کے گروپ نہایت خوش اسلوبی سے لٹکائے گئے تھے جو داخل ہونے والے کو بیساختہ اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے اور ہمارے دلوں میں دور افتادہ بھائیوں کی یاد تازہ کر رہے تھے - زبان بیزبانی میں کویا تھے کہ بھائیو ہمیں نہ بھولنا آج جو عزت کالج کو حاصل ہے اسمیں تم سے کہیں زیادہ ہمارا حصہ ہے۔ جس پر تم فخر کر رہے ہو وہ ہمارے ہی کارنامے ہیں۔ اگرچہ ہم اسوقت تمسے دور ہیں مگر ہمارے دل تمہارے ہی ساتھ ہیں ہماری خواہشات تم سے وابستہ اور ہماری آبرو تمہارے ہاتھ ہے۔

میزوں کی سجاوٹ کا بھی نیا ڈھنگ تھا سفید چادریں بچھائی گئیں تھیں اور اپنر سبز سُرخ اور سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے کپڑے اس طرح سے جمائے گئے تھے کہ میزیں گلاب کے مختلف رنگوں کے پھولوں سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ کرکٹ کلران میزوں پر جو بہار دے رہا تھا اسکا لطف تو کچھ انھیں لوگوں کے حصہ میں ہے جو اسوقت خوش قسمتی سے موجود تھے - ہم الفاظ کے ذریعہ سے وہ دلچسپ سین آپ کے آگے پیش نہیں کر سکتے اور نہ آپ کو وہ لطف آسکتا ہے - اگر اسکی بہار دیکھنا ہے تو ایک سال

انتظار کا صدمہ اُٹھایئے اور تیسرے سالانہ ڈنر کے انتظار میں کروٹیں بدل بدل کر سویرا کیجئے۔ یہی نہیں سجانے والوں نے ایک غضب اور کیا تھا کہ چھوٹی چھوٹی شیلڈیں جو ہر ممبر کو سال گذشتہ نینی تال پر ملی تھیں اور نامی کرکٹرس کے بسٹ جو موجود تھے میزوں پر جگہ جگہ رکھ دیئے تھے اس طرح کھانے والوں کے دلوں میں غیر حاضر بھائیوں کی یاد تازہ رکھی تھی۔ لقمہ ہاتھ میں ہوتا تھا اور آنکھ اوپر۔ آہ! کیا ہی نظارہ تھا

دنیا میں رنج و الم۔ مسرت و انبساط کا چولی دامن کا ساتھ ہے جہاں گل ہے وہاں خار بھی ساتھ ہی ساتھ ہے منتظمین کی خوشی خوبی انتظام سے حد کو پہونچی ہوئی تھی کہ رنگ میں بھنگ کی مثل صادق آئی ڈنر سے کچھ دیر قبل مسٹر گولڈی صدر انجمن کرکٹ کلب کی یکایک ناسازی مزاج کی خبر آئی سب کا کلیجہ دھک سے ہوگیا اور بے نوشہ کی برات رہ گئی۔ مسٹر گولڈی کرکٹ کلب میں جیسی کچھ دلچسپی لیتے ہیں اُسے ہمارے برادران خوب واقف ہیں۔ کوئی اُن لوگوں کے دلوں سے پوچھے جو گذشتہ سال بمبئی ٹور پر گئے تھے کہ مسٹر گولڈی کیا چیز ہیں۔ ڈنر کی طیاری میں صاحب موصوف نے بہت کوشش کی تھی اور ہر طرح کی مدد دینے میں دریغ نہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپکا نہ ہونا کس قدر نہ کھلا ہوگا عین موقع پر کیا ہوتا جوں توں کرکے ڈنر شروع ہوا اور پروگرام کے مطابق کھانے آنا شروع ہوئے۔ سنتے ہیں کہ سوڈا واٹر کا بھی دور چلا مگر ہماری قسمت میں تو خیرات ہی بدی تھی "کوا پورا" پر قناعت کرنا پڑی صاحبزادہ صاحب کے ساتھ۔ شکر قند کا دور بھی غائب ہوگیا۔ خدا نے بڑا فضل کیا کہ مسٹر گولڈی کے ساتھ بریانی نے وفا نہ کی۔ ورنہ سب کا فیصلہ ہی ہوگیا تھا اور بارہ بجے اسٹیشن پر پوریاں بھی نہ ملتیں۔ کالج والا اتنی دیر تک دوکان کیوں کھولے رہتا۔ لامحالہ صبح تک کڑاکا ہی کرنا پڑتا۔

کھانا ختم ہوا۔ مسٹر ٹول کھڑے ہوئے۔ اور فقیر محمد صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت

کو کہا۔ دورانِ تلاوت میں سب لوگ سروقد کھڑے رہے۔ پیٹ بھرے پر اللہ کو یاد کرنا بڑی بات ہے۔ یہ کرکٹ کے حق میں ضرور باعث برکت ہوگی۔ آمین۔ مسٹر نول نے گولڈ می صاحب کی عدم موجودگی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اُنکی خدمت کو اپنے ذمہ لیا اور ہز امپیریل مجسٹی حضور جارج پنجم کا جام صحت تجویز کیا جو نہایت جوش و مسرت کے ساتھ پیا گیا۔ اسکے بعد "ڈیر کالج" ہمارے نوجوان دوست مسٹر حیات تجویز کرنیکو کھڑے ہوتے ہیں اُمید تھی کہ ہمارے دوست پہلے دار تقریر کر کے ہنسینگے اور ہنسائینگے کالج کی محبت کا اظہار دلچسپ لفظوں میں کر کے ہم سے اپنی تعریف کرائینگے۔ ہمارے دوست غضب کے بھر دیے ہیں۔ عرصہ سے کرکٹ کے شیدا ہیں عرصہ تک رہنے کی اُمید ہے۔ مجنوں کا جولان گاہ عشق صرف نجد کے بن تک محدود تھا مگر آپ کرکٹ کے عشق میں نہایت متانت کے ساتھ بمبئی تک چلے جاتے ہیں اور سلامتی کے ساتھ واپس بھی آجاتے ہیں۔ یونین میں بھی انکی طوطی بولتی ہے اور آجکل اسکول میں بھی قابلیت کی دھاک ہے اُسیطرح یہ کہ لوفرون میں بڑا مرتبہ پائے ہوئے وزیر ہیں (تو یہ تو میں بھلا شفقت کی بات یاد آگئی کہ لوگ لوفر کہیں مگر ہمتو ویٹرن کہتے ہیں) اقبال کے مداح کیسے یوں کہے کہ راز دار خفی و جلی ہیں۔ خیال تھا کہ اتنا تو ضرور کہیں گے۔

شمع ہوکر سوز سے جسوقت تو خالی رہا ‏ ‏ تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

مگر من درچہ خیالیم فلک درچہ خیال۔ آپ کو کہیں اور خطابوں کے ساتھ۔ خوش وضعی نفاست اور فیشن کا میدان مار کر لارڈ کا بھی خطاب مل گیا ہے لگے لارڈ بیت بگھارنے بلند پروازی شروع کر دی اور کلام بعد طعام کا منشا رموز و نکات پر بحث کرنا سمجھ لیا ہمیں سخت تعجب تھا کہ آج حضرت کا رنگ کیوں بدلا ہے۔ کچھ دیر بعد رنگ کاٹنے کی کوشش تو بہت کی مگر وہ گہرا ہی ہوتا گیا۔ صبح ایک صاحب نے مزیدار لطیفہ کہا کہ مصحفی مشاعرہ میں گئے غزل پڑھی کسی نے سرتک نہ ہلایا۔ بڈھے نے غزل زمین پر پٹک دی

اور کہا کہ روئے ہلاکت سیاہ اب یہ نوبت پہونچی کہ تعریف کرنا تو درکنار کوئی سرتک
نہیں ہلاتا جب لوگوں میں چرچا ہوا تو بھید کھلا کہ اوائل عمری میں شادی کی سب
اوّل تو سالار جنگ بہادر چیدہ چیدہ اشعار چھانٹ لیتے ہیں پھر کوئی ۹ کوئی ۱۰ کوئی
۷ اشعر کی غزل ۸ ر ۱۲ ر روپیہ دیکر بیچا اسنے جو بچتا ہے اُس میں یہ بیچارے نون
مرچ لگاکر غزل طیار کر لیتے ہیں۔ ہم نے یہ لطیفہ مسٹر حیات سے کہا وہ تو ہنس کر
ٹال گئے ممکن ہے انکا کلام بھی بکتا ہو۔

اسکا جواب عالیجناب نواب اسحاق خانصاحب بالقابہ نے موثر پیرایہ میں
دیا خاص کر کرکٹ میں جو الفاظ مستعمل ہیں وہ موقع بموقع استعمال کرنے سے ہمنے
سمجھ لیا کہ صاحب موصوف کو اس کھیل سے خاص دلچسپی ہے اور ممکن ہے کہ جوانی
میں اس کھیل کو کھیلے بھی ہوں جو مفید نتائج اس کھیل سے جناب نے نکالے وہ
تقریرے حرفوں میں لکھنے کے قابل ہیں ہم لوگوں کو جو نصائح فرمائے وہ نہایت مفید
اور کارآمد ہیں۔ ہر کرکٹر کا فرض ہے کہ وہ انکو اپنے پیش نظر رکھے اور اس کھیل سے
ایسا سبق حاصل کرے جو دنیا کے میدان میں ہر مشکلات کا سامنا کرنے کو تیار کردے۔

دوران تقریر میں سگریٹ اور سگار کے بکس گردش میں رہتے تھے اکثر لوگوں کے
منہ سے دھوئیں نکل نکل کر سرکل بناتے تھے مگر ہم سے محرومان ازلی کے دہن سے
دود آہ نکل نکل کر پاس والوں کو اور پھوک رہے تھے۔ مگر خیر اپنی اپنی قسمت۔

اسکے بعد لسان زماں مسٹر شوکت علی خاں کرکٹ کلب کا جام صحت تجویز کرنیکو
کرسی پر سے اُٹھے۔ اور ایک سیدھے دار تقریر کے شروع ہی میں ۲ بجے تک پرانے
قصہ سُنانے کی دھونس دے بیٹھے مگر پھر کچھ ظہور وارڈ کے بچوں پر ترس آیا کچھ
امتحان میں جانیوالے طلبار کے حال زار پر رحم کھایا اور اپنی تقریر کو اگر جلدی نہیں
تو دیر میں ختم تو کر دیا ورنہ اگر وہ قصہ بیان ہی کرتے رہتے تو کوئی اُنکا کیا کر لیتا۔

تقریر کے شروع ہی میں یہ بھی فرمایا کہ میں سینیر (لفظ سینیر میں نہ معلوم کیا تاثیر تھی کہ تمام طلباء کی نگاہیں قاضی مسٹر مقبول حسین انصاری گنگوہی پر پڑنے لگیں) ہونے کے لحاظ سے اس جام کے تجویز کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں کہتے تو کہہ گئے مگر بائیں پر جو نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ مسٹر سرفراز خاں بھی رونق افروز انجمن ہیں گویا ہوئے کہ مجھ سے زیادہ سینیر یہ ہیں اور پھر گلزار دبستان کا دوسرا جزو شروع ہوگیا۔ اور انکے کارنامے بیان ہونا شروع ہوگئے جو موجودہ طلبہ نے ذوق وشوق سے سُنے خصوصًا اس نامی ہٹ نے جس نے گیند کو مینی تال کی جھیل دکھادی تھی عجب کیفیت پیدا کردی اور اتنی مدت کے بعد تمام حضار سے پھر تالی پٹوادی۔ خانصاحب اسوقت تک کرکٹ میں ویسی ہی دلچسپی لیتے ہیں اور سب اُنھیں خوب جانتے ہیں مگر اس تذکرہ نے اُنکا سکہ پھر سے جمادیا اور لوگوں پر ظاہر کردیا کہ جو آج دس قدم بھاگنے میں سخت تکلف کرتا ہے وہ اب سے ۱۳ یا ۱۴ سال پہلے لانگ آن کی ڈیوٹی کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ اسکے بعد ہمارے کالج کے تین مشہور کھلاڑی بھائیوں کیطرف روئے سخن ہوا۔ اور آنریبل مسٹر رفیق۔ مسٹر حامد اور مسٹر محمود کے کارنامے بیان ہوئے پھر مرحوم عبداللہ کی یاد تازہ ہوئی ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

غرض یوں ہی ہوتے ہواتے مسٹر سعید محمد خاں اور مسٹر علی حسن کے پیام تک آئے اور انکی طرف سے اُنکی غیر حاضری کی معذرت کرکے پھر کرسی پر رونق افروز ہوگئے۔ بہت افسوس ہے کہ ہم آپکی تقریر کی پوری حالت لکھنے سے قاصر ہیں کر کرس یقین کریں کہ انھوں نے کسی کو چھوڑا نہیں۔ ہم نے سمجھ رکھا تھا کہ مسٹر شوکت مسٹر سرفراز خاں کے سیدھے ہاتھ پر سرہ کا نی کھا لیا ہوگا مگر بعد کو معلوم ہوا کہ ہمارا خیال محض مغالطہ ہی مغالطہ تھا۔ جس بیدردی سے اُنھوں نے تقریر کی اُس کو راز کھلا۔ منتظمین خدا کے واسطے ان دونوں دوستوں کو برابر نہ بیٹھنے دیں جب یہ بیٹھنے کو ہوتے ہونگے۔

وہ نیچے ہی سے کہدیتے ہونگے کہ یار وہ واقعہ

کپتان وحید نے اسکا جواب شکریہ کے ساتھ دیتے ہوئے کرکٹ کلب کی رپورٹ پیش کی اور کرکٹ لان کی حالتِ زار پر اشک فشانی کی۔ الفاظ کی بندش نہایت چست تھی اور طرز بیان بھی دلپسند۔ ہمیں امید ہے کہ ذرا سی محنت کے بعد خاصی تقریر کر لیا کرینگے۔ ابھی یہ بیٹھے ہی تھے کہ سکرٹری صاحب (مسٹر زین العابد) اُٹھ کھڑے ہوئے اور سوکھے منہ سے دوسرے کھیلوں کا جام نوش فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ لوگ پھر کھڑے ہوئے اور اس جام کو بھی مسرت کے ساتھ غٹا غٹ چڑھا گئے۔ دوسرے کپتانوں کو بھی شکریہ ادا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سب سے پہلے ہاکی کے کپتان مسٹر محبوب عالم شیر افگن کھڑے ہوئے اور شکریہ ادا کرنے میں بھی اپنی پھرتی کی جھلک دکھا کر غائب ہونے کو ہی تھے کہ فٹ بال کپتان مسٹر واجد حسین زاید کھانے کا عذر کرتے ہوئے برآمد ہوئے اور جوں توں کر کے شکریہ ادا کرنیکی آفت کو ٹال گئے ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ٹینس سکرٹری مسٹر بذل الرحمن نے بھی اختصار سے کام لیا اور ہم تینوں صاحبان کے وقت کی قدر جاننے سے نہایت خوش ہیں۔

مسٹر خیرات علی نے مسٹر گولڈی کا جام صحت تجویز کیا مگر رُک رُک کر اسوقت مسٹر گولڈے کا نہ ہونا اور بھی زیادہ برا معلوم ہوا۔ اور پرنسپل صاحب کو انکی طرف سے شکریہ ادا کرنے کی تکلیف اُٹھانا پڑی۔ اسپیچ تو خیرات علی صاحب کی بھی معقول رہی مگر کام کی وجہ سے فرصت نہ ملی حقیقت میں انھوں نے بہت کام کیا۔ کئی مرتبہ تو ٹم ٹم پر سوار ہو کر شہر گئے۔

مہمانوں کا جام صحت تجویز کرنا اسکول کپتان مسٹر اقبال علی شاہ کے ذمہ تھا انھوں نے بھی اپنے فرض کو خوب ادا کیا اور تعریف کے مستحق ہیں ماشاء اللہ حافظ

اچھا ہے اس سال ضرور کامیاب ہونگے - اسکا جواب محمد حسن صاحب بلگرامی نے دیا جو سننے سے تعلق رکھتا تھا مناسب وقت اور حسب موقع تھا۔ صاحب موصوف نے بتا دیا کہ لوگوں کو کھانے کے بعد ایسی تقریریں کرنا چاہیئے۔ میجر صاحب نے اپنی کرکٹ کھیلنے کی سرگذشت بیان فرمائی اور مسٹر شوکت علی خاں اور مسٹر سرفراز خاں کے سینیری کے ترنم کو باطل کردیا اپنے چین کے میچ کا ایک لطیفہ بیان کیا کہ ہماری فوج چین میں ٹھہری ہوئی تھی فرصت کافی تھی افسروں اور سپاہیوں میں کرکٹ میچ طے ہوا چونکہ افسروں میں ایک ممبر کی کمی تھی اس لئے کمانڈر نے آپ سے بھی کھیلنے کو کہا اوّل تو آپ نے انکار کیا مگر اُسکے اصرار سے راضی ہوگئے۔ ایک یا دو لیپیٹ کر باؤنڈری لگائیں اوسکے بعد گیند اونچی اُچھلی آپ اس خیال سے کہ کیاپ لی جائیگی وہیں کے وہیں کھڑے رہے اور دوسرا ساتھی اپنی جگہ سے بھاگ کر آپکی طرف آگیا گیند تو چھوٹ گئی مگر آپکا ساتھی رن آؤٹ ہوگیا۔ آپنے یہ بھی فرمایا کہ جب آپ کے برادر معظم کلکتہ سے تعطیل میں وطن تشریف لاتے تھے تو آپ سب بھائی ملکر گیند بلّا کھیلا کرتے تھے - واقعہ معلوم ہوکر ہمارے علم میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ہوا کہ کرکٹ کو آپ ایسی اور لائق بھائیوں کے کھلانیکا بھی فخر حاصل ہے

اسکے بعد ماسٹر جلال الدین صاحب نے ایک دلچسپ نظم پڑھی اور لوگوں کو ہر شعر پر ہنساتے ہنساتے لوٹا دیا خیرات علی صاحب کی طرف اشارہ کرکے ایک سبق بھی دیا کہ ٹیم کے ساتھ واپسی کا ٹکٹ لیکر جانا پڑتا ہے اور مجبوراً دل پر جبر کرکے اکیلے لوٹنا پڑتا ہے اسکے بعد مسٹر غلام پنجتن اُٹھے ہم سوچتے تھے کہ جتنا لوگوں کو ہنسنا تھا ہنس لئے اب یہ کالج ربن اور ڈنر سوٹ سے بہار دکھا کر بیٹھ جائیں گے مگر ظالم نے تو غضب کی شان دکھائی۔ اور نظم کا تعارف ان الفاظ میں حاضرین سے کرایا۔

ایک نظم پڑھی جا چکی ہے اُردو شروع ہو ہی گئی اب انگریزی بولنے سے کیا فائدہ

ظاہر ہے کہ بندہ انگریزی بول لیتا ہے۔ اور کیوں نہ بول ے کم سے کم گریجویٹ تو ہے ہی۔ پہلے میں ہنس لیا کرتا تھا اور رہنسا دیتا تھا مگر کرکٹ کی حالت بتر ہوئی تو بندہ کو بھی یاس و حرماں کے بادلوں نے گھیر لیا اب وہ دن کہاں کہ مینوں اور آپ کو عالم یاس میں لیلائے کرکٹ کا دامن پکڑ کر شکوہ شکایتوں کا دفتر کھول دوں۔ جو کچھ گفت وشنید ہوئی حاضر ہے۔ کرکٹ کے شیدا دہیان دیکر سنیں اور عمل کریں۔

ہمیں نظم مل گئی جو ہدیہ ناظرین ہے اسکے بعد جلسہ ختم ہوا اور حاضرین رخصت ہوئے

ہماری رائے میں کرکٹ کے ڈنر کی تاریخ ایسی رکھنا چاہیئے کہ باہر سے بھی جو ہمارے کرکٹر بھائی آنا چاہیں وہ بھی شریک ہوسکیں اور انہیں یہہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ "فصل تو ہے ہی دور بھی نہیں ہے" اگر معلوم ہوتا تو شریک ہوتا۔ ہمارے دوسرے بھائیوں کی شرکت سے ڈنر کا لطف دوبالا ہو جائیگا۔

یہ اک روز لیلائے کرکٹ سے پوچھا
وہ اگلی سی ہمپر عنایت نہیں ہے
کرو یاد وہ دن کہ سرتاج ہم تھے
رقیبوں سے نفرت تھی ہمسے تھی الفت
نہ تھی چاہنے والوں کی گو کمی کچھ
نہیں ہمتکو پروا کسی کی مگر تھی

کہ کیوں آپنے ہم سے تیور ہے بدلا
ہماری خبر تک نہیں لیتے اصلا
ہمارا ہی ہر جا پہ کرتے تھے چرچا
نہ تھا ہمسے ظاہر و باطن میں پردا
لئے پھرتا ہر ایک تھا گیند بلا
نگاہیں ہمیں پر تھیں امید افزا

غرض ہند میں جو بھی کچھ تھے وہ ہم تھے
جو تھے اور وہ مارے مارے تھے پھرتے

مگر پیر حضرت نے اب ہیں نکالے
کبھی اگرہ اور کبھی بمبئی سے
ہوئی شرکی ٹوپی سے اسد رجہ نفرت

کچھ انداز ہی آجکل ہیں نرالے
او. اب انڈمن آپ ہیں جانیوالے
پسند آگئے آپ کو تنبو والے

بڑھایا بہت پیار کشمیریوں سے
کبھی منگنس سے لڑاتے ہو آنکھیں
ہوئے تم تو پابند ظلم و ستم اب
نظر چڑھ گئے اب تو پٹیالے والے
کبھی کرتے ہو پارسی سے اشارے
کوئی کس طرح اپنے دل کو سنبھالے

کہا اُس نے ہنسکر ذرا دل میں سوچو
جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سچ کہہ رہے ہو

محبت کے کیوں میرے دعوے ہیں کرتے
سلام و سعید اور مسعود و شفقت
وہ بیٹھے تھے دھونی رمائے مجھی پر
مجھے ہوگیا ناز الفت پہ اُن کی
کھلی ہم پہ احسان کی جب محبت
مگر یہ تو ہیں آجکل لوگ مرتے
حقیقت میں وہ میری سیوا تھے کرتے
میری یاد میں سر وہ اپنا تھے دھنتے
مراتب بھی دل کھول کر ان کو بخشے
اُٹھائے ہر اک ہم نے پھر اُسکے نخرے

یہاں لیکے پہلو میں ہم اس کو بیٹھے
اور انگلین بھی ساتھ ساتھ اُسکے پہنچے

نہ وہ صبر تم میں نہ وہ بیقراری
وہ جرعت وہ ہمت وہ کوشش نہیں ہے
تو پھر دوسرے دھن ہے رڑکی میں پہونچو
جھگڑتے ہو اسپر فلاں شخص کھیلے
نہیں شوق تم میں کہ بیٹنگ بڑھے کچھ
غضب اُسپہ پھر دعوئے خاکساری
دکھانے کو کرتے ہو اب آہ و زاری
نہ گر کھیل میں آئے اک روز باری
نہیں نام کو تم میں آپس میں یاری
نہ پروا کہ ہو جاوے بولنگ کراری

قسم ہے بلیئرڈ اگر ہاتھ آئے
تو مردود ہو کھیلنے پھر جو آئے

تمھیں اس سے کیا ہے جو رزاق آئے
نہیں نام کی تمکو کالج کے پروا
بگڑ جاؤ شوکت اگر کچھ بتائے
تمھیں اس سے کیا ٹیم گر ہار جائے

نہ پابندی حکم کپتان تم کو	لکھو تو ہی نوٹس اگر کوئی آئے
ملا گولڈی سا ہے سالار تم کو	ٹور پر جو خود ٹیم کے ساتھ جائے
بڑھے پھر بھی گر کچھ نہ ہمت ہماری	بلا میری ایسے سے پھر دل لگائے

اگر ہوش میں اپنے اب بھی تم آؤ
تو پھر آج سے مجھکو ویسا ہی پاؤ

گنتی

بچوں کو حساب تو بہت بعد میں شروع کرایا جاتا ہے۔ گنتی وہ پہلے سے ہی تھوڑی بہت سیکھ لیتے ہیں۔ گنتی کا خیال شروع کیسے ہوتا ہے۔ یہ باریک مسئلہ ہے میرے خیال میں تو دودھ پینے کے زمانہ سے ہی بچہ کو اسکا کچھ خیال ہونے لگتا ہے جب ایک دودھ اُسکے منہ میں ہوتا ہے تو دوسرے دودھ پر وہ ہاتھ رکھ لیتا ہے گویا میرے دونوں میٹھونکا حساب وہ اپنے دل میں اُسیوقت سے سنبھالتا رہتا ہے۔ اور جب ایک طرف دودھ نہیں رہتا تو خودبخود دوسرے دودھ کو منہ میں لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر یہ خیال نہیں ہے کہ دوسرا دودھ بھی ہے تو یہ حرکتیں اُس سے کیوں صادر ہوتی ہیں۔

خیر یہ تو زمانے گذر گئے۔ حساب بھی سیکھا پڑھا۔ مگر اب ایک دو تین چار پر دوسری طرح نظر ڈالنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ تو سب تسلیم کرینگے کہ شروع میں آسانی کے ساتھ آنکلتا ہے۔ اسیوجہ سے اکثر زبانوںمیں شروع کا حرف آ ہے (کل زبانونکی نسبت میں اپنے علم سے حکم نہیں لگا سکتا) اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک میں بھی وہی سادہ ابتدائی آواز شامل ہے۔ یا اُس سے ملتی ہوئی ہے۔ جہاں کچھ بدل گئی ہے وہ اقتدادِ زمانہ کا اور ملکی اثرات کا نتیجہ ہو۔

دو۔ اکثر زبانوںکے حروف تہجی میں اَ کے بعد بَ ہے۔ اور یہ بات قدرتی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ سنسکرت میں نہیں ہے۔ لیکن خیال ایسا ہوتا ہے کہ اولاً سنسکرت میں بھی ترتیب حروف تہجی قاعدہ قدرت پر ہی ہوگی۔ مگر بعد میں اُسکو مضبوطی طور پر بلحاظ مخرج ترتیب دیگئی۔ اور اسلئے جن زبانوں میں اَ کے بعد بَ ہے اُنمیں سے کوئی ایک دیوناگری کی ترتیب سے زیادہ قدیم ہے۔ ان خیالات کی روسے دو کیواسطے کوئی لفظ ایسا ہوتا جسکا شروع بَ سے ہوتا۔ مگر ب کے بجائے د ہے۔ لیکن آگے بڑھکر وہ اُمید پوری ہو جاتی ہے۔ یعنی بارہ بائیس تیس وغیرہ میں دو کے واسطے بَ کا حرف ہے۔ اسکی نسبت دو خیال ہو سکتے ہیں۔

(۱) یہ اتفاقی امر ہے کہ دو کے واسطے کوئی ایسا لفظ نہیں جسکی ابتداب سے ہو۔ مگر واقعہ ہے اسلئے ماننا چاہیئے۔ وجہ نہ معلوم ہونے سے کوئی مضایقہ نہیں۔ یا

(۲) پہلے کوئی لفظ جسکے شروع میں بَ کی آواز تھی۔ لیکن بعد میں دو کا لفظ جو اجنبی تھا وہ بزور آملا۔ یہ تبدیلی صرف کثیر الاستعمال عدد کے نام میں تو ہوئی اور آگے کے اعداد جو اُسکے مقابلہ میں کم بولنے میں آتے ہیں اپنی حالت پر رہے۔ اس خیال کی تائید گجراتی بے سے ہوتی ہے۔ بمبئی میں دو آنے کو بے آنہ کہتے ہیں۔ لاطینی میں دو کے واسطے بائی اور ڈائی دونوں ہیں۔ فارسی میں دو ہی ہے۔

غرضکہ ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ اصلی لفظ یہی دو تھا یا کوئی اور مگر بارہ بائیس وغیرہ اور گجراتی بے تو یہی بتاتے ہیں کہ دو کا لفظ اجنبی ہے۔ جو اشتراک بین الاقوام کی وجہ سے آملا۔

تین۔ فارسی میں سہ ہے مگر ت اور س کا بدل ہوتا ہے۔ جیسے ہفت اور سبت۔ یہ تین کیونکر بنا اسکی نسبت کوئی خیال ہمارے ذہن میں ابھی تک وارد نہیں ہوا۔ عبرانی میں ب کے بعد ج ہے۔ فارسی میں تین کا لفظ س سے اور عربی میں شا سے شروع

ہوتا ہے - جو قریب المخرج ہیں - سنسکرت نے حروف تہجی درہم و برہم ہی کر دے - اُنکی قدرتی حالت باقی نہیں رہی - پہلوی کی نسبت معلوم نہیں کہ حروف تہجی کیونکر ترتیب دیئے گئے ہیں - مگر اَ بَ تَ ثَ عربی میں واقع ہوئے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ت ث جو نوک زبان سے نکلتے ہیں شاید اَ ب کے بعد ہی وارد ہوئے ہوں اور کسیطرح سنسکرت کی اصلی حالت معلوم ہو تو کیا عجب ہے کہ تین بھی ابتدائی آسان آوازوں کے لحاظ سے بیان کیا جا سکے -

چار - فارسی چہار - لاطینی لفظ کے شروع میں کَ ہے مگر بعض لوگ کیا کو چا کہا کرتے ہیں اسلئے کَ اور چ بدل گئے ہوں - چ زبان کے اگلے حصہ سے نکلتا ہے اور کاف پیچھے کے حصہ سے ہمارا خیال یہہ ہے کہ جو آوازیں زبان کے اگلے حصہ سے نکلتی ہیں وہ پچھلے حصہ کی آوازوں سے پہلے بولنے میں آئی ہونگی - چار کا لفظ چال یا چلنے سے ملتا ہوا ہے - لَ اور رَ بھی بدلتے ہیں جیسے نال اور نار - اب خیال یہ ہوتا ہے کہ انسان نے شروع میں اس بات کو ملاحظہ کیا ہوگا کہ اکثر جانوروں میں چار ہی اُنگلیاں چلنے کے کام میں آتی ہیں - اسلئے چار کا لفظ چال سے ملتا ہوا ہے اس جگہہ چرن کو بھی خیال کر لینا اچھا ہوگا - ہندو اکثر کہا کرتے ہیں آپ کے چرن میں پڑا ہوں -

پانچ - پنج - یہہ تو کھلم کھلا پا یا پنجہ سے ملتا ہوا ہے - اب ہم وہاں پہنچتے ہیں جہاں سے فی الواقع گنتی شروع ہوئی - یعنی اولاً اُنگلیوں کا شمار رہا ہوگا - پورے پنجہ کو پانچ کہا گیا - مگر اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے - یعنی ہاتھ کیوں نہیں کہا گیا پیر یا پنجہ سے کیوں پانچ کا لفظ لیا گیا - یہ بات شاید ایک اور تاریخی واقعہ پر روشنی ڈالتی ہے - یعنی ممکن ہے کہ ابتدا میں ہاتھ اور پیر کے لئے ایک ہی لفظ پا پنجہ ہو - چنانچہ پنجہ اب تک ہاتھ کیلئے بھی مستعمل ہے - ہاتھ کا لفظ بعد میں پیدا ہوا مگر کیسے ہوا - ہاتھ

ہست۔ ست۔ سکت۔ جسکے معنی قوت کے ہیں۔ پس جب پر یا پنجہ سے قوت کا اظہار ہوتا تھا اُسکو ست پایا اس سے ملتے جلتے مرکب سے کہنے لگے ہوں۔ پھر ست کا ہاتھ ہوگیا اور پا پیر یا پنجہ کا آخری حصہ چونکہ پیر کے لئے رفتہ رفتہ مخصوص ہوتا گیا ہاتھ کے ساتھ سے بالکل گر گیا۔ لگے ہاتھوں ایک اور بات ٹیڑھی چیزوں کے مقابلہ میں سیدھی چیزیں زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ ست یا سکت سے سدھ اور سیدھا نکلا ہو۔ مگر یہہ غیر متعلق ہے (یہ تقریر ڈاروں کے خیال سے بھی کچھ ربط رکھتی ہے)

دس۔ دہ۔ اب ہم ایکدم پانچ سے آگے دس پر جا کودے۔ اس کی وجہ بھی معلوم ہوگی۔ دس۔ دہ یا دہت۔ دو ہاتھ۔ یعنی دونوں ہاتھونکی اُنگلیاں اگر یہہ خیال کچھ ٹھیک ہی تو ہم کہہ چکے کہ پہلے ہاتھ پیر کے لئے پا یا پنجہ کا ساکوئی لفظ ایک ہی تھا۔ ہاتھ کا لفظ بعد میں پیدا ہوا۔ اسلئے شروع سے دس کا عدد ہی نہ ہوگا۔ بلکہ گنتی پانچ ہی سے شمار کیجاتی ہوگی۔ یہ کب تھا۔ تھا یا نہ تھا۔ اور اسوقت اعداد میں انسان نے کہانتک ترقی کی تھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔

نو۔ اونہہ۔ اونا پونا تو سب ہی جانتے ہیں۔ اُن سے مطلب کم۔ اور دس کی علامت ہ رکھی۔ اونہہ یعنی دس سے کم۔ کمی پوری ایک اکائی کی مفہوم ہے۔ اسطرح نو ہوا۔ اس کمی کے خیال کو اُنیس۔ اُنتیس میں دیکھنا چاہیئے۔

آٹھ۔ اشٹو۔ اَمعنی نہیں شٹو معنی انگوٹھے۔ یعنی دونوں ہاتھونکی اُنگلیوںنیں سے دونوں انگوٹھے کم کردو۔

سات۔ است۔ اسہ۔ یعنی دس میں سے تین کم۔

چھہ بھی اچھہ ہوگا۔ یعنی دس میں سے چار کم۔

گویا جسوقت پانچ کے شمار کو چھوڑکر دس کا شمار شروع کیا گیا تو دونوں ہاتھ کے لحاظ سے تو دس بنا لیا گیا۔ اب درمیانی ہندسونکی اور ضرورت پڑی جو بدلے

موجود نہ تھے۔ پانچ تک توصیدے چلے تھے اب دس سب اُلٹے چلنے لگے۔ اور اُسکی مدد سے نئے نام رکھے گئے۔

اس سے ایک اصول انسانی خیال کا یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہمیشہ سے علی الحسب لفظوں کے گڑھنے سے مُحترز رہا ہے بلکہ کسی شے کی مدد سے اُس نے لفظ بنائے ہیں اسلئے الفاظ انسانی خیال کا نہایت عجیب گورکھ دھندا ہیں جنکو کھولنے میں بہت سی باتیں اور تاریخی واقعات معلوم ہوسکتے ہیں۔

گیارہ۔ یازدہ۔ یک ودہ۔ کچھ اسیطرح خیال کرکے یہہ لفظ بنا ہوگا جس کا اب گیارہ ہوگیا بعض لوگ اب بھی اگارہ کہتے ہیں۔ یعنی ایک کے لفظ کو ظاہر کرتے ہیں۔ دس دہ سے رہ ہوگیا کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہی کہہ سکتے ہیں کہ زمانہ اور حوالیات بہت کایا پلٹ کردیا کرتے ہیں۔

بارہ میں صرف یہی حل طلب ہر کہ دوارہ کیوں نہیں کہا گیا۔ یعنی دو اور دس یا دو اور دہ۔ دو کے واسطے ب کی آواز کیوں مقبول ہوئی یا قایم۔ کچھ نہیں معلوم (اوپر دو کو دیکھو)

بارہ سے آگے اٹھارہ تک تو دوڑتے ہوئے چلے جائینگے۔ صرف سولہ کی نسبت رکاوٹ ہوتی ہے چہ سے چھارہ ہوتا۔ سولہ کیسے ہوا۔ مگر بہت زیادہ مشکل نہیں معلوم ہوتا۔

البتہ اُنیس کی نسبت خیال ہوتا ہے کہ اگر نو اور دس تھا تو نوارہ کیوں نہیں کہا گیا مگر اسکے لئے نو کی ترکیب کو اوپر دیکھو۔ اسیطرح نو اور دس نہیں کہا گیا بلکہ اُنیس یا ایک کم بیس کہا گیا۔ اون یا اُن سے مراد ہے کم۔ اور کمی پوری ایک اکائی کی۔

اونیس کے ساتھ ہی اس قبیلہ کے اور ہندسوں کو بھی لیلیں۔ اُنتیس یعنی ایک کم تیس۔ اونتالیس۔ اونچالیس = ایک کم چالیس۔ اونچاس۔ اونسچاس = ایک کم پچاس

اُنسٹھ = ایک کم ساٹھ - اُنہتر اُنسترس اورہ کا بدل ہو - اسلئے اُنھتر = ایک کم ستر
اُناسی = ایک کم اسی - نواسی - یہاں اونوے نہیں کہا - بلکہ نو اور اسی کہا جس کی
روسے اُنیس کو نوارہ کہنا چاہیئے تھا - مگر اور سب جگہ دوسرا قاعدہ برتا گیا اور یہاں
آکر وہ بات کی جسکو طبیعت چاہتی ہے کہ شروع سے ہونی چاہیئے تھی - یہی اصول
کی تبدیلی ننانوے میں بھی پائی جاتی ہے جو اونسو یعنی ایک کم سو ہونیکے بجائے
ننانوے یعنی نو اور نوے کہا گیا - باقی کے ہندسوں کی نسبت نہ کچھ زیادہ معلوم
نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں -

یہ چند خیالات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں - بالکل اڑنگ بڑنگ طوطی جڑنگ
ہیں - اگر سنسکرت عربی وغیرہ سے وقفیت ہوتی تو شاید زیادہ سلیقہ کی باتیں منہ سے
نکلتیں - مگر اس بک بک سے خواہش یہ ہے کہ جوان باتوں کو عمدگی کیساتھ کرسکتے
ہیں وہ کریں اور ہم نہیں -

ہرابرٹ یہ نو اور یہ دس از آگرہ

شادی خانہ آبادی

مائی ڈیر اولڈ بواسے - اسلام علیکم -

اسلامی دنیا میں جو ہلچل آجکل مچی ہوئی ہے اُسکی وجہ سے طبیعت پریشان ہے
مگر چونکہ تفریح بھی ممد حیات ہونے کی وجہ سے ضروری ہے اسلئے ایک قصہ بطور
ماحضر پیش کش یاران طریقت کرتا ہوں - اگر چھپ جاوے تو اچھا ہے - قرن وسطی کا
آخری دو یعنی ۱۹۱۳ء کا زمانہ تھا - جبکہ مسٹر مارلین (حال سر تھیودور مارلین) پرنسپل
و مسٹر پٹنگ پروو سٹ بورڈنگ کے عہدے طلبا ر کالج کو بیکار اوقات میں مختلف قسم کی
تفریحوں سے دل بہلانے کے لئے اعتدال کے ساتھ آزادی حاصل تھی - اگر میری یاد

غلطی پر نہیں ہو تو گرمی کے دن تھے جبکہ مختلف کھیلوں کے میچ بند ہونے اور ڈنر
اور پارٹیوں کے نہ ہونے نے بورڈنگ کی زندگی کو کسقدر پھیکا اور دوبھر کر رکھا تھا
اسلئے ا - ع - خ امروہوی لانگ فیلو ثانی کی تحریک اور چند اصحاب کی تائید سے
قرار پایا کہ ایک شب کو کسی دلچسپ اور مہذب تفریح سے بورڈنگ کی سوتی ہوئی
زندگی کو جگایا جاوے - پیارا کالج اپنے بچوں کو ہر طرح سے اس قابل بنانیکی
کوشش کرتا ہے کہ وہ آیندہ زندگی کی کشمکش میں پڑکر دھکے نہ کھاویں - چونکہ شادی
بیاہ زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور ہر امیر غریب کو ایک نہ ایک دن پیش آتا ہے
اسلئے اسی کے بعض پہلوؤں کے دکھانے کو بھی احباب نے تفریح بخش اور سبق آموز
قرار دیا - اس خیال کا بننا تھا کہ یاران طریقت میں یہ بات ٹھہری کہ بورڈنگ
میں شادی بٹلیا کے اتباع میں مہذب طریقہ سے ایک برات نکالی جاوے اور
اپنے ملک اور سوسائٹی میں جو جو انتظامات اس امر کے متعلق پیش آتے ہیں اُن سبکو
انجام دیا جاوے "تفنگ دلاور" کو ضرورت بتائی گئی اُنھوں نے بعض شرائط
معقول کے ساتھ خوشی خوشی اس بات کی اجازت دیدی - خوش قسمتی سے یا بدقسمتی
سے یہی احقر نیاز مند پختہ مشق بنانے کے لئے دولھا قرار دیا گیا - اللہ رے ذمہ داری
جسوقت خیال آتا ہے دل دھڑک جاتا ہے مگر قربان جائیے اُس کارساز کے کہ
سب کام ٹھیک ٹھیک ہوگئے - اس تجویز کا جب سب بھائیوں میں اعلان ہوا
تو بورڈنگ میں غلغلۂ شادمانی بلند ہوا - اور ایام سعد و نحس کا خیال کرکے برات کی
تاریخ مقرر کردیگئی - جملہ جماعت ہائے کالج میں Pieaoe-paam ozea کے
سُبک گام خوشخرام پیادے کے ذریعہ سے شرکت شادی کے خطوط تقسیم کردیئے
گئے - ادھر تو ہر کہ ومہ کی زبان پر یہ چرچا تھا اُدھر بیچارہ دولھا آفت کا مارا اپنی
جیب کو ٹٹول ٹٹول کر پریشان ہوتا تھا برادری کو نیوتہ مگر گانٹھ میں ایک کوڑی نہیں

چشم بدور! جہاں اتنے حوصلہ مند فراخ دل نوجوان موجود ہوں وہاں نیوتہ کی آمدنی سے مالی امداد کی کیا کمی۔ شادی کیا تھی۔ ایک قیامت تھی آنکھیں کھل گئیں چودہ طبق روشن ہوگئے کہ کیا کیا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ واللہ اُن حضرات کو جو اُسوقت منتظم تھے اور جو بدقسمتی سے ابھی تک کنوارے ہیں انکو شادی کے انتظام میں ذرا بھی دقت پیش نہ آویگی یہ سب کچھ اُستاد کالج کے بدولت اور احقر کے طفیل میں ہے۔ مٹھائی کھلوائیں۔ الغرض شہر سے دن کے دن مٹھائی۔ کپڑا۔ جوڑا باگا۔ زیور۔ سہاگ پوڑا۔ مشعل وغیرہ قصہ کوتاہ سب ہی ضروری اشیا کا بندوبست کیا گیا۔ احقر کا مسکن یعنی کچی بارگ کا ستر نمبر کا کمرہ براتیوں کے جمع ہونے کی جگہہ اور کچی بارگ کا درمیانی بڑا کمرہ جو اسوقت یہاں ایم۔ ش۔ ع کا دولت کدہ تھا سسرال والوں کا مکان قرار دیے گئے۔ ہر جگہہ پر فرش قالین گاؤتکیہ۔ اگالدان پنکھا۔ برف آلو د شربت۔ پان حقہ کا انتظام کیا گیا۔ کتری ہوئی پیاز۔ پودینہ اور چٹنی کی آزادی سے ڈائننگ ہال میں برادری کی خاطر مدارات کی گئی۔ قصہ کوتاہ رات کے آٹھ بجے دولھا کے مکان پر براتیوں کا ہجوم۔ قوال نقالوں کی کثرت۔ اور دولھا کی اُمنگوں کا جمگھٹ شروع ہوا۔ نہ معلوم کس خیال میں مست اور کس ہیجان میں ڈوبے ہوئے دولھا نے غسل کیا سر کو چہرہ زعفرانی اور بر کو جامہ پلوانی سے زینت بخشی سر پر سہرا ڈالا اور منہ سے رومال لگایا ہم صحبت یار دوستوں کے ساتھ بزرگوں کے سامنے ادب سے جاکر بیٹھا۔ جوڑے باگے پیش ہوئے۔ ایک ایک آنکی رقم کثیر کے نیوتہ سے شادی کا خرچ نکل آیا۔ اُسکے بعد سہروں کی بھرمار اور دعاوں کی بوچھار شروع ہوئی۔ بھائی س۔ ح بریلوی کا سہرا سب سے بڑھ چڑھکر رہا۔ واہ واہ کی آواز بلند ہوئی اور کنگرہ عرش سے جا ملی۔ ادھر کالج کے گھنٹہ نے نو بجائے اُدھر خدا خدا کرکے برات کی روانگی کی مبارک گھڑی آئی۔ وہ انتظام اور انصرام کہ

"طلسم ہوش ربا"، کے قصوں کو مات کرتا تھا۔ دولھا کی سواری کا قصہ پیش آیا۔ مگر جہاں اتنے تیز فہم اور اچھوتی سمجھ والے حضرات موجود ہوں وہاں فیصلہ کی کیا کمی۔ جمال پور والے دھوبی کے چار فٹ اونچے اور ساڑھے چار فٹ لانبے اور شباشب بعدم رسیدن کی قوت رکھنے والے ٹٹو سے زیادہ مناسب آپ ہی بتایئے اور کیا سواری ہو سکتی تھی۔ یہ باد پا۔ ٹھوکر کا نام نہ لینے والا عراقی جسکو کبھی کبھی میاں "ق بدایونی" کے کمرے میں بندھنے اور اُن کی ہیٹ کوٹ پتلون پہننے کا فخر بھی حاصل ہو چکا تھا اور جسکی ان لایق حرکتوں کی وجہ سے یہ صاحب اُسکی صورت سے بیزار تھے بہزار منت ایک شب کیلئے مستعار مانگا گیا اور غریب خانہ پر حاضر کیا گیا میاں دولھا شہ سواری میں شہرۂ آفاق تو تھے ہی بلا رکاب بلا لگام ایک ٹانگ اُٹھاکر اُسکی پشت پر وارد ہو گئے اُدھر ڈائننگ ہال کی لکڑی کے خوان اور پیپوں کے انوکھے بینڈ نے بورڈنگ کی قومی گت بجانا شروع کی۔ خوشی کی حالت سرور کا عالم احاطہ قلم سے باہر ہے۔ خیالات کا ہجوم حرف بحرف کہانتک ادا کروں۔ دوست آشنا خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے اور دولھا کی شیروانی تو قطعی تنگ ہو گئی۔ اب یہ برات اسیطرح سے آگے بڑھتی ہے کہ آگے آگے مشعل برداروں کا پرا اُنکے پیچھے یہ نرالا اور دل چھوڑکر کان پر اثر کرنے والا بینڈ باجہ اُسکے پیچھے قواعدداں فوج کا دستہ اور اُسکے پیچھے مٹھائی کی ٹکیاں اور بری کا جوڑا۔ اُنکے بعد دولھا میاں اس عراقی پر سوار اور اُنکے یار دوست اُنکے ہمرکاب جنکے پیچھے دولھا کے عزیز قریب رشتہ دار اہالی موالی غرضکہ بایں ترک و احتشام یہ برات ستر نمبر کے کمرے سے جانب مسجد روانہ ہوئی۔ کل مجمع ناظم دینیات کے خوف سے کنی دباتا ہوا نئی بارگ میں وارد ہوا اس گھرانے والوں کے بھی اپنی حیثیت کے موافق برات کی آؤ بھگت کی۔ اور میاں ۔ع ۔ و ۔ لکھنوی نے جو نزاکت طبعی اور نزاکت بدنی کیلئے شہرۂ آفاق

تھے ارباب نشاط کا کام دیا رقص و سرود کی بھی کمی نہ رہی۔ الغرض ماسٹر محمود صاحب
کے کمرے کے سامنے ہوکر میاں اکرم کپتان کے کمرے کے سامنے جاکر یہ جلوس ٹھہرا
پکی بارگ کیطرف سے اکلی و شربت سے مہمان نوازی کیگئی۔ اور برات چلتی ہوئی پکی بارگ
اور کچی بارگ کے اتصال پر یہ دقت پیش آئی کہ جگہ بلند اور سیڑھیاں اونچیں میاں
ٹٹو چلیں تو کیسے چلیں۔ مگر صدقے جایئے اُس زمانہ کے یہ دقت بھی ایک صاحب
نے یوں رفع کی کہ ایک صاحب نے ایک طرف سے ٹٹو کی ٹانگیں پکڑیں اور دوسری طرف
سے دوسرے صاحب نے ٹٹو کو گود میں لیا اور معہ دولھا کے اُس کو اُٹھا کر کچی بارگ
میں پہونچا دیا۔ ٹٹو میں جہاں اور خوبیاں تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی۔ کہ فربہی کو بیوقوفی
کی علامت سمجھکر لاغری سے خاص محبت رکھتا تھا اور اسوجہ سے پھول سے بھی زیادہ
ہلکا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر اُس غریب میں یہ صنعت نہ ہوتی تو نہ معلوم ہمکو کیا کیا
مصیبت پیش آتی۔ القصہ اُس جگہ پہنچے جس جگہ ٹھنڈائی کی بہار تھی اور ع۔ س ٹونکی
کا مقدم تھا۔ وہاں سے حضرت میر صاحب قبلہ کے کمرے کو سلام کرتی ہوئی برات
اپنے منزل مقصود یعنی کچی بارگ کے بیچ کے بڑے کمرے پر پہنچے جسمیں میاں ایم
ش۔ ع۔ اور اُنکی بغل میں ماشٹر "ا" اور بھبیا "ن" رہتے تھے۔ برف شربت
الائچی حقہ پان تمباکو سے خاطر مدارات ہوئی اور خدا خدا کر کے نکاح کی گھڑی آئی تو
مہر کے قصہ نے پاؤں پھیلائے۔ اس معاملہ میں مسلمان تیرہ سو برس کے عرصہ میں
فائدہ مند اصلیت سے ہٹکر نقصان رساں نمایش پر تُل پڑے ہیں عورت ذات
کج فہم تو ہوتی ہی ہے اُنکو کیا خیال کہ اگر خدانخواستہ دولھا دُلہن میں بگڑ گئی اور
سرکاری عدالت تک مہر کا قصہ پہنچا تو کیا حشر ہوگا۔ ڈگری ہوکر دولھا کی جائداد کی
قرقی نیلام کی نوبت آئی تو دُلہن تو گلچھرے اُڑائیگی اور میاں دولھا کے گھر میں چوہے
بھوکے مرنے لگینگے۔ جب یہ بات لوگوں کو سمجھائی گئی تو سوا لاکھ کی رقم سے شرعی

تعداد پر مہر قرار پایا۔ یہ یاد نہیں کہ معجل تھا یا موجل۔ جب یہ مشکل مسئلہ طے ہوگیا تو میاں س-ح بریلوی نے ایک پُرلطف اور اچھوتا خطبہ پڑھا جو خاص ایسے موقع کیلئے عربی زبان میں تیار رکھا تھا۔ مزا یہ تھا کہ اسکے فصیح اور پیارے الفاظ کو اگر کسی لُغت کی کتاب میں تلاش کیا جاوے تو نتیجہ کچھ نہ نکلے گا اور تھک کر ان الفاظ کے معانی کیلئے خطیب مصنف ہی سے رجوع کرنا پڑیگا۔ خطبہ ختم ہوا۔ ایجاب قبول سے فراغت ہوئی اور مبارک سلامت کی صدا فلک ہفتم پر پہونچی۔ چھوارونکی تقسیم یا یوں کہیئے کہ بوچھار کی نوبت آئی اور ایسی "تنازع فی الحصول المقصد اعنیٰ احصال الخرمہ" میں دولھا کی نئی ریشمی شیروانی بھی چاک چاک ہوگئی۔ جوش و خروش پیدا ہوا ہی تھا کہ کلاک ٹاور نے رات کے تین بجا ئے۔ اُدھر میر صاحب قبلہ کے رقعہ نے متنبہ کیا کہ رات بہت گئی اس مصنوعی شادی کا خاتمہ لازمی ہے۔ شوخی شرارت اطاعت سے بدل گئی اور جہیز کو دیکھے بغیر ہر شخص اپنے مسکن کو سدھارا۔ دولھا میاں کو یہ شادی خانہ آبادی بہت دن تک یاد رہیگی خصوصاً اسوجہ سے کہ اُسوقت کی اور اب کی حالت میں نوشاہ میاں عظیم فرق پاتے ہیں۔ کہاں وہ دلپسند آزادی اور کہاں اب سنجیدہ زندگی کی قیود کہاں وہ بیفکری اور کہاں اب فکر معاش بقول اُستاد غالب مرحوم۔

فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

آپ بھی دنیا کے دھندوں میں مصروف اور میں بھی اُسکے جھگڑوں میں مبتلا اسلئے زیادہ سمع خراشی سے کیا فائدہ۔ سلام رخصت عرض کرتا ہوں زندہ رہے تو پھر انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔

راقم آثم ع۔ خ۔ ش

کھلی چھٹی

'بنام اڈیٹر صاحب اولڈ بوائے'

جناب والا، السلام علیکم' آئے دن کی قومی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے سب سے پہلے وہ مسائل غور طلب معلوم ہوتے ہیں جن سے قومی ترقی کے حصول نمایت میں ہمکو پوری پوری امداد ملے اور ہم اپنی اندرونی کمزوریوں کو رفع کرنے میں کامیاب ہوکر دوسرے حریف قوموں کی آہنی گرفت سے اپنے کو بچا سکیں اگر ہمنے محض یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے پر کفایت کرلی اور دوسرے مفید کاموں کی طرف سے غافل ہوگئے' جو ترقی کی روح اور حیات ہیں تو یقیناً ایک خطرناک غلطی میں پڑکر ہم اپنی موجودہ ظاہری شان وشوکت بھی ہاتھ سے دے بیٹھیں گے' روحانی ترقی کے ساتھ ہمکو مالی ترقی رمادی سرسبزی میں بھی ایک حد تک جد وجہد کرنی لازمی ہے اسوقت سب سے ضروری امور جو میرے پیش نظر ہیں انکی طرف میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں ایک یہ کہ کوئی انجمن ایسی قایم کیجائے جو ہمارے اصراف بیجا پر غور کرے اور فضول خرچیوں کو روکنے کے مناسب طریقے اختیار کئے جائیں دوسرے یہ کہ ایک علیگڈھ مسلم بینک' مستقل سرمایہ سے قایم کیا جائے جس میں کل اسلامی انجمنوں۔ کانفرنسوں اور لیگ کا سرمایہ داخل رہے تاکہ یہہ خدمت ہمیں اوروں سے نہ لینی پڑے' کالج کے جملہ اولڈ بوائز۔ موجودہ طلبا ر اور انکے وارث بھی اپنا روپیہ ایسے بینک میں جمع کیا کریں اور صرف یہی نہیں بلکہ یہہ بینک ایسے وسیع پیمانہ پر قایم ہوکہ لاکھوں کی تعداد میں جو مسلم زیادتی شرح سود کے باعث تیزی سے بربادی کے عمیق غار میں گررہے ہیں اور پھر کبھی سنبھلنے کے قابل نہیں رہتے انکی طرف مالی امداد کا قومی ہاتھ بڑھا کر اس تباہی سے بچایا جائے، ضرورت وقت کے

موافق اس قومی بینک کی شاخیں ہندوستان کے مختلف مقامات پر قایم کیجائیں جو عام طور پر مسلمانوں کی صنعت وحرفت اور تجارت کے کاروبار کو تقویت پہنچا سکیں، کالج کے ساتھ اس بینک کی کوئی تخصیص نہو گی بلکہ اولڈ بوائز کے ہاتھوں میں انتظام ہو گا اور تمام قوم ضروری حصہ لے گی، میں نے قوم اور لیڈران قوم کو رائے زنی کا موقعہ دینے کے لئے ایک معمولی اسکیم آپ کے روبرو پیش کی ہے جس میں باہمی صلاح ومشورہ کے بعد ضروری ردو بدل ہو سکتا ہے، آپ اُن باہمت اکابر قوم میں ہیں جنھوں نے اپنی قیمتی زندگی قومی بہتری وبہبودی کیلئے وقف کر دی ہے اسلئے مجھے آپ کو مخاطب کرنے کی ہمت ہوئی مجھے کامل اُمید ہے کہ یہ میری کمزور مگر مضطرب آواز ایک بے معنی صدا نہ ثابت ہو گی۔

خادم قوم محمود اختر۔ میرٹھ

عذرِ گُناہ بدتر از گُناہ

گذشتہ اولڈ بوائز ڈنر کے موقع پر احباب مراد آباد میں سے صرف سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی شریک جلسہ ہو سکے۔ بقیہ اصحاب کی طرف سے محمد احمد صاحب انصاری نے ایک معذرت نامہ آنریری سکرٹری ایسوسی ایشن کے نام بھیجا ہے۔ معذرت نامہ انگریزی میں ہے ناظرین کی تفریح طبع کے لئے ہم اُسکا ترجمہ ذیل میں دیتے ہیں اگرچہ ترجمے میں پورا لطف نہیں آسکتا۔ ہمیں اُمید ہے کہ آیندہ اس قسم کی تحریریں اُردو میں آیا کریں گی تاکہ ہم اُن کو بجنسہ چھاپ سکیں اور معذرت ناموں کا تو نہ آنا ہی اچھا ہے اسلئے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ ـــ

بخدمت جناب آنریری سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن۔ ایم۔ اے۔ او کالج علیگڈھ

جناب والا۔

اولڈبوائز مراد آباد نہایت ادب کے ساتھ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ امسال ڈنر سے انکی غیر حاضری معاف فرمائی جائے۔ انکی معذرتوں کو سن لینے کے بعد آپ کو اطمینان ہو جائیگا کہ بدقسمتی سے سب کے سب بلا استثناء ایسے عزیز جلسے کی شرکت سے فی الواقع معذور تھے۔ اگر آپ کی عنایت ہو تو اُن عذرات کو صرف ٹھنڈے دل سے سُن لیجئے اور وہ حسب ذیل ہیں

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
(۱) سید محمد علی	(۱) جہانگیر آباد جانے والے تھے	علیگڈھ پر جہانگیر آباد کی فوقیت کی وجہ؟
	(۲) شرکت کے خواہشمند ضرور تھے	کیا خوب؟
(۲) مسعود	(۱) دُمل نکل آئی تھی	
	(۲) بچی بیمار ہو گئی	
	(۳) فیس کے ضائع جانیکا افسوس	(۳) اسکا عوض صرف ڈنر کی شرکت سے ہو سکتا ہے
(۳) مشتاق	(۱) حال ہی میں لڑکا پیدا ہوا	(۱) آپ مدعو تھے نہ کہ بیگم صاحبہ
	(۲) عنقریب بیمار ہونیوالے تھے (اور ہو بھی گئے)	(۲) ڈنر کی رعایت سے ارادہ فسخ کرنا چاہیئے تھا
	(۳) شہر کی نئی نالیاں بہت زیادہ گندی تھیں	(۳) جمعدار صفائی اس کام کو اچھا دیکھ سکتا تھا
(۴) ابوالحسن	(۱) اُسترہ لگ گیا تھا	(۱) ضرب خفیف تھی لہذا ناقابل سماعت
	(۲) بیگم صاحبہ علیل تھیں	(۲) دعاء صحت
	(۳) بالآخر متاہل بھی تو ہیں	(۳) اس نقص عادت پر جرمانہ نہ ہوگا
(۵) اسحاق	(۱) قانون پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں	(۱) حملہ کا رخ تو علی گڈھ ہی کی طرف تھا
	(۲) مَیں ٹورنامنٹ کے تپ میں مبتلا تھے	(۲) ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب کا لکچر موجود تھا
	(۳) آپ واقف ہونگے کہ ڈپٹی کلکٹری کیلئے بھی کوشاں ہیں اور امیدوار بودہ بدانند کی مصداق	(۳) کیا ڈنر کی حاضری امیدواری کی مانع تھی؟

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
(۶) یعقوب	(۱) خاندان میں کوئی بیمار تھا	
	(۲) حال میں دوسری شادی ہوئی	یہ تین خطائیں صرف ایک غفلت کی وجہ سے
	(۳) ملٹن کی ”پیراڈائس ریگینڈ“ زیر مطالعہ	سرزد ہوئی ہیں
	(۴) بیگم صاحبہ کو چوٹ آگئی ہے	
	(۵) قوم کا روزانہ لوکل لو مفصلات دونوں حجھوٹی	(۵) بیچارے لیگ کے تیاریاں اردو سے جو قوم کا کاروبار
(۷) رضا علی	(۱) آنریبل ہوگئے !	اب کے ذریعے ہندوستان کی کیجٹ پر ہورہے ہوتے گئی۔
	(۲) چیمبرس تائمس کا کیا پوچھنا !!!	آئندہ درخواست تحائف کے نام بہ استثناء کیا جائیگا
	(۳) باوجود درخواست ملک کے پانیر نے کوئی مفید مشورہ بھی دیا	آئندہ سے اس قسم کے مشورے دفتر اولڈ بوائے سے مفت دیئے جائیں گے۔
	(۴) پیسہ آئندہ ڈنر کے موقع پر وصول ہونگے	اور غیر حاضری کے جرمانے بھی
	(۵) انیکن کی تیلیاں کند پڑ گئی تھیں	
	(۶) پبلک سروس کمیشن کی فروگزاشتوں کی یادداشت مرتب کر رہے تھے	
(۸) غفار	(۱) بیگم صاحبہ بیمار تھیں	
	(۲) ”ہمدرد“ کے لئے چ اور گ کے ذخیرہ کا افسوس	ہمکو بھی ہمدردی ہے
	(۳) کوئی تازہ نظم نہ لکھ سکے اور بغیر اس کے جانا مصلحت نہ تھی	(۳) نظم نہیں تو نثر ہی میں کچھ ادا کر لیتے
	(۴) ابا نے بتقاضائے شفقت پدری اجازت نہیں دی	(۴) اس بارہ میں ہم اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں
(۹) عبدالسلام	(۱) ابھی شادی نہیں ہوئی (سبب اس کا	

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
	اکتوبر ۳۲ء کے "عصمت" میں ملاحظہ ہو)	
	(۲) بچھڑایوں جلنا ایک امر ناگزیر تھا	اور علیگڈھ آنا ایک امر غیر ضروری؟
	(۳) ماشاء اللہ میونسپل کمشنر بھی ہوگئے ہیں	جمعدار صفائی یا گردا وریچنگی تو خدانخواستہ نہیں ہیں؟
	(۴) علیگڈھ جانیکے لئے کوئی معقول گاڑی نہیں تھی	چوبیس گھنٹے پیشتر اطلاع ملنا چاہئے تھی؟
	(۵) بایںہمہ ہنوز نابالغ ہیں اور "میڈم سلیپ ول" کے زیر ولایت	دایہ سے اجازت کیوں نہیں طلب کی گئی؟
(۱۰) آل حسن	(۱) ایک آنکھ، وہ بھی صرف امروہہ کے واسطے علیگڈھ کے نظارے کی گنجایش نہ تھی	شفقت صاحب سے عاریتاً مانگ لی ہوتی دوسری آنکھ۔
	(۲) خورد و خوص کا جنوں	
	(۳) اس مرتبہ پھر لڑکی ہوئی	ع محتسب را درون خانہ چہ کار۔ ہمکو اس سے بالکل بحث نہیں
(۱۱) وصال محمد	(۱) بدایوں میں نئی نجی قایم ہوئی ہے نئی چراگاہوں کی تلاش میں ہیں	(۱) آج یہاں کل وہاں یہی تو یونھیں جگت ہیں کہتے ہیں سب سبزہ رد اس سے ہری چگ ہیں
	(۲) تاریخ یاد نہ رہی	(۲) کمر بند میں گرہ دے لی ہوتی
	(۳) وقت کو پیچھے کی چوٹی سے پکڑنا چاہتے تھے مگر باوجود مشق چوک گئے۔	(۳) آیندہ سے آگے کی چوٹی پکڑنے کی کوشش کریں
(۱۲) محسن	(۱) حسب دستور کاہلی	(۱) لاحول ولا قوۃ!
	(۲) دوسرا لڑکا پیدا ہوا اسلئے تازہ چالان دیکھنے کے لئے لکھنؤ جانا ضروری تھا	(۲) عذرات میں تناقص واقع ہے۔ بغیر مزید تحقیقات کے نامنظور۔
	(۳) اسے کون جانے!	(۳) بشرح نمبر (۱) مذکور الصدر
(۱۳) حفیظ	(۱) فربہی نے جگہ سے ہلنے نہ دیا۔ ہنوز ترقی	

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
	ہا سلسلہ مسدود ہی ہوا -	
	(۲) اصلاح مذہبی کی تیاریاں کر رہے تھے۔	ان عذرات کے اجتماع میں استحالہ لازم آتا ہے- مذہبی اور پانوں میں موچ -پھر ٹینس کا پیچ جیتنے چہ؟ سکرٹری ایسوسی ایشن انکے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں
	(۳) کوشش بھی کی مگر گھٹنوں میں موچ آگئی تھی -	
	(۴) اسحاق کے ساتھ جوڑ پکی ہو چکی تھی -	
(۱۴) کلب علی	(۱) کوئی عمدہ کالر اور نکٹائی نہ تھی۔	علیگڈھ میں کلب عباس صاحب سے مل سکتی تھی -
	(۲) خواہ مخواہ لوگ ہنستے	
	(۳) ایک لوکل اولڈ بوائے ڈنر کے موقع پر کالر (پٹہ) اور زنجیر کا بہت ہی برا تجربہ اٹھا چکے ہیں	
	(۴) ایک مشتین ڈاڑھی کی بھی کمی تھی	(۴) کیا مضائقہ تھا !
	(۵) اصل یہ کچھ سمجھ نہ سکے	(۵) آپ سے یہ امید ہرگز نہ تھی !
(۱۵) امیر الدین	(۱) گورنمنٹ سروس کے لئے کوشاں ہیں خواہ کیسی ہی ہو اور کبھی ہو -	
	(۲) اور کچھ نہیں تو قانون ہی سہی	
(۱۶) قطب الدین	(۱) دیوالہ ہو چکے	
	(۲) رادھن پور کے لئے کمر کس چکے تھے	
	(۳) روانگی سے پیشتر ہر ایک سے ملنا ضروری تھا	
(۱۷) قاضی ثروت	(۱) منصب قضا (آنریری مجسٹریٹ) پر فائز ہو گئے ہیں اسلئے تقریرات کے مطالعہ سے	(۱) قاضی صاحب کیلئے -

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
	فرصت نہ مل سکی ۔	
	(۲) اچکن اور پاجامہ کے طلائی کام ناقص تھے	
(۱۸) محمد شفیع	(۱) عارضی جج ۔ گزٹ کے منتظر	
	(۲) خیال ہے کہ لڑکوں کے بحث کی شرکت کیلئے	
	عمر موزوں نہیں رہی ۔	
	(۳) علی گڑھ کے معاملات سے جی اکتا گیا	
(۱۹) یعقوب علی	(۱) صرف اُردو	
	(۲) تمادی عارض ہو چکی تھی	
(۲۰) امداد	(۱) حال ہی میں نقل مکانی قبول فرمایا ہر سوٹ	
	اور واٹر پروف سب قطیوں میں بندھے تھے ۔	
	(۲) اپنے خیالات کے ترجمانی سے قاصر تھے ۔	
	مشق چھوٹ گئی	
	(۳) مکان کی فکر میں سرگرداں تھے	
(۲۱) نبی جان	(۱) میرٹھ دہلی ۔ لکھنؤ ہوتے ہوئے سرکاری	
	مناظر کا نظارہ مقصود تھا	
	(۲) باقیدارد ں میں ہی (مالگزاری کے ،	
	(۳) مرغن کھانا ملنے کی اس سال اُمید کم تھی ۔	
	(سکرٹری صاحب آیندہ سے خیال رکھیں ،	
(۲۲) احمد	(۱) کثرت ہمدردی سے مزاج بدمزہ تھا ۔	
	(۲) رنڈوے ہونے کا افسوں ۔	

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
	(۳) گلزار دبستاں۔ کا مطالعہ (۴) نعل بندی ہو رہی ہے اسلئے کہ ہندوستان صحرا نہیں ہے۔	
(۲۳) ظہیر دہار	(۱) خار زار ریش سے دامن فراغت نہ چھوٹ سکا (۲) بہتری کوشش کی لیکن بوجوہات متحدہ کی ایجوکیشن کوڈ میں ڈر کے لئے کوئی پراو یژن (دفعہ) نہ تھی۔ (۳) اپنے اسکول کے ترشیئوں کی جانب سے مطمئن نہ تھے۔ (۴) باد مخالف کے زور سے مرکز ثقل کے قایم نہ رہنے کا خطرہ دامنگیر تھا۔	
(۲۴) سرفراز خاں	(۱) محصول آبکاری ادا کرنا تھا۔ (۲) دودھ کا دودھ ہونے والا تھا۔ (۳) منتشی ہوا کے اثر سے بہت تیار کیا تھا۔ (۴) دشواریوں کو سہل کرنے کی فکر میں تھے (۵) قانون کی قصہ خوانی میں مشغول تھے۔	
(۲۵) مخیل	(۱) حرکت دوامی کا مسئلہ حل کر رہے تھے۔ (۲) علیگڈھ مارکٹ کا لیسنس نہ تھا۔ (۳) سمجھ نہ سکے کہ ڈر کو اپنی ڈائری میں کس مد میں	

نام	عذرات	نوٹ منجانب اڈیٹر
	درج کریں۔ (۴) یکم اپریل کیلئے تیاریاں کررہے تھے۔	
(۲۶) سرفراز (نمبین)	(۱) کیوں؟ اسلئے کہ علیگڈھ اور اسکی تعلیم پر اعتبار نہ رہا۔ (۲) اگر علیگڈھ والے ذاتی تجربہ مانیں تو وہ بھی اولڈبوائے ہیں۔ (۳) دوسروں کے گری پڑی خطاؤں کو اکٹھا کرنے میں سخت مشغول تھے۔ (۴) ٹریجیڈی آف ایررز کی تصنیف سے فرصت نہ تھی۔ (۵) لوگ کہتے ہیں کہ "کامیابی سے زیادہ کامیاب بنانے والی کوئی چیز نہیں"، کوشاں ہیں کہ اسکا عکس بھی کامیابی کے ساتھ انجام پاسکتا ہے (ہر صورت سے کامیابی کا خوف ہے) (۶) بعد تجربہ کے ایک ایسی تصنیف فرمانیوالے ہیں کہ ارتکاب خودکشی کے بعد بھی انسان زندہ رہ سکے!! (مجلس قانون سازی کو ہوشیار ہوجانا چاہیئے) (۷) تحت الثرائے سے گزر کر اعلیٰ علیین تک پہونچنے کی کوشش ہے (کامیابی کی اُمید معلوم!)	

(۷) تحت الثرےٰ سے گزر کر اعلیٰ علیین تک پہونچنے کی کوشش ہے (کامیابی کی اُمید معلوم !)

(۸) اگر دُنیا کے ناکام اصحاب کی نمائش ہو تو آپ کو انعام ضرور ملیگا (کیا عجب جو یہاں بھی ناکام رہیں)

۲۷- مصطفےٰ حاضر جناب !!!!!

علی گڈھ اولڈ بوائز اُناؤ میں

۲۸ رجون ۱۹۱۴ء یوم شنبہ کو قصبہ اُناؤ میں علی گڈھ اولڈ بوائز کا ایک جلسہ ڈسٹرکٹ ایسوسی ایشن قایم کرنے کی غرض سے منعقد ہوا۔ قصبہ کے مقامی اولڈ بوائز نے جن کی تعداد اِسوقت خدا کے فضل سے ۹ ہی مُفصلات کے اولڈ بوائز کو مدعو کیا۔ اِس ضلع میں اُن اولڈ بوائز کو شامل کرکے جو اِس ضلع کے رہنے والے ہیں مگر بوجہ ملازمت غیر اضلاع میں موجود ہیں۔ تعداد تیس سے زیادہ ہے۔ لیکن بوجہ بارش کے کل ۱۴ حضرات شریک جلسہ ہو سکے ہم جملہ اولڈ بوائز کے عموماً اور ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل ڈی کے خصوصاً تہ دل سے ممنون ہیں جنھوں نے زحمت سفر گوارا فرماکر ڈنر میں شرکت فرمائی ڈنر کا وقت ۹ بجے شب مقرر تھا لیکن عین اُسی وقت اِس زور کی بارش شروع ہوئی کہ بعض مقامی اولڈ بوائز بھی دس بجے سے قبل مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (علیگ) کے مکان پر نہ پہونچ سکے۔ چونکہ رات زیادہ گذر چکی تھی اِسلئے خیال تھا کہ ڈنر کی وہ شان نہیں ہوسکتی جو عموماً

علی گڑھ ڈنر کی شان ہوا کرتی ہے۔ لیکن بات تو یہ ہے کہ جہاں ہم دو چار بیفکرے یا بھائی شوکت کی زبان میں کھلنڈرے اکھٹے ہو جائیں وہاں رونق نہونے کے کیا معنے۔ مختصر یہ کہ ہم لوگ بھگتے ہوئے دس بجے کے قریب مولوی صاحب کے مکان پر پہونچ گئے ساڑھے گیارہ کے قریب ڈنر سے فراغت پائی۔ اُس کے بعد کارروائی جلسہ شروع ہوئی اور ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب بالاتفاق صدر قرار پائے۔ دو تین مقامی اولڈ بوائز نے تقریریں کیں۔ اُسکے بعد ڈاکٹر صاحب نے نہایت فصیح اور پر معنی الفاظ میں تقریر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ آج کل بعض ناقص العقل حاسدوں نے اپنا یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے کہ کسی نہ کسی پہلو سے ہمارے کالج کے معاملات پر نکتہ چینی کیجاوے۔ نکتہ چینی ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایسے فضول اور بے بنیاد الزامات کالج پر عائد کرتے ہیں کہ جس سے عام مسلمانوں کو بد دلی پیدا ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ ہمارا اور صرف ہمارا فرض ہے کہ ایسے فضول اعتراضات کا دندان شکن جواب دیں اور مسلمانوں کے خیالات کو برگشتہ نہونے دیں۔ دوسری نصیحت جو موصوف نے فرمائی اور جسکو حاضرین جلسہ نے گوش بر آواز ہو کر سُنا وہ یہ تھی کہ ہمارے کالج کے طلباء میں جو سب سے بڑی صفت پائی جاتی ہے وہ دیانت داری و راستبازی ہے۔ ہمارے جو بھائی کہ ملازمت پیشہ ہیں اُن کو ہمیشہ فخریہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اُن کے حکام بالا انکے ایمانداری اور صداقت کی وجہ سے اُن سے خوش ہیں۔ یہی بات اُن لوگوں کو مدنظر رکھنا چاہئے جو آزاد پیشہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً وکیل ڈاکٹر بیرسٹر وغیرہ مقدمہ کی نوعیت جو کچھ

بھی ہو وکیل کو ہمیشہ خوب تیار ہو کر جانا چاہیے اور راستبازی کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے خواہ اُسکا مالی نقصان کیوں نہو بعد اس دلچسپ تقریر کے مسٹر محمد سلیم الدین بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ بی نے تحریک کی کہ قصبہ اناؤ میں ایک ڈسٹرکٹ ایسوسی ایشن قایم کیجاوے جو کہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن علی گڈھ کی شاخ قرار پاوے مسٹر محمد عبدالعظیم ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی اور مسٹر مرتضی بی۔ اے نے تائید کی اور یہ رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا۔ مسٹر سید محمد (شکیل) نے تحریک کی اور شمشاد علی صاحب بی۔ اے نے تائید کی کہ مولوی خلیل الرحمن صاحب اس انجمن کے سکرٹری مقرر کئے جاویں۔ مولوی صاحب نے بوجوہات چند در چند اپنی معذوری ظاہر فرمائی اور بہ تحریک مسٹر محمود احمد (چرمانی) و بہ تائید مسٹر باقر حسین و مسٹر علی اوسط۔ محمد عبدالعظیم صاحب سکرٹری مقرر کئے گئے۔ سید محمد تقی صاحب بی۔ اے نے تحریک کی کہ جو اولڈ بوائز اس ضلع کے علی گڈھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے ممبر اِسوقت تک نہیں ہیں اور جنکے نام اِسوقت معلوم ہیں اُن کے نام نامی آنریری سکرٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی خدمت میں بھیجدئے جاویں۔ مولوی سلیم الدین صاحب و سید باقر حسین صاحب نے تائید کی۔ لیکن سید محمد صاحب (شکیل) نے فرمایا کہ جو حضرات ڈسٹرکٹ ایسوسی ایشن کے ممبر ہوں اُن سے کچھ رقم ماہوار بطور چندہ کے لیجاوے اور وہ رقم سنٹرل ایسوسی ایشن میں شامل سمجھی جاوے رفتہ رفتہ ممبران کو رغبت دلائی جاوے کہ وہ سنٹرل ایسوسی ایشن میں بھی چندہ دیں۔

اِسکی تائید ڈاکٹر ناظرالدین حسن صاحب اور شمشاد علی صاحب نے کی

چنانچہ بعد مباحثہ یہ طے پایا کہ پہلے لوگ ڈسٹرکٹ ایسوسی ایشن کے ممبر ہوئیں تب یہ تحریک پیش کی جاوے کہ وہ سنٹرل ایسوسی ایشن کے بھی ممبر ہوں آخر میں سید محمد تقی صاحب نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ایک نظم جو ذیل میں درج ہے اور جسکو موصوف نے صرف چھ گھنٹہ پیشتر تیار کیا اور عجب نہیں کہ اپنے اُستاد معظم سید محمد صاحب (شکیل) سے بخوبی اصلاح بھی نہ لی ہو۔ بعض بعض اشعار عین جلسہ کے وقت اپنے بھائیوں کے اصرار پر نظم کئے تھے۔ اس نظم کا پڑھنا تھا کہ رنگ ہی دوسرا ہو گیا۔ ہر شخص کا جوش اُسکے چہرہ سے نمایاں تھا۔ اُس وقت دُنیا و مافیہا کا ہوش ہم لوگوں کو نہ تھا۔ اس تھوڑے عرصے کے لئے وہ تمام افکار جنہوں نے ہم لوگوں کو اپنے پیارے کالج کو چھوڑنے کے بعد گھیر رکھا ہے یکقلم محو ہو گئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم لوگ پیارے کالج کے اندر بیٹھے ہوئے اُسی قسم کی بیفکری کی باتیں کر رہے ہیں جیسی وہاں ہوا کرتی تھیں اور جسکے مزے کچھ وہاں کے طالب علم ہی جانتے ہیں۔

قریبین والے سمجھ جائیں دوسروں کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہی بعد ختم نظم سید محمد صاحب (شکیل) نے نہایت پر جوش الفاظ میں مفصلاً کے اولڈ بوائز کا شکریہ ادا کیا اور بعد ایک بجے شب کے جلسہ برخاست ہوا۔

نظم

مرحبا اے یوم شنبہ آج ہی تیرا سنگار ہے تیرے دن کے نور سے سب دن منور ہو گئے	صبح تیری نور افزا شام تیری مُشکبار تیری شب میں کچھ نرالی ہے یہ تاروں کی بہار

ساتھ لایا ہی جو تو کالی گھٹاؤنکا ہجوم
آسماں پھر آرہا ہی لطفِ سیرِ کوہسار

لطف دکھلاتی ہی لحظہ لحظہ بجلی کی چمک
ابر کے گردن میں پہناتی ہی کیا سونیکا ہار

بھیگے جاتے ہیں لباسِ میکشانِ خوش مذاق
جب ہوا کی ساتھ آجاتی ہی پانی کی بہار

سب علیگڈھ کی پرانے پینے والے جمع ہیں
آج اس گھر میں بھری ہی سو بہاروں کی بہار

ایک ہی پیرِ مغاں کی سب کے سب ہیں یہ مرید
ایک ہی ساقی کی میخانہ کی ہیں سب یادگار

مادر کالج کے سب گودونکے ہیں پالی ہوے
شفقتیں جسکی بُھلا سکتا نہیں ہی روزگار

ایک ہی گلشن کی یہ سب پھول ہیں کھلتے ہوے
ایک ہی بطن صدف کے ہیں یہ درِّ آبدار

یہ وہ ہیں جنپر کہ پڑتی ہیں نگاہیں قوم کی
یہ وہ ہیں جنسے بڑھیگا قوم کا عزّ و وقار

قوم کے پژمردہ گُل کے بس یہی ہیں رنگ و بو
اِس خزاں دیدہ چمن کی اِنسے ہوتی ہی بہار

یہ وہی ہیں مادر کالج کو جنسے آس ہی
ہیں یہی مستقبلِ اسلام کا دار و مدار

غور سے دیکھو تو اِس چھوٹی سی بستی میں بھی آج
انگلیوں پر جسکی آبادی کا ہوتا ہی شمار

اُسمیں بھی فضلِ خدا سے اسقدر اب ہیں علیگ
کرنا چاہیں کچھ تو کر سکتے ہیں یہ سب باوقار

پر غضب یہ ہے کہ ہم میں بھی سرائت کر چلی
وہ ہوا جس سے ہزاروں ہوگئی بے مرگ بار

بوڑھے بچوں کی نہ کیوں اک انجمن قایم ہو یا
جس سے اوروں کی نگاہوں میں بڑھے اپنا وقار

نام لیلے کر ادا کرتا ہی سب کا شکریہ
لائے ہیں تشریف آج دور سے یاں جتنے یار

اس ڈنر کو جسکے آنیسے ہوئی برکت نصیب
اس مکاں کا جسکے آنیسے بڑھا عزّ و وقار

باقر ژولیدہ مو اور ناظر الدین ڈاکٹر
ایک عالم علم و فن کا ایک یکّا تھانہ دار

ایک وہ نان خطائی جنکا پہلا عرف تھا
ایک انگریزی کے ابجد کی جو تھے ہیں قبضہ دار

ڈاکٹر صاحب کو شاید وہ زمانہ یاد ہو
تھے ڈرل کے کیپٹن اور کرکے وردی کا سنگار

رعب لڑکوں پر جماتے پر کوئی سُنتا نہ تھا
ناک بھوں بیحد چڑھاتے چیختے تھے باربار

رائڈنگ اسکول کی بھی گرچہ یہ کیپتان تھی
جانتے سب کچھ تھے لیکن ہو نہ سکتے تھی سوار

حضرت محمود چرپانی کہ جنکے ہیں تھرے
حضرت شمشاد جنکا عرف اک دجّال ہے
اسطرف کس شان سے بیٹھے ہیں یاں حضرت مسیح
انکو پہونچی ہی خلیل اللہ سے خوان گسنزی
نام سید محمد اور تخلص ہے شکیل
ایک کُرسی پر ہیں اوسط ایک پر باجی عظیم
اسطرف چندن کی اور روہن کی نرالی شان ہی
اور اب کسکو کہوں کوئی نظر آتا نہیں
کیوں چھپاؤں کسکا ڈر ہی آج میرا اپنا لقب

گائیں بھینسیں کھال کو روتی ہیں یہ اپنے زار زار
لائے ہیں تشریف اتنی دور لیکن بیچار
دو ہی دنمیں ہوگئے خرچ چہارم کے بھی پار
جنکے دم سے پیٹ سے آتی ہی کھانیکی ڈکار
تھے کبھی کالج میں یہ بھی شاعری کے ٹھیکدار
اُنکا قد طول امل اور انمیں اِتنا اختصار
دونوں بھائی ہیں رہے دونوں کی جوڑی برقرار
اک ایسی مرتضیٰ ہے ایک ہی یہ خاکسار
جانتے ہیں سب کہ ہوں تاج الملوک نامدار

"ایک اولڈ بوائے"
از اُناؤ

ہم اولڈ بوائز کے ممنون ہونگے اگر اس قسم کے جلسوں کی اطلاع ہمارے رسالہ کو بھیجدینگے۔

اڈیٹر

قند مکرر

ہم نے ہمیشہ کوشش کی کہ ہمارا رسالہ صحیح صاف اور وقت پر چھپے مگر پریس کی مہربانیاں ہمارے حال پر اسقدر زیادہ تھیں کہ ہم اِن میں سے ایک بات کو بھی پورا نہ کر سکے قند مکرر جسے ہم اِس رسالہ میں درج کرتے ہیں یہ کوئی نئی نظم نہیں بلکہ مولوی سید بنظیر شاہ صاحب کی وہ نظم

ہے جو دسمبر گذشتہ کے پرچہ میں ساقی نامہ کے عنوان سے شائع کی گئی تھی مگر اُس پر کاتب صاحب کی اصلاح اور سنگ ساز صاحب کی خوردہ گیریوں نے ایک کیفیت ہی دوسری پیدا کر دی اور ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ جو چیز اُردو لٹریچر میں ہمیشہ رہنے والی ہی اُسے درست کر کے مکرر اپنے رسالہ میں درج کریں۔ یقین ہے کہ ہمارے ناظرین اب نظم کا پورا لطف اُٹھائیں گے۔ مسٹر بنظیر شاہ صاحب نے ہمیں اور نظمیں بھی عنایت فرمائی ہیں جو اگلے پرچوں میں ہمارے ناظرین کی نظر سے گذرینگی۔

کہاں ہے تو اے ساقیٔ جم وقار
کہ نوروز ہے اور فصلِ بہار
شباب آفریں می پلا شیب میں
ہزاروں ہنر بھر دے اک عیب میں
صباحِ ربیع ولبِ جوئبار
یہ خنکی یہ سبزہ یہ ابرِ بہار
غضب! بھینی بھینی گلوں کی مہک
ستم! ہلکی ہلکی ہوا کی سنک
کھلی مہرِ خم غنچے کھلنے لگے
گل و بلبل آپس میں ملنے لگے
اُٹھا جام باہیں تو گردن میں ڈال
گلے مل مرے دل کی حسرت نکال
تبسم کناں راحِ اطہر پلا
بنا زندہ دل روحِ کوثر پلا
سلامت رہے نوجوانی تری
یہ بزمِ طرب گل فشانی مری
کہاں پھر یہ دن اور ذوقِ شراب
کہ سیلابِ باراں ہی جوشِ شباب
اُبلکر یہ می خم سے بہہ جائے گی
کسی کی رہی ہے نہ رہجائے گی
گیا دورِ غم۔ تو نہ کرنا گِلہ
بہار آئی ساقی بہار آگئی
کھٹکتا ہے اِسوقت خارِ ملال
پلا پھول دل سے یہ کانٹا نکال
جلالِ خزاں مل گیا خاک میں
جلی دخترِ رز سایۂ تاک میں

زمانِ گل و کامرانی ہے یہ — نہو مے، تو کیا زندگانی ہے یہ
مری آہِ دل کا یہ چھایا اثر — بنا سوسنی ابر دودِ جگر
گھٹا اودی اودی سی کیا چھا گئی — بہارِ چمن رنگ پر آ گئی
پروں کو اِدھر مور تولے ہوئے — گھٹائیں اُدھر بال کھولے ہوئے
وہ کوئل غضب لَے بجاتی ہوئی — پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی
سُناتا ہے دیپک کے سرلَے کہاں — تو کہ "الصلا" اور کہدے یہاں
اُٹھی رس بھری بانسلی کی صدا — تو اُٹھ کر صراحی کا قل قل سُنا
بڑھا جھومتا، کوہ سے فیلِ ابر — ہے رندوں پر اب تنگ میدانِ صبر
فلک پر سیہ مست چھایا سحاب — اُٹھی خم سے یا موجِ دودِ شراب
ہوا، دوش پر شال ڈالے ہوئے — گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے
دوپٹہ رنگا ابر نے کاسنی — اُڑی پھرتی ہے آج تر دامنی
اُڑا ٹکڑے ہو ہو کے دامانِ صبر — ہے زاہد کی عصمت کی چادر یہ ابر
تھے خلوت میں جو سجدہ گاہِ کرام — ہوا پر اُڑے وہ مصلّے تمام
ہوائے مئے خوش نے بھڑکائی آگ — گئے اُڑ کے افلاک پر خم کے جھاگ
گھٹا میں وہ بگلوں کی ہر سو قطار — کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار
سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر — رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر
لئے ہاتھ میں تیغِ عریاں گھٹا — چلی کاٹنے فوجِ غم کا گلا
نکالے ہوئے مانگ ابرِ کبود — دکھاتا ہے زلفوں کی اپنی نمود
اُٹھا ہے یہ رندوں کا دودِ فغاں — ہلاتی ہے چادر گھٹا، الاماں
یہ اُڑ اُڑ کے نامِ مغاں کر گئے — کہ مینا کے چھینٹے فلک پر گئے
سراپردۂ چرخ ابرِ بہار — یہ جھالر ہے مقیش کی آبدار

یہ طوفانِ بادہ اُٹھا خاک پر — بطِ مے گئی اُڑکے افلاک پر
یہ کہسار میں راہ چھوٹی ہوئی — سڑک سنگ مرمر کی کوٹی ہوئی
دوا قلبِ رنداں کے ناسور کی — کفِ ابر میں بنی کافور کی
گھٹاؤں کے جوڑے ہوا سے لڑے — یہ موبافِ موتی بھرے کھل پڑے
زمین و فلک پر ہے مستی کا شور — گرجتے ہی بادل کے چلّائے مور
گھٹا ایسی گھنگھور چھائی ہوئی — کہ مینا نہ ساری خدائی ہوئی
یہ فصلِ بہار اور یہ جوشِ مے — کہ ہر بزم ہے رشکِ کاؤسِ کے
وہ روح رواں دے تو اس ابر میں — کرے وجد جمشید بھی قبر میں
رواں ہر گلی میں ہوئی موجِ آب — بہنے میکدے میں بھی جوے شراب
طرب آشنا ہو غمِ بے کراں — بطِ مے ہو کشتی کی صورت رواں
اُدھر ابر اِدھر ہر جواں مست ہے — زمین مست ہے آسماں مست ہے
جو بیہوش گرتے ہیں مست شراب — پھواریں چھڑکتی ہیں مُنہ پر گلاب
زمین و فلک میں تھی کچھ چھیڑ چھاڑ — پڑے بیچ میں بدلیوں کے پہاڑ
کبھی گدگدا کر ہوا رہ گئی — کبھی مُسکرا کر گھٹا رہ گئی
ہنسی برق کی جاں فزا ہو گئی — گلوں کی اُداسی ہوا ہو گئی
ہے چقماق کو پنبۂ تر سے لاگ — نکلتی ہے یا سنگِ موسیٰ سے آگ
ہیں دست و گریباں شرار اور آب — نقل اِنّ ہذا الشّیٔ عجاب
کچھ ایسی ہی ٹھنڈی ہوائیں چلیں — گلیم اوڑھ کر جو گھٹائیں چلیں
فلک پر گرجتا ہے ابر مطیر — زمین پر نہ کیوں رند گائیں کبیر
اُدھر بجلیاں توڑے ہنسکر سحاب — اُدھر شیشۂ سنگ ذوقِ شراب
کبھی ابر گریاں کبھی خندہ زن — ہے دیوانے کا سوانگ چرخِ کہن

برستا ہے رہ رہ کے ابر بہار
چلے اتنی مے ساقیِ شوخ و شنگ
بغل میں سبو ہاتھ میں چنگ ہے
وہ زاہد جنہیں دخت رز سی تھی لاگ
مئے شعلہ رنگ آگئی جوش پر
سبو بوڑہے غمزے دکھلانے لگے
نکل آئی پردے سے بنت عنب
رچے رنگ مے میں شرابی تمام
خم مے یکایک اُبلنے لگے
منایا ہے رندوں نے جشن عام
ترے دم سے اے ساقیِ جم تبار
پرانی روش پر ہے تازہ چمن
بہار آئی اک دہوم سی مچ گئی
طیورِ سحر خیز شیریں نوا
اُٹھی موجِ مے بن کے بادِ سحر
وہ شوخی نسیمِ خوش آہنگ ہیں
گزرتی ہے جو پتیوں سے ہوا
جو گاتے ہیں مرغانِ شیریں زباں
عنادل جو ہوتے ہیں نغمہ سرا
ہوا نشہ میں سنسناتی ہوئی
کبھی نغمہ زن طائرانِ سحر

تو بادہ سے پچکاریاں بھر کے مار
کہ ہو میکدے کی زمیں لالہ رنگ
ہے رندوں میں ہولی عجب رنگ ہے
لنگوٹے پر اب کھیلتے ہیں وہ پھاگ
نکل آئی شیشہ پری توڑ کر
کہ ڈھل ڈھل کے جوبن پر آنے لگے
صراحی کی گردن اُٹھے خاک اب
گُلالی ہوئی ہے گلابی تمام
صراحی سے شعلے نکلنے لگے
کہ ہر بزم میں رقص کرتا ہے جام
وہی انجمن ہے وہی نو بہار
نئے جوش پر ہے شراب کہن
عروسِ چمن رنگ میں رچ گئی
نسیمِ دل آویز، عشرت فزا
روش پر گری شاخ گل جھوم کر
کہ ہر نقشِ گل کھنچ گیا رنگ میں
نکلتی ہے کیسی سریلی صدا
بجاتے ہیں برگِ شجر تالیاں
اُنہیں آس دیتی ہے موجِ صبا
ہمکتی ہوئی لڑکھڑاتی ہوئی
کبھی گنگناتے ہیں برگِ شجر

ہوا سے یہ للے کی اُٹھکھیاں
کہ اُٹھتی ہی موج مئے ارغواں
یہ جوشِ بہار اور یہ کالی
سلامت رہے تیری دریا دلی
پلا بھر کے مے ساغرِ نور میں
جگہ دے مجھے چشمِ مخمور میں
یہ مقبول ہو بادہ نوشی مری
کرے زہد حلقہ بگوشی مری
اُٹھا دے یہ پردہ محبت کا جوش
کہ دامانِ رحمت ہو خود عیب پوش
بہی ندیاں نشۂ میں نور کی
اندھیرے میں سوجھی مجھے دور کی

جدا میرے لب سے لب خم نہو
بہکنے میں بھی راستہ گم نہ ہو

اولڈ بوائز

ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اولڈ بوائز میں سے اس سال مسٹر مظفر محمد خاں صاحب اور مسٹر حیدر حسین صاحب نے تحصیلداری سے ڈپٹی کلکٹری پر ترقی پائی ہے اور مسٹر سید التجا حسین صاحب عابدی تحصیلدار بنائے گئے ہیں۔ ہم ان تینوں صاحبوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

مسٹر نظیر حسین صاحب فاروقی جو اپنی اسٹور اسکیم کے باعث تمام اولڈ بوائز میں محبت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اپنے گذشتہ عہدے سے ترقی پاکر اب انسپکٹر مدارس بنائے گئے ہیں۔ خدا کرے مستقل بھی جلد ہو جائیں۔ مبارک ہو۔

مسٹر سید ہاشم صاحب بلگرامی اِسوقت سے پہلے نظام ہائیکوٹ کے ایک منصرم جج تھے مگر ہمیں اب یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ وہ

وہاں کے مستقل جج مقرر ہو گئے ہیں۔ مبارک

علی گڈھ اور اسکے اطراف میں یہ خبر گرم ہے کہ مسٹر واجد علیخاں صاحب (بھوپال) اپنی حال کی ترقی پر یہاں کی ایک بڑی پارٹی کو بلاکر دعوت دینے والے ہیں۔ امرتیاں خصوصیت کے ساتھ تیار کی جائیں گی۔ ہم انہیں مبارکباد دیتے ہیں اور دعوت کا پیشگی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

مسٹر سید اکبر علی خاں صاحب رئیس پنڈراول کی بیگم صاحبہ کے صاحبزادی پیدا ہونے کی خبر سنکر ہمیں اور علی گڈھ کے تمام اولڈ بوائز کو خوشی ہوئی اور سب سے زیادہ مسرت اس بات کی ہے کہ مولود مع اپنی والدہ کے بخیریت او تندرست ہے۔

یہ خبر عام طور پر مسرت کے ساتھ سنی گئی کہ مسٹر ٹول کے رخصت حاصل کرنے پر ہمارے برادر مکرم ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے قایم مقام پرنسپل بنائے گئے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ہمارے کالج میں کسی ہندوستانی کو یہ عزت دیگئی ہے۔ خدا مبارک کرے۔

یہ خبر ہمارے لئے تکلیف دہ ہے کہ مسٹر عبدالحق صاحب وکیل ملتان کے کسی شخص نے ایک ایسے موقع پر چھرا مارا جبکہ وہ اپنے کسی دوست کے یہاں مدعو تھے۔ مرحوم دو روز کے اندر ہی انتقال فرماگئے وہ ہمارے کالج میں ہی اپنے زمانہ میں ممتاز نہ رہے تھے بلکہ ملتان اور اہل ملتان کی بھی انہوں نے بڑی خدمت کی تھی۔ اُن کے اعزاز میں شہر کے تمام دفاتر ایک دن کے لئے بند کردئے گئے۔ ہم خدا سے اُن کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اُنکے پس ماندوں کے شریک غم ہیں۔

یہ خبر بھی ہمارے لئے کچھ کم رنج دہ نہیں کہ مسٹر سید انعام عظیم صاحب

رئیس انبیٹھ کی اہلیہ نے مراد آباد میں وفات پائی - خدا مرحومہ کو جنت نصیب کرے اور پس ماندوں کو صبر دے -

مسٹر سید اختر حسین صاحب بی اے ایل ایل بی (ہردوئی) کو ایک ہی مہینے میں دو خوشیاں حاصل ہوئیں - ایک تو یہ کہ انہوں نے قانون کے آخری امتحان میں کامیابی حاصل کی اور دوسرے یہ کہ ایک بچے کے باپ ہو گئے - خدا مبارک کرے - ہم اپنی دعوت کے بجائے اُن سے کہتے ہیں کہ پیالی سے خبردار رہیں -

مسٹر اے حسن علی کی وفات نہ صرف اولڈ بوائز اور مسلمانوں میں افسوس کے ساتھ سُنی گئی بلکہ مرحوم کے انتقال سے گورنمنٹ کا ایک بہترین عہدہ دار بھی کم ہو گیا ہمیں مرحوم کے پس ماندوں سے ہمدردی ہے

مسٹر رفیع القدر خاں صاحب کی (امتحان ڈپٹی کلکٹری میں) کامیابی اور ترقی پر ہم امیدوار تھے کہ بنارس کے آم ہمیں کھانے کو ملیں گے مگر مسٹر سرفراز خاں نے علی گڈھ میں یہاں کے دہی بڑوں ہی پر ٹرکایا - ہم مسٹر رفیع کو مبارکباد دیتے ہیں -

ہمیں یہ سُنکر نہایت رنج ہوا کہ مسٹر حیدر مہدی کے والد ماجد نے لکھنؤ میں اور مسٹر حسن محمد حیات، مسٹر سید منظر علی، اور مسٹر اولاد حسین کے بچوں نے اپنے اپنے وطنوں میں وفات پائی - مسٹر حیدر مہدی کے والد جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب کے انتقال سے نہ صرف اُن کے خاندان کا ایک بہترین رکن کم ہوا ہے بلکہ مسلمانوں اور قانون پیشہ لوگوں میں سے ایک معزز اور ذاتی ترقی کا نمونہ جاتا رہا - خدا معلوم مرحوم کے کیا کیا خیالات تھے - ہمیں امید ہے کہ مسٹر سید کلب عباس صاحب جناب مرحوم کی سوانحعمری

ضرور شائع کرینگے اِن غموں میں ہم اپنے بھائیوں کے شریک ہیں۔

ہمیں خبر ملی ہے کہ مسٹر سید سجاد حیدر اور مسٹر میر علی رضا ڈپٹی شاب ہو گئے اور مسٹر سید غلام پنجتن عنقریب ڈپٹی صاحب بنائے جانے والے ہیں۔ ہم اُنہیں پیشگی اور اپنے دو اول الذکر بھائیوں کو دلی مبارکباد دیتے ہیں

سمندر کے کنارے کاٹھیاوار میں جہاں ہمارا خیال بھی جاتے جاتے تھک جاتا ہے، ہمارا ایک بھائی مسٹر عبدالحمید اسسٹنٹ انجنیر مقرر ہوا ہے۔ خدا مسٹر عبدالحمید کو عہدہ اور ریاست مانگرول کو عبدالحمید مبارک کرے۔ مبارک باد قبول ہو۔

مسٹر محمد عزیز اللہ صاحب (بدایونی) سب انسپکٹر تھانہ ناصری گنج ضلع آرہ کو ایک نہایت سنگین ڈکیتی کے متعلق کارنمایاں کرنے کے باعث انسپکٹر پولیس بہار اُڑیسہ نے ایک طلائی گھڑی مع ایک طلائی زنجیر کے مرحمت فرمائی ہے۔ ہمارے ایک خفیہ نامہ نگار نے "شاد" ہو کر ہمیں یہ خبر لکھی ہے اور لکھتے ہیں کہ جسوقت یہ گھڑی انعام میں دی گئی آرہ میں پریڈ پر بہت بڑا مجمع تھا۔ مبارک ہو۔

مسٹر سید محمد مستحسن صاحب زیدی کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ بیرسٹر کا امتحان دیکر وہ جلد ہم سے آملیں گے اب یہ خبر ہمارے لئے اور زیادہ مسرت بخش ہے کہ وہ بی اے کے امتحان ریاضی میں تمام یونیورسٹی کے اندر آٹھویں آئے۔ خدا کا شکر ہے کہ قبلہ و کعبہ مولوی سید محمد حسین صاحب کی محنت ٹھکانے لگی۔ ہماری مبارک باد قبول ہو۔

این اکیایہ "وہ" کا خط ہے جبمیں ہمیں لکھتے ہیں کہ مسٹر شیخ نواب الدین صاحب بیرسٹر ہو کر سیالکوٹ آگئے اور وطن ہی میں پریکٹس کریں گے۔

ہم "وہ" کی، اپنی اور تمام اولڈ بوائز کی جانب سے مسٹر نواب الدین کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

مسٹر خواجہ باقر حسین صاحب جو ہمارے کالج میں قسیم رزق تھے رزاق مطلق کی مہربانی سے مسٹر احمد شجاع صاحب کی جگہ اسسٹنٹ سکرٹری ہو کر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے دفتر میں آگئے ہیں۔ اور نہایت محنت سے کام کر رہے ہیں۔ مسٹر خواجہ ہمارے یہاں کے بہت پرانے طلبا میں سے ہیں۔

جن لوگوں کو ہماری کانفرنس کے صیغہ اصلاح تمدن کے متعلق کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ یہ معلوم کر کے مسرور ہونگے کہ آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی نگرانی میں "عصر جدید" دوبارہ شائع ہوگا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس مرتبہ رسالے کے اغراض و مقاصد میں بیقدر زیادہ وسعت دیگئی ہے۔ بڑی خوشی تو اس بات کی ہے کہ صیغہ اصلاح تمدن پھر زندہ ہو جائیگا۔

کالج کی خبریں

بے فصل خربزوں اور آموں کا ذکر کرنا بالکل فضول ہے مگر اب کی مرتبہ نزورہ میں پارٹیوں کے درمیان جناب مولوی سید نثار حسین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ نہر کی تقریروں نے طلبا پر بہت اچھا اثر کیا۔

ہم ایک عرصہ سے جانتے ہیں کہ "تائی لارڈ" قوم کے سچے فدائی اور نہایت خاموش کام کرنے والے

چلتے چلاتے ہمارے کالج کے طلبا نے شب ماہ میں کبڈی اور فٹ بال کی پارٹیاں دیں۔ کبڈی تو چاندنی رات کا زیور ہے۔ مگر فٹ بال نے بے حد لطف پیدا کر دیا تھا۔ ایک بات نہایت دلچسپ تھی کہ کبھی کبھی فٹ بال کی جگہ کھیلنے والے بھی فٹ بال بن جاتے تھے اور بعض تجربہ کار کہتے ہیں کہ لڑکے ٹٹول ٹٹول کر گیند کھیلتے تھے۔ "زندگی زندہ دلی کا ہے نام"

کالج اور اسکول کے طلبا کی جانب سے اسی زمانہ میں پینی ریڈنگ کے جلسے ہوئے اور ہماری دو راتیں نہایت لطف کے ساتھ کٹیں۔ مسٹر محمد فاروق ایم۔ ایس سی حاجی لغلول بنے تھے اور اپنا پارٹ خوب ادا کیا ہمارے اسکول والے لڑکوں سے بریلی مسلم اسکول کے لڑکے بازی لے گئے۔ یہ مسٹر قمر علی صاحب کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

جاننے والے مسٹر کلیم اور مسٹر "مانی" کی دعوتوں کا لطف جانتے ہیں۔ فرق اتنا تھا کہ مسٹر کلیم کے دوستوں نے اُن سے خوب دعوتیں کھائیں اور مسٹر "مانی" کو اُن کے دوستوں نے دعوتیں دیں شاعری کا لطف دونوں کی دعوتوں میں آیا۔ "کلیم" طور سے نیچے نہ اُترتے تھے اور "مانی" دل سے باہر نہ جاتے تھے۔

صاحبزادہ حمید اللہ خانصاحب کی کامیابی اور کپتانی سے سب کو مسرت ہے اور اُمید ہے کہ اب کالج کرکٹ کو خاص ترقی ہوگی۔

ہم صاحبزادہ صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے "ینگ پرنس" اپنی کپتانی کے زمانہ میں ہمیں کرکٹ کے حالات وقتاً فوقتاً لکھتے رہینگے۔

ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری کے خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے تمام حصص ملک میں اُن کا جس قدر جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا جاتا کم تھا۔ اور اسی لئے ہمارے کالج میں اُن کا خیر مقدم ہمیں عرصہ تک یاد رہیگا۔ اسٹیشن پر گل باری اور "رامپور حامد ہال" کا مجمع دونوں دیکھنے والوں کی نگاہ میں ایک خاص کیفیت پیدا کر رہے تھے۔ "ہال" میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر ہوئی اور حاضرین کو سُننے کا اسقدر شوق تھا کہ بیچارے ڈاکٹر صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو بہت دیر تک بھوکا رہنا پڑا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر انصاری اور دوسرے ارکان وفد کی بہترین مثال کو خدمات اسلام کے متعلق ہمارے نوجوان پیش نظر رکھیں۔

مسلم یونیورسٹی کے جلسوں نے باوجود کالج بند ہونیکے اسٹریچی ہال اور بورڈنگ میں ایک رونق پیدا کر دی۔ ہم خوش ہیں کہ تمام معاملات نہایت خوبی کے ساتھ طے ہو گئے اور ان جلسوں سے ہمارے لیڈروں کو قومی رائے کا اندازہ ہو گیا۔ نواب وقار الملک بہادر کا خط ہم کسی جگہ بجنسہ درج کرتے ہیں اور خداوند کریم سے قبلہ وکعبہ کی صحت وعافیت کے متمنی ہیں۔

۴۸۶

نواب وقار الملک بہادر کا پیغام قوم کے نام

(بذریعہ جلسہ مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی)

منعقدہ ۲۶-۲۷ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء بمقام علیگڈھ

صبا بگلشن احباب گرہمی گزری + از و القیت جیبی فقل لہ خبری

جناب صدر انجمن و دیگر بزرگان قوم! ۵ فروری گزشتہ کے علی گڑہ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں میں نے جو مضمون مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے متعلق لکھا تھا اُس میں اپنے متعدد امراض اور ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے اپنا یہ خیال ظاہر کردیا تھا کہ آئندہ جلسوں کی کارروائی کے وقت تک اگر میری طبیعت درست ہوگئی تو میں ان جلسوں کی شرکت کی عزت حاصل کرسکونگا۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک میری طبیعت اس قابل نہیں ہوئی اور صدمہ کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ حال کے ان جلسوں میں شریک نہ ہوسکونگا۔ اور میں نہیں عرض کرسکتا کہ جلسہ سے اپنی اس غیر حاضری کے تذکرہ کے وقت میرے قلب کی کیا کیفیت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو اپنے نیک ارادوں میں کامیاب کرے اور میں مشکور ہونگا اگر جناب صدر انجمن صاحب مہربانی سے میرے ذیل کے چند ناچیز خیالات کو (جو گزشتہ دسمبر کے جلسہ ہاے فونڈیشن کمیٹی کے

مباحثات کے وقت تبادلہ خیالات کے بعد قائم ہوئے ہیں) صاحبان شریک جلسہ کے سامنے پیش فرما دینے کی اجازت دینگے۔

(۱) سب سے پہلے جلسہ کی توجہ اس پر درکار ہی کہ جب تک یونیورسٹی کانسٹیٹیوشن کا مسودہ مکمل نہ ہو جائے اور فونڈیشن کمیٹی اس کو منظور نہ کرلے اس وقت تک وہ آخری فیصلہ کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے پیش نہیں ہوسکتا اور حالت یہ ہی کہ ایکٹ اور اسٹیچوٹس کے سوا ریگولیشن پر ہنوز کانسٹیٹیوشن کمیٹی کا بھی کوئی اخیر فیصلہ نہیں ہوا ہی اور ریگولیشنز جو آخر میں جناب ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب نے مرتب فرمائے ہیں ان میں بعض ایسے مطالب داخل ہو گئے ہیں جن کا اثر ایکٹ اور اسٹیچوٹس پر بھی پڑتا ہی اور ان کی ترمیم لازم آتی ہی اور کانسٹیٹیوشن کمیٹی اور فونڈیشن کمیٹی کو اُن پر بہ نظر غائر غور کرنا ضروری ہی۔ اور بائی لاز کی نسبت میں سنتا ہوں کہ وہ صرف انگریزی میں چھاپے گئے ہیں اور ان کا اُردو ترجمہ ابھی تک مشتہر نہیں ہوا، اور صرف انگریزی میں ان کا چھپ جانا کوئی چیز نہیں ہی: میں نے جناب نواب آنریری سکرٹری صاحب سے علٰحدہ عریضہ کے ذریعہ سے خواہش کی ہی کہ جہاں تک ممکن ہو ان جلسوں سے پہلے بائی لاز کا ترجمہ چھاپ کر کم از کم اُن صاحبوں میں قبل از جلسہ ضرور تقسیم کردیا جائے جو شرکت جلسہ کی غرض سے علی گڑھ تشریف لائے ہیں۔

مطلب یہ ہی کہ کانسٹی ٹیوشن کے مسودہ کا فونڈیشن کمیٹی میں تصفیہ ہو جانا ایک اہم ضروریات سے ہی۔

مجکو بعض حضرات کی یہ رائے بھی معلوم ہو چکی ہی کہ بالفعل گورنمنٹ کے سامنے صرف ایکٹ اور اسٹیچوٹس کا پیش کرنا کافی ہی، لیکن جب یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہی کہ جب تک کانسٹی ٹیوشن کے تمام اجزا کا مسودہ مکمل نہ ہو جائے اُس وقت تک

اس بات پر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا کہ جو حصے پہلے سے مرتب ہیں اُن میں باقی حصوں کی تصنیف کے وقت کسی ترمیم کی ضرورت نہو گی تو صرف بعض حصوں کا گورنمنٹ کے سامنے رکھدینا احتیاط کے بالکل خلاف ہے اور بعض اوقات اس سے لاینحل مشکلات پیدا ہو جائیں گے۔

متعدد اوقات مجھ کو یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کے متعلق بعض کام کرنیوالے اصحاب کی طرف سے یہ عذر سننے میں آیا ہے کہ "وقت بہت تنگ ہے، وقت بہت تنگ ہے، اور اس لئے فلاں کام اگرچہ بیشک ضروری ہے مگر انجام نہیں پا سکتا" میں جلسے کی توجہ اس اہم معاملہ کی نسبت بہت زور کے ساتھ چاہتا ہوں - وقت کی تنگی کا عذر کسی حالت میں بھی قابل سماعت نہیں ہے۔ وقت ہمارے پاس بہت زیادہ ہے۔ سال دو سال بھی اگر کام کے لئے درکار ہیں تو ہم انکو کام میں لاسکتے ہیں۔ یونیورسٹی کا کام وہ کام ہے جس کا اثر عمروں اور نسلوں تک پہونچنے والا ہے۔ وقت عجلت کا ہرگز نہیں ہے۔

روپیہ ہمارے ہاتھ میں موجود ہے، کالج جو انشاء اللہ تعالیٰ یونیورسٹی بننے والا ہے وہ قائم ہے اور کام کر رہا ہے۔ لہذا گورنمنٹ کے ساتھ معاملت کرنے میں اگر ضرورتاً کچھ دیر ہو جائے تو اس سے قوم کا کوئی ہرج نہیں ہے۔ کالج کو جس طرح یونیورسٹی بنجانے کے بعد ہم ترقی دینے کا خیال رکھتے ہیں اس میں سے کافی حد تک ہم بغیر یونیورسٹی کے بھی کالج میں مفید اضافے کر سکتے ہیں۔

صرف اس بات کی ضرورت البتہ ہے کہ فونڈیشن کمیٹی سے چند باتوں کی منظوری حاصل کر لی جائے۔

اوّل - یہ کہ یونیورسٹی فنڈ کے منافع سے ہم اپنی قوم کے نوجوانوں کو جہاں تک فنڈ میں گنجائش ہو، اعلیٰ تعلیم کی غرض سے ابھی سے یورپ وغیرہ

کو بھیج سکیں۔

دوم۔ کالج کو ترقی دینے کی غرض سے جس جس تعلیم کا اضافہ کرنا کالج میں مناسب ہو اُس کے واسطے سرمایہ کے منافع سے بقدر گنجائش روپیہ خرچ کیا جا سکے۔

سوم۔ جس وقت سے کہ یونیورسٹی کا خیال دو سال گزشتہ سے تازہ ہوا ہے اور اُمید بندھی ہے کہ کالج یونیورسٹی ہو جائے گا کالج میں بعض کئی سبجکٹوں کے واسطے نئے پروفیسروں کا تقرر ہوا ہے۔ اور چونکہ یونیورسٹی کے چندہ اور ترکوں کے چندہ کی وجہ سے کالج کو قوم سے نئے چندے حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا کالج بجٹ میں خرچ آمدنی سے بڑھ گیا ہے۔ لہذا جس قدر اضافہ کالج کے اخراجات میں گزشتہ دو سال میں ہوگیا ہے وہ بقدر گنجائش یونیورسٹی فنڈ کے منافع سے پورا کیا جا سکے۔

چہارم۔ ایک مناسب رقم عمارتوں کے واسطے بھی فنڈ میں سے خرچ کرنے کی اجازت حاصل کر لی جائے۔

(۲) ایک ضروری امر قابل گزارش یہ ہے کہ اس جلسہ میں فونڈیشن کمیٹی کے ممبروں کو متعین کر لیا جائے۔ کئی دفعہ اس غرض سے کوشش شروع ہوئی اور وہ ناتمام رہی اور تنگی وقت کے عذر سے اب تک لیت و لعل چلا لیا گیا۔ نیز بہ صواب دید حالات موجودہ اور خاص کر اس وقت جب کہ گورنمنٹ کے ساتھ یونیورسٹی ڈیپوٹیشن کام کر رہا ہو غالباً متعدد اوقات فونڈیشن کمیٹی کے جلسے طلب کرنے کی ضرورت ہوگی اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ایک بہت ہی طول عمل ہے۔ لہذا اس کا وقت آگیا ہے (بلکہ آکر گزر بھی گیا ہے) کہ فونڈیشن کمیٹی کی طرف سے ایک مینجنگ کمیٹی کام کرنے کے واسطے مقرر کر لی جائے۔ اس وقت جو مینجنگ کمیٹی

کے ممبروں کے انتخاب کے ساتھ ہی اس کیواسطے ضروری قواعد بھی مرتب کر لیے جائیں جن میں مینجنگ کمیٹی کے اختیارات کو صاف کردیا جائے۔

۳- اب بعض اور اہم کام بھی جلسہ کے سامنے پیش ہیں جن میں ڈپوٹیشن کے ممبروں کا انتخاب بھی ہے۔ اُمید ہے کہ اس باب میں جلسہ کی عام رائے مجھ سے متفق ہوگی کہ اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا میں اپنے معروضات کو پیش کرنے کی غرض سے ایک ایسا ڈپوٹیشن مرتب کیا جائے جس کی قابلیت اور قومی ہمدردی پر قوم کو پورا اعتماد ہو اور جو قومی معروضات کو گورنمنٹ کیسامنے آزادی اور ادب کے ساتھ پیش کر سکے۔

اس ڈپوٹیشن کے ممبروں کے انتخاب کی وقت اس کا ہرگز خیال نہ رکھا جائے کہ کتنے ممبر کس خیال کے ہیں اور کتنے کس خیال کے۔ فونڈیشن کمیٹی کے گزشتہ جلسہ منعقدہ لکھنؤ میں جو سب سے بڑی غلطی ہوئی وہ یہی تھی کہ انتخاب سے پہلے یہ قرار دیدیا گیا کہ فلاں خیال کے ممبر اس قدر ہوں اور فلاں خیال کے اسقدر۔ ہم کو اس قسم کی پارٹی فیلنگ سے قطعاً اجتناب کرنا چاہیے۔ اور مجھکو اُمید ہے کہ اس جلسہ میں جو ممبر منتخب ہونگے وہ اس عقیدہ کے ساتھ ممبری قبول کرینگے کہ ہر ایک مسئلہ کے متعلق بعد کافی غور کے جو کچھ اُن کی ذاتی رائے ہوگی اور جس بات کو وہ ایمانداری اور سچائی کے ساتھ قوم کے حق میں مفید خیال کرینگے اسی کا اظہار کرینگے اور پارٹی فیلنگ کو اس میں مطلق دخل نہ دینگے۔ بدقسمتی سے جہاں پارٹی فیلنگ پیدا ہو جاتی ہے وہاں پارٹیوں کے ممبر ہر مسئلہ میں اپنی رائے کو اپنے لیڈروں کے تابع کر دیتے ہیں۔ یہ نہونا چاہیے۔ اور اگر اس قید سے ممبر اپنے آپ کو آزاد رکھیں تو یا رہا یہ ہوگا کہ ایک مسئلہ میں وہ ایک گروہ کے ساتھ ہیں گے اور دوسرے میں دوسرے گروہ کے۔ اور اس کا بہترین نتیجہ یہ ہوگا کہ پارٹیاں قایم نہ ہونے پائیں گی اور پارٹی فیلنگ معدوم ہو کر گورنمنٹ کے

سامنے ہر ایک مسئلہ ہمارے قومی مسئلہ کے طور پر پیش ہو سکے گا۔

۴۔ ممبروں کے انتخاب کیوقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ تمام ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی طرف سے ڈپوٹیشن منتخب ہو رہا ہے، لہذا بجائے اس بات کے ممبروں کی تعداد گورنمنٹ کے آرام کے لحاظ سے کم کی جائے زیادہ خیال اس بات کا رکھنا ضرور ہے کہ ہر ایک حصہ ملک کے مسلمانوں کی نیابت ڈپوٹیشن میں ہو جائے۔ مثلاً اگر ڈپوٹیشن میں پچاس ممبر تمام صوبوں کی طرف سے اس غرض سے منتخب کئے جائیں تو یہ تعداد میرے نزدیک زیادہ نہو گی اور ہم گورنمنٹ سے آسانی کے ساتھ اس تعداد کی ضرورت کو بیان کر سکیں گے۔ پھر جن صاحبان کو اس قسم کے ڈپوٹیشنوں کا تجربہ ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مختلف مواقع اور ضرورتوں سے بسا اوقات بعض ممبر وقت پر شرکت سے قاصرہ جاتے ہیں۔ لہذا قوم کا اطمینان حاصل کرنیکی غرض سے پچاس ممبروں کا ڈپوٹیشن منتخب کیا جائے تو شاید وقت پر چالیس ممبروں سے زیادہ موقعہ پر حاضر نہ ہو سکیں گے۔

۵۔ ڈپوٹیشن کے اختیارات کے متعلق میرے نزدیک جو مسائل کہ ڈپوٹیشن کے ذریعہ سے گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کرنا ہیں، یا جو مسائل گورنمنٹ کے خیالات معلوم ہونے کے بعد ڈپوٹیشن کے سامنے معرض غور میں آئیں ان کو دو قسموں پر منقسم کر دینا چاہیے اول قسم میں صاف صاف وہ مسائل رکھے جائیں جن کی نسبت یہ فونڈیشن کمیٹی یہ فیصلہ کر دے کہ ان میں کوئی تغیر اور تبدل بدون فونڈیشن کمیٹی کی منظوری کے نہو سکیگا۔ اور یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق قوم کی عام رائے اس وقت تک اخبارات اور گزشتہ جلسوں وغیرہ سے بخوبی معلوم ہو چکی ہے اور جن سے بجز معدودے چند صاحبوں کے (جنکی شمار انگلیوں پر ہو سکتی ہے) عام طور پر اتفاق کیا گیا ہے۔ مثلاً

(الف) یونیورسٹی کے نام میں سے لفظ مسلم یا محمدن کا عزیز ترین جزو چھوڑ دینا مسلمان گوارا نہیں کر سکتے۔

ب۔ یونیورسٹی کو اسکولوں کے الحاق کی ضرور اجازت ہونی چاہیے اور کالجوں کے متعلق یہ بصراحت بیان ہونا چاہیئے کہ جب تعلیم کو زیادہ ترقی ہو جائے اور وہ وقت آجائے کہ قوم اپنے مختلف کالج قائم کرنے پر آمادہ ہو، اس وقت گورنمنٹ کالجوں کے الحاق کے متعلق غور کریگی۔ آج جو الفاظ گورنمنٹ کی طرف سے ارشاد ہوئے ہیں ان میں گورنمنٹ نے آیندہ کے لئے بھی ہمیں اس بحث کے اُٹھانے سے معذور کر دیا ہے۔

میری ذاتی رائے تو یہ تھی کہ پنجاب کے اسلامیہ کالج کی نسبت اُسی وقت فیصلہ ہو جاتا کہ جب اس کی حالت ایفیلی ایشن کے لئے موزوں ہو تو مسلم یونیورسٹی سے اس کا الحاق کر لیا جائے۔ لیکن چونکہ گزشتہ جلسہ لکھنؤ کے وقت خود اس کالج کے پنجابی حضرات نے اس خواہش سے اعراض کیا، لہذا میں اپنی اس رائے پر کوئی زور دینا نہیں چاہتا۔ لیکن اس کالج کے مہتمم حضرات میں سے جو صاحب اسوقت جلسہ میں موجود ہوں وہ اگر مزید غور کے بعد اپنے کالج کے الحاق کو مناسب سمجھیں تو سرطح قرین مصلحت ہی ہے کہ ان کی خواہش کو منظور کیا جائے اور گورنمنٹ میں اس کالج کے الحاق کو بھی پیش کر دیا جائے۔ کالج کے موجودہ سامان کے متعلق اور یہ کہ آیا وہ مسلم یونیورسٹی سے ملحق ہونے کے لئے کافی ہے یا نہیں اس قدر عرض کرنا کافی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے اسکو بالکل کافی سمجھا ہے۔ اور اپنے ساتھ اس کو ملحق کر لیا ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے ساتھ اسکو شامل کرتے وقت صرف اس بات کی ضرورت اور باقی رہیگی کہ وہ اپنا رزیڈنشل سسٹم علی گڑھ کالج کے نمونے پر درست کرلے۔

(ج) سینٹ میں مسلمان ممبروں کی مجارٹی رہنی لازمی ہے۔

(د) پرووسٹ اور چند پروفیسروں کا لازمی طور پر یورپین ہونا۔

اس کو قوم کی مجارٹی نے پسند نہیں کیا ہے میری رائے یہ ہے کہ اس قید اور پابندی

کو دس برس تک کے واسطے محدود کر دیا جائے۔

(۵) اختیارات کا مسئلہ بھی جان سخن ہی اور جو کچھ فونڈیشن کمیٹی اس کے متعلق تجویز کرے اس کی ترمیم کا اختیار بھی ڈپوٹیشن کو بغیر منظوری فونڈیشن کمیٹی کے ہونا چاہیے اور اُمید ہی کہ فونڈیشن کمیٹی اس بات کو ملحوظ رکھیگی کہ گورنمنٹ کو یونیورسٹی کے اندرونی انتظام میں بہت زیادہ اختیارات کا حاصل ہونا جناب سر سید صاحب مرحوم ومغفور اور آنریبل سید محمود صاحب مرحوم مغفور کے اصول کے بالکل منافی ہی اور فی نفسہ بھی یونیورسٹی کے انتظام میں مخل ہوگا۔

اور اسی اختیارات کی بحث میں قطعی طور پر اس بات کو طے کر دینا چاہیئے کہ چانسلر کے اختیارات گورنر جنرل باجلاس کونسل کو کسی حالت میں تفویض نہ کئے جائیں۔

اپنی ناتندرستی کے سبب سے افسوس ہی کہ میں تفصیل کے ساتھ ان مسائل کو اسوقت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ لیکن اُمید ہی کہ معزز شرکا جلسہ اعتدال کے ساتھ غور کرنے کے بعد خود جن جن مطالب کو اس قابل خیال کریں کہ بغیر فونڈیشن کمیٹی کے ان میں ترمیم نہ ہو سکے ان کو اس فہرست میں شامل کر دیں۔

ڈپوٹیشن کو مطالب گورنمنٹ آف انڈیا میں پیش کرنے ہوں گے اُن کی پہلی قسم کا بیان اوپر ہوا۔ قسم دوم میں وہ مطالب شامل کئے جائیں جنمیں ڈپوٹیشن کو کسی ترمیم کا اختیار اس شرط سے حاصل ہوگا ڈپوٹیشن کے تین چوتھائی ممبر اس ترمیم سے متفق ہوں۔ فونڈیشن کمیٹی مسودہ قانون اساسی پر اخیر مرتبہ غور کرتے وقت (جس کا موقعہ اسلئے نہیں حال کے جلسوں میں حاصل ہوگا۔) بہتر طور پر ان مطالب کو متعین کر سکے گی جنکا اس قسم میں داخل ہونا قرین مصلحت ہی۔

آخر میں معزز حضرات شرکا سے میری یہ استدعا ہی کہ ہر ایک قسم کے اعتدال اور واجبیت اور ادب کو ملحوظ رکھنے کے بعد جس بات کو وہ اپنی قوم کے لیے مضر خیال کریں اُس کے

اختیار کرنے پر ہرگز مائل نہونا چاہیے۔ مضر یونیورسٹی کو آج حاصل کرنا اپنے پاؤں پر آپ کلھاڑی مارنا ہے۔ اور یاد رکھو کہ گورمنٹ مراد ہے اس کے حکام سے، اور حکام اولتے بدلتے رہتے ہیں۔ کسی کی رائے کچھ ہوتی ہے اور کسی کی کچھ۔ اور بعض اوقات منصف حکام مزید غور کے بعد اپنی رائے خود بدل دیتے ہیں۔ لہذا ہمارے حکام اگر آج ایک بات کو منظور نہیں کرتے تو ممکن ہے کہ آیندہ کسی وقت وہی بات منظور ہو جاوے لیکن اگر آج ہم نے کسی ایسے امر کو منظور کر لیا جو ہمارے حق میں مفید نہیں تو گویا اپنے ہاتھ ہم نے خود کاٹ دیئے اور آیندہ اُس کے خلاف ہمکو مانگنے کا کوئی حق نہ رہیگا۔ اور بالفرض اس وقت اگر گورمنٹ نے ہماری گزارشات کو منظور نہ کیا اور ایک موزوں و مناسب یونیورسٹی ہمکو نہ ملی تو بھی ہمارا کچھ نقصان نہیں ہے۔ ہم اپنے کالج کو اس حد تک برابر ترقی دیتے رہیں گے جس حد تک وہ ترقی کر سکتا ہے، اور اپنی عام تعلیم کا انتظام ہم گورمنٹ سے آزاد رہ کر ایسی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کر سکیں گے جو گورمنٹ کی بخشی ہوئی اور یونیورسٹی کی حالت میں ہم ہرگز نہیں کر سکتے: درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا،، والسلام

(خاکسار)

مشتاق حسین امروہہ

تصویر آفتاب

مسٹر ایوب شاہ خاں صاحب نے ہمیں بروقت مسٹر سید راس مسعود کی وجہ تسمیہ لکھ بھیجی تھی، جسے گزشتہ رسالہ میں ہمارے ناظرین نے دلچسپی سے پڑھا ہوگا۔ اس مرتبہ ہم اپنے قابل فخر بھائی آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی تصویر درج رسالہ کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب ہمارے کالج کے اُن فرزندوں میں ہیں جن پر نہ صرف کالج اور اولڈ بوائز کو فخر ہے بلکہ قوم کے بہت سے لوگ انہیں عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے پہلو میں ایک دردمند دل ہے، جس میں قوم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے اور وہ اپنے فرصت کے اوقات ہی کو نہیں بلکہ اکثر اپنا نقصان کرکے قوم کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ کالج شمع ہے اور وہ اس کے پروانے صاحبزادہ صاحب نے کالج اور قوم کی خدمات معلم قانون، ٹرسٹی کالج، سکرٹری صیغۂ تعمیرات، ممبر بورڈنگ ہاؤس، جوائنٹ سکرٹری کانفرنس وغیرہ وغیرہ کی شکل میں کئے ہیں جن کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بعض اوقات انھوں نے کالج اور قوم کے کاموں کے مقابلہ میں اپنے بڑے سے بڑے نفع کی بھی پرواہ نہیں کی۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری جماعت میں بہت سی آفتاب احمد اور محمد علی پیدا ہوں۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۶)

اولڈ بوائے

جلد (۳) بابت ماہ اگست ۱۹۱۳ء نمبر (۱۲)

اڈیٹر

مسٹر شوکت علی بی - اے

فہرست مضامین

باہتمام محمد عنایت خان

مطبع ریاض ہند واقع علی گڑھ میں چھپا

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ - جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڑہ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا، اس کے حالات سے اُن کو باخبر کرنا ورا ُس کی ترقی کے لئے ہر طرح کوشاں رہنا

۲ - اولڈ بوائے میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اُن کو ترقی دینا اور اُن کے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ - "اولڈ بوائے ایسوسی ایشن" اور کالج کی مالی مدد کے لئے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا۔ تاکہ ما در مہربان کے خدمتگاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

۴ - جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

۱ - جملہ خط وکتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر اولڈ بوائے علیگڈہ سے ہونی چاہیئے

۲ - مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر، اولڈ بوائے" علیگڈہ آنا چاہئے اسی طرح ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلہ کے لئے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈ بوائے" ہر وقت مشورہ و رفع شکایات کے لئے تیار ہیں اور شکر گزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولڈ بوائے

علی گڑھ کالج اور اسلام

ایک تجویز

دنیا میں یوں تو مختلف مذاہب کے پیرو آباد ہیں مگر اصولاً کوئی مذہب "اسلام" سے بہتر ثابت نہیں ہوا گونہ گون ہی منجملہ اور بہت سی باتوں کے یہ خاص صفت اسلام ہی میں ہے کہ جس کسی نے صدق دل سے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ پس مادر مذہب نے آغوش تمنا وا کر کے اپنے دوسرے پیارے بچوں کی طرح انتہائی فراخدلی سے اُس کو اپنی گود میں لیا عام اس سے کہ وہ کوئی بھی عقیدہ یا مذہب پہلے سے رکھتا ہو۔ کافر ہو۔ اور خواہ کسی طبقے اور درجے کا انسان ہو۔ گویا ذرا سی زبان ہلا دینے سے بادشاہ و فقیر۔ امیر و زیردوست اور دشمن سب میں ہمیشہ کے واسطے رشتۂ اخوت قائم ہو کر ہر ایک برابر کا حصہ دار ہو جاتا ہے اور مذہباً پشتینی مسلمان اور اُس شخص میں جو آج ہی ایمان لایا ہے کچھ بھی فرق نہیں رہتا۔ دیکھئے بارگاہِ صمدیت سے عبادت و ریاضت کا صلہ بادشاہ و فقیر سب برابر ہی پاتے ہیں

پیغمبر اور بزرگان دین کے کارنامے اس خیال کا کافی ثبوت ہیں۔ بادشاہ و فقیر سب نے برابر یہ عزت پائی ہے۔

زائرین خانہ کعبہ و مدینہ منورہ میں امیر و فقیر برنا و پیر سب ہی شامل ہوتے ہیں مگر بلا امتیاز سب کو ایک ہی خطاب ملتا ہے یعنی بادشاہ بھی حاجی کہلاتا ہے اور فقیر بینوا بھی اسی مبارک لقب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہ تو زندگی کے جھگڑے ہیں۔ مرنیکے بعد دیکھئے تب بھی مساوات سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ اکثر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض اولیاؤں نے چندہی روز کی عبادت سے زاہد صد سالہ کے برابر عزت حاصل کی ہے۔ بایں ہمہ آپس میں حسد تو درکنار اُن پاک باطنوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا۔

مسلمانوں میں کسی متنفس کی جانب سے آجتک یہ دعویٰ پیش نہیں ہوا ہے کہ بمقابلے قدیم مسلمانوں کے نومسلوں کو مذہباً برابر کا حصہ دار نہ سمجھا جائے۔ کسی مکی یا مدنی کیجانب سے مقدس شیخ الاسلام کے روبرو آجتک اس نوعیت کا استغاثہ پیش نہیں ہوا ہے کہ:۔

ہملوگ یہاں کے باشندے ہیں۔ سال میں بارہا شرف زیارت روضۂ اطہر حاصل کرتے ہیں اور سالانہ شریک حج ہوتے ہیں حتیٰ کہ چند بار شرف حج اکبر بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ ناجائز طریق ہے اور اس سے ہماری حق تلفی ہوتی ہے۔

ہندوستان اور خصوصاً ہمارے صوبہ میں بہت سے بڑے رئیس شرف حج حاصل کرچکے ہیں اور ایک پورا گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جنہوں نے گدائی کے ذریعہ سے یہ عزت حاصل کی ہے اور دونوں حاجی کہلاتے ہیں مگر کسی رئیس کی زبان سے آجتک یہ کلمہ نہیں نکلا کہ اس طرح میری توہین ہوتی ہے یا یہ کہ وہی لوگ "حاجی" کے متبرک خطاب سے مخاطب کئے جاویں جو صرف کثیر کے بعد چند مرتبہ حج بیت اللہ کرچکے ہوں۔ بانی مذہب اسلام یعنی ہمارے نبی آخر الزماں کے حالات زندگی جو کتابی صورت میں موجود ہیں اُن پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب غلام اور آزاد دونوں سے یکساں طریق پر ملتے تھے اور بلا پس و پیش

دونوں کی دعوت نہایت خوشی سے قبول فرماتے تھے اور جب کبھی دو دعوتیں ایک ساتھ موصول ہوتی تھیں تو آپ غریب کی دعوت کو ترجیح دیتے تھے۔

اس اجمال کی تشریح "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" کی تفسیر سے کافی طور پر ہو جاتی ہے اگر برادران یوسفؑ نیکر اور قصہ "ہابیل" و "قابیل" کو نظر انداز کر کے اس پر منصفانہ نظر ڈالی جائے۔

اسی دھن اور اسی خیال کی تکمیل کے ارادہ سے بانئ مدرسۃ العلوم نے "علیگڈھ کالج" کی بنیاد ڈالی تھی اس کا صرف یہی منشا نہ تھا کہ مسلمان جو تعلیم میں سب سے پیچھے ہیں فوراً کتابوں کے کیڑے بنجاویں اور امتحانات پاس کر کے اس کمی کو پورا کریں بلکہ اصل غرض یہ بھی کہ طلباء میں مستحکم طور پر رشتۂ اتحاد و یگانگت پیدا ہو طلبا انسانیت اور قومی ہمدردی کی جانب بلا واسطہ مائل اور رجوع ہوں۔ طلبا روشن خیال ہو کر اپنی ذاتی فارغ البالی کے کافی سامان مہیا کر کے اپنے ابناء جنس اور خصوصاً اپنی قوم کے حاجتمندوں کی ضرورتیں پوری کرنیکے قابل اپنے کو بنادیں کیونکہ قومی ترقی کی یہی نمایاں صورت ہے ورنہ اپنی ذاتی قابلیت کو اپنی ہی شکم پوری تک محدود کردینا بہائم صفت ہوجانا ہے

مجھے خوب یاد ہے ہمارے ہردلعزیز پرنسپل مسٹر بیک یا مسٹر ماریسن ... ...

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

... ... کے زمانہ میں ایک موقع پر تعلیم "علی گڑہ کالج" کے متعلق مومی الیہم میں سے کسی نے مستفسر کو یہ جواب دیا تھا: ہمارا کالج بمقابلہ امتحان پاس کرانیکے سب سے پہلے طلبا کو آدمی بنانیکی کوشش کرتا ہے"

اسی غرض کے حاصل ہونیکی اُمید پر انجمن "برادرہڈ" کی بنیاد ڈالی گئی ہے جس کا پہلا سبق یہی ہے کہ ہم میں بلا امتیاز حالت و حیثیت مل جلکر رہنے کا مادہ پیدا ہو۔ ہم سب -

من تو شدم تو من شدی الخ کی مصداق ہوجاویں۔ مگر مجکو نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہی کہ اسی مادرِ کالج کی آغوشِ محبت کے بعض پروردہ یافتہ اپنا دستورالعمل اس کے خلاف بنا رہے ہیں۔

چند روز ہوئے "علیگ بعتی" کے عنوان سے "اولڈبوائے" میں کسی فاضل نثار کے پرجوش قلم کا نکلا ہوا ایک فیصلہ دیکھنے میں آیا۔ نامہ نگار صاحب کے سمند خامہ کی گرمجوشیاں قابلِ خیال اور مدتوں یاد رہنے والی ہیں۔ آپکا دعویٰ ہی کہ "کم از کم علی گڑھ کالج کے گریجوٹیٹ" اس اعزازی لقب کو اپنے نام کے ساتھ شامل کیا کریں۔ جو طلبا چند ہی روز رہکر کالج چھوڑ بھاگتے ہیں یا وہ طلبا جو صرف اسکول ہی تک پڑھتے ہیں اُن کے ناموں کے آگے یہ لقب دیکھکر "میری آنکھوں میں خون اُتر آتا ہی" نعوذ باللہ کسقدر پست ہمتی کا یہ خیال ہی حسد کی بھی نہایت غلیظ اور بدترین صورت ہی۔

گو مجھ سے یہ فرض آجتک ترک ہوتا رہا ہی مگر بظاہر اس دُم چھلے کے لگانے سے ایسا کرنیوالی کی دو غرضیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) وہ اسکو اپنی عزت افزائی کا باعث سمجھتا ہی۔

(۲) وہ بخیال امتیاز ایسا کرتا ہی تاکہ عام لوگ نام پڑھتے ہی سمجھ لیں کہ اس شخص کو پیارے کالج سے تعلق ہی۔

مجکو اس سے کچھ بحث نہیں کہ ایسا کرنیوالا کتنے دن کالج میں رہا ہی مگر ہمارے واسطے یہ خیال بھی کچھ کم دل خوش کن اور مسرت بخش نہیں ہی۔ مادرِ کالج کے نام کو خدا نے وہ رتبہ بخشا ہی کہ لوگ فخریہ اُس کی اولاد ہونے کا اِدعا کرتے ہیں۔ ماسوا علیگڑ۔ کے کثرت سے ہمارا دائرہ برادرہٗ (اولڈبوائے) وسیع ہوتا ہی اور اگر ہم اُس کے قول و فعل پر عمل کریں تو بانی کالج کی اصل غرض کی اشاعت کا یہی بہترین طریقہ بھی ہی دنیا میں مستغنی کم اور محتاج زیادہ ہیں اور ہمارے گروہ میں بھی گریجوٹیس کم اور نان گریجوٹیس زیادہ ہیں۔ اگر ایسے ہی کوتاہ اندیش

چنداور پیدا ہو جاویں تو بلا وجہ بدظنی پیدا ہو کر ہم میں سے ایک پوری تعداد علیحدہ ہو جاوے اور پھر آپ کو بغیر رعایا کا حکمران ہونا پڑے۔ اگر آپ کو اپنی غرض کی تکمیل مدنظر ہو تو پہلے اپنے ہمخیال صاحب مقدرت گریجوئیٹس تلاش کیجئے اور اس کے بعد روپیہ جمع کر کے اس لقب کو صرف گریجوئیٹس کے واسطے پیٹنٹ کرا لیجئے ورنہ اس وقت آپکی طرح وہ طالبعلم بھی اسکا مستحق ہو جو اسی ہفتہ میں کالج میں داخل ہوا ہو اور اگر اس طرح زیادہ خرچ کا خیال ہو تو بہترین صورت یہ ہو کہ اپنی انجمن کے ذریعہ سے تحریک کیجئے اور آیندہ اُن بھائیوں کے واسطے جو صرف اسکول تک پڑھے ہیں کوئی دوسرا امتیازی لقب تجویز کیجئے اور بطریق مناسب اُس کا اعلان کرا دیجئے تاکہ ہم سب کو تمیز ہو سکے کہ یہ مادرِ کالج کے لڑکے ہیں اور وہ نواسے۔ کیونکہ ہماری نظر میں جو عزت علی گڑھ کالج کو دوسرے کالجوں میں حاصل ہو بجنسہ وہی مرتبہ دوسرے اسکولوں کے مقابلے میں ہمارے کالیجیٹ اسکول کا ہو۔

ہمارے بانی کالج نے بارہا اپنی زبان سے عام جلسوں میں اس امر کا اعلان کیا ہو "جو شخص خوشی سے ایک پیسہ بھی کالج کے واسطے دیتا ہو وہ علی گڑھ کالج کو اپنا کالج کہنے کا مستحق ہو" ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

میں اسی سلسلے میں مولانا سید طفیل احمد صاحب کا مؤید ہو کر مشورتاً عرض کرنیکی اجازت حاصل کرتا ہوں کہ پیارے کالج کے امتیازی نشان کیواسطے ٹوپی یا کسی کپڑے میں جُھل جُھل لٹکاے پھرنے سے یہ بہتر ہو کہ انگشتری ہاتھ میں پہنی جاوے۔ اور اُس پر بخط طغرا انگریزی یا اُردو میں لفظ "علیگ" کندہ ہو۔ ریل میں سفر کرتے ہوے دوسری ٹرین میں دیکھکر کوٹ بھر سے بامداد دوربین دیکھکر۔ یا کسی بڑے مجمع میں دور سے دیکھکر اگر ہم اپنے بھائیوں کو نہ شناخت کر سکیں تو چنداں نقصان نہیں ہو اور نہ بڑی سے بڑی انجمنوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ انگشتری پہنے ہوئے جب کسی بھائی سے ملاقات اور قربت ہو گی تو خواہ مخواہ، ایک دوسرے کو شناخت کر ہی لیگا۔

بہتر ہوتا کہ اس تجویز کے پاس ہونیکے بعد آنریری سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سپرد یہ خدمت کیجاتی کہ موصوف الیہ حسب ایما جملہ اولڈ بوائز شریک انجمن اس قسم کی متعدد انگشتریاں ایکدم تیار کراکے تقسیم کردیتے۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

راقم ایک اولڈ بوائے یعنی
(امیر حسن مجذوب)

مجذوب کی بڑ

س۔ اولڈ بوائے کون ہے۔

ج۔ اولڈ بوائے وہ ہے جس نے کبھی ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم پائی تھی۔

س۔ کیا جس نے دوسرے کالج میں تعلیم پائی ہو وہ اُس کالج کا اولڈ بوائے نہیں کہلائیگا

ج۔ ہاں کہلائیگا۔ مگر اسوقت ہماری نظر میں صرف علی گڑہ کالج کا اولڈ بوائے اولڈ بوائے ہے

س۔ اولڈ بوائے کہاں کہاں ہے۔

ج۔ ہندوستان کے ہر شہر و دیار میں اور دوسری ولایتوں میں بھی۔

س۔ اولڈ بوائے کون کون سی زبانیں جانتا ہے

ج۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دنیا بھر کی زبانیں جانتا ہے۔

س - اولڈ بوائے نے کون کون سے علم پڑھے ہیں یا سیکھے ہیں۔

ج - قریب قریب دنیا کے تمام مروجہ علموں میں اسکو کافی دستگاہ حاصل ہے۔

س - اولڈ بوائے کیا کرتا ہے۔

ج - چین کرتا ہے۔

س - اولڈ بوائے کیا کرسکتا ہے۔

ج - سب کچھ۔

س - اولڈ بوائے کو قومی ہمدردی ہے۔

ج - اس کا اظہار اس کے فیشن میں داخل ہے۔ مگر عمل میں پتہ کم چلتا ہے۔

س - اولڈ بوائے اپنے ہم قوموں کی مدد کچھ نہیں کرتا۔

ج - بہت کم وہ بھی کوئی کوئی۔

س - اولڈ بوائے کس طرح اپنے بھائیوں کی مدد کرسکتا ہے۔

ج - اولڈ بوائے مشن قائم کرکے۔

س - اولڈ بوائے مشن سے کیا مراد ہے۔

ج - اپنے پس ماندوں کی اسی طرح خبرگیری کرنا جیسے عیسوی مشن عیسائیت کی کررہے ہیں

س - اولڈ بوائے اپنی قوم پر اپنا مال لٹا کر فقیر ہوجائے۔

ج - ایک پیسہ نہ دے صرف تھوڑا سا وقت دیا کرے۔

س - وہ کسطرح۔

ج - جہاں رہتا ہو اپنے جاہل بھائیوں کو اکٹھا کرکے انکو مفید باتیں بتایا کرے۔ گویا زبانی تعلیم دینا شروع کرے۔ اس طرح ان کے خیالات کو ترقی کی طرف مائل کرے ایسی باتیں سوجھائے جنسے ان کے دل میں امنگ اور اپج پیدا ہو۔

س - جو اولڈ بوائے سرکاری ملازمت میں ہو وہ تو اس طرح عمل نہیں کرسکتا

ج۔ وہ مفید کتابیں سہل اردو میں نئے علموں کی تصنیف کرکے شائع کرے۔
اس طرح فائدہ پہونچائے اور خود بھی فائدہ اُٹھائے۔

س۔ اُن کتابوں کو پڑھیگا کون۔

ج۔ اس بات کو آزما کر دیکھیے۔ مگر عام فہم کتابیں لکھکر آزمائش کرے۔

س۔ اور جب لفظ ہی نہ ملیں جو عام فہم ہوں

ج۔ پھر لیاقت ہی کیا ہوئی جو اتنی بات بھی نکرسکا۔ مقصد تو یہ ہوگا کہ نئے طرز خیال سے لوگ آشنا ہوں۔ گویا جس بات کو ہم جانتے ہیں اس سے محض اُردو جاننے والے بھی واقف ہوجائیں۔ ایسی حالت میں اگر ادق الفاظ اور مشکل اصطلاحات کے پردوں میں اپنے مطلب کو چھپا دیا تو گویا اپنا مطلب خود ہی فوت کردیا۔

جادو وہ جو سر پہ چڑھکے بولے
کیا لطف جو غیر پردہ کھولے

س۔ یہ بات تو کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

ج۔ یہ اُس وقت سمجھ میں آئے جب تم کسی بات کے ترجمے میں اسکو اور اپنی وقت اولڈ بولنے میں پیش کرو۔ پھر دیکھو کہ دوسرا اولڈ بولے کس آسانی سے تمہیں بتا دیتا ہے کہ اُس کا ترجمہ اپنی زبان میں یوں کرو۔

س۔ دوسرا بجائے انگریزی کے کوئی بھاری سا لغت عربی کا رکھدیگا جس کو عام لوگ نہ سمجھ سکیں گے۔

ج۔ جو ایسا کریگا وہ احمق ہوگا کہ مقصد کو پیش نظر رکھکر آسمان سے گری کھجور میں اٹکی کو روا رکھیگا۔

س یہ ہم نہ مانیں گے کہ سب لفظ ہمارے روزمرہ میں دستیاب ہوسکیں۔

ج۔ کچھ موجود ہیں اور کچھ ملتے جلتے الفاظ پر نئے معنی پہنانے سے حاصل ہونگے۔

س۔ اُن کے نئے معنی کوئی کیا جانیگا۔
ج۔ ایک دفعہ بتا دیجیے۔
س۔ پھر دوسری زبان کا لفظ ہی کیوں نہ بتا دیں۔
ج۔ بشرطیکہ وہ بآسانی زبان زد خلائق ہو سکے۔ جیسے لالٹین۔ ریل۔ اسپتال۔
س۔ اچھا تم نئے جلتے الفاظ کی چند مثالیں تو پیش کرو۔
ج۔ لو
ہنسی
ڈھا

کوٹھا
جیوٹ

جگمگ
مل بہا

س۔ ہاں یہ ترکیب تو اچھی ہو مگر بہتر یہ ہو کہ پہلے مصطلحات کی ایک لغت بنا لیجائے
ج۔ بیشک کون منع کرتا ہو بنارس میں تو بن ہی گئی اور تم سو ہی رہے ہو۔
س۔ وہ کچھ اچھی لغت بنی ہو۔
ج۔ اچھی تو کچھ نہیں۔ اولڈ بوائے اچھی بنائیگا۔
س۔ ایسی لغت کو ترتیب دینے کا طریقہ کیا ہو۔
ج۔ اسکی کمیٹی مقرر ہو جائے۔ جو اولڈ بوائے چاہے اپنا نام لکھائے چندہ وندہ کچھ نہیں۔ ایک سکرٹری ہو جس اولڈ بوائے کے ذہن میں مناسب الفاظ معلوم ہوں وہ پیش کیا کرے۔ دوسرے اولڈ بوائے آپنیر بحث کرتے رہیں۔ آخر میں جو پسند کئے جائیں اُن کو سکرٹری درج رجسٹر ردیف وار اور علم وار کیا کرے۔ تھوڑے دن میں ہر علم کے متعلق اچھی خاصی لغت تیار ہو جائیگی۔
س۔ کیا کمیٹی کے ممبر یکجا جمع ہوں۔
ج۔ نہیں جہاں ہیں وہیں سے بیٹھے بیٹھے ہوں ہاں کرتے رہیں۔
س۔ اس طرح تو اُردو کی لغت بھی بن سکتی ہو۔

ج۔ نہایت نفیس۔ جس کی نظیر نہو۔ بلکہ اُردو کی فلولوجی تیار ہوجائے۔

س۔ ہر اولڈ بولے تو آس تب شریک نہو گا۔

ج۔ مگر پھر بھی بہت سے اس مرض میں مبتلا نکلینگے۔ اور روز بروز اور ملتے جائینگے۔

س۔ بھئی بات تو ایسی کہی کہ ہلدی لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔

ج۔ خدا کرے تمہاری طرح اور بھی مان جائیں۔

س۔ نہ مانیں گے اپنا سر کھائیں گے۔

ج۔ اور اپنی قوم کو منجدھار میں ڈوبائینگے۔

س۔ یہ کیوں۔

ج۔ جو تعلیم نہ پائیگا وہ کیا کر کے کھائیگا۔ اور تعلیم اور بے زری میں ان بن۔ مگر مسلمانوں کا یہ مقولہ۔ سیم و زر عاشقوں کے پاس کہاں، چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں،

س۔ تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر مدرسے زیادہ ہوجائیں گے تو فائدہ نہ پہونچائیں گے۔

ج۔ فائدہ پہونچائیں گے بشرطیکہ ہر گلی کوچہ میں مدرسہ ہو تعلیم اُردو زبان میں ہو اور فیس برائے نام ہو اور بالکل نہو تو کیا کہنا۔ مگر ہنوز دلی دور است۔

س۔ تعلیم اُردو میں کیونکر ہو۔ اُردو میں کسی علم کی کتاب تو میسر ہی نہیں آتی۔

ج۔ کتابیں تو سال بھر کے اندر بہت پڑیں۔

س۔ وہ کیسے۔

ج۔ مختلف علوم پر کتابیں تصنیف کرنیکے صلہ میں کالج انعامات مقرر کرے یا قومی اعزاز ہوں یا گورنمنٹ کے خطابات ہوں

س۔ گورنمنٹ کو کیا غرض۔

ج۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی گشتی چٹھی مورخہ ۳، اپریل ۱۹۱۳ء کو دیکھو کہ مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے کیا کیا کرنے کو تیار ہے۔ یہ تو ایک ادنیٰ سی بات کہی گئی۔

س۔ کتابیں لکھیگا کون۔

ج۔ اولڈ بولے۔

س۔ تو جو کچھ کریگا اولڈ بولے ہی کریگا۔

ج۔ ہاں وہی کریگا۔ اور اُسی کو کرنا پڑیگا۔ وہ اپنے فرائض سے بے خبر ہے۔ خالی ڈنر کھا جانے سے اولڈ بولے نہیں ہوتا۔ جس کا کھا ئیے اُس کا گا ئیے۔ قوم نے پالا قوم نے پڑھایا لکھایا۔ جس سے وہ آج چکنا چپڑا۔ زرق برق۔ موٹا تازہ ہنستا کھیلتا نظر آتا ہے اُس کو واجب ہے کہ قوم کا قرضہ ادا کرے۔ بہت سی باتیں اُس کے دماغ میں ایسی بھری ہیں جو اُس کے لئے بیکار ہیں مگر اُس کے پیشہ ور کاشتکار اور تاجر بھائیوں کے نہایت سودمند۔ وہ مرجائیگا اور اُن کو اپنے ساتھ لیجائیگا۔ پھر وہ مثل صادق آئیگی "گدھے کا کھلایا پاپ نہ پن"۔

راقم

(ایک متوالا از آگرہ)

اقتراعیت

نمبر (۱)

عورتوں اور مردوں کے مابین حق طلبی کی کشمکش

ولاجناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ۔

"فان ارادا فصالا عن تراض منھما وتشاور فلاجناح علیھما"

"اقتراعیت" کا مادہ یا اصل قدیم عربی لغت "قرع" ہے جس کے معنی دروازہ کھٹکھٹانے یا سر پر لاٹھی مارنے کے بھی ہیں۔ باب افتعال میں آکر اس کے (یعنی اقتراع کے) معنی پسند اور اختیار کرنے کے ہوجاتے ہیں مگر قدیم زبان میں لفظ اقتراعیت پایا نہیں جاتا اور حدیث الوجود ہے۔ جدید اصطلاح میں اقتراعیت خاص اُس تحریک کو کہتے ہیں جو متمدن دنیا میں "سفریج مومنٹ" Suffrage Movement (یعنی عورتوں کے رائے دینے کے حق کی تحریک) کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے حامی کو "سفریجیٹ" Suffragette یا "اقتراعی" (مذکر) اور "اقتراعیہ" (مونث) کہتے ہیں۔

اوّل تو مرد خود ہی عورتوں کے حقوق کے غصب سے اپنے آپ کو آسودہ کرنے کے ہمیشہ سے عادی ہیں، اور پھر یہودیت اور عیسائیت نے عورتوں کو جس سطح پر رکھا ہے وہ اس سے ثابت ہے کہ یورپ کی موجودہ تہذیب تک پہونچ جانے سے تھوڑے ہی عرصہ قبل ایک بار پادریوں کے ایک مجمع نے اس سوال پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا تھا کہ

"آیا عورتوں میں روح ہوتی ہے یا نہیں"؟ ان خیالات کا عورتوں کے حقوق پر جو اثر پڑتا تھا وہ اظہر من الشمس ہے۔

لیکن یورپ اپنے مذہب کی قیود سے رفتہ رفتہ آزاد ہوکر جیسے جیسے شاہراہ ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا، عورتوں کی نام نہاد "اصلاح حال" کی جانب زخود عورتوں کو اور بہت سے مردوں کو بھی، توجہ ہوتی گئی یہاں تک کہ ابتدائی نصف حصہ انیسویں صدی میں اعلیٰ تعلیم تک عورتوں کی دسترس نے ان کے سامنے ایک ایسا وسیع میدان مطالبات کا کھول دیا جو مردوں کے اور خود ان کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

عورتوں کے تمام دوسرے مطالبات سے قطع نظر کرکے ہم اس موقعہ پر ان کے صرف رائے دینے کے حق کے مطالبہ کے اندر اپنے آپ کو محدود و محصور رکھیں گے۔

ممالک یورپ میں اسوقت فن لینڈ اس لحاظ سے سب سے آگے ہے جس نے ۱۹۰۶ء سے اپنے "ڈائٹ" (پارلیمنٹ) میں عورتوں کو داخل کرلیا ہے۔ ناروے میں صرف ایک معینہ سالانہ آمدنی رکھنے والی عورتوں کو ۱۹۰۷ء سے ووٹ کا حق حاصل ہوا ہے۔ سوئڈن میں ۱۹۰۹ء میں قانون اقتراعیت دارالعمل سے پاس ہوکر دار اعلیٰ سے نامنظور ہوچکا تھا۔ روس میں ۱۹۰۷ء سے صاحب جائداد عورتوں کو اپنا ووٹ اپنے بیٹوں کو عطا کردینے کا حق ہے جو بصورت دیگر ووٹ دینے کا حق نہ رکھتے ہوں۔ فرانس میں ۱۹۰۹ء میں بمقام لیانز ایک کانفرنس نے خاص اس غرض کے لئے اجلاس کیا تھا۔ انگلستان میں اگرچہ کنواری اور بیوہ عورتوں کو کاونٹی کونسل، میونسپلٹی، قانون غربا اور دوسرے مقامی انتخابات میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ مگر پارلیمنٹ کے انتخاب میں شریک ہونے کا ابتک وہاں کسی عورت کو حق نہیں دیا گیا ہے۔ اور اس کا مطالبہ ہے جو انگلستان کی اقتراعی تحریک کو غذا پہنچا رہا ہے۔

عملی مقاصد کے لئے انگلستان میں اس تحریک کی تاریخ کا آغاز وسط انیسویں صدی سے ہوتا ہے۔ اس کے متعلق جہاں تک معلوم ہے سب سے پہلا دستی اشتہار ۱۸۴۷ء میں تقسیم

کیا گیا تھا۔ اور ۱۸۵۱ء میں بمقام شیفیلڈ "فیمیل پولیٹیکل ایسوسی ایشن" (زنانہ سیاسی انجمن) قائم ہوئی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں اس تحریک کے آرگن کے طور پر "انگلش وومنز جرنل" (انگریزی عورت کا اخبار) کے نام سے ایک اخبار جاری ہوا جو گویا اس ایجیٹیشن کی بنیاد تھا۔ اُمیدواران انتخاب میں سب سے پہلے نامور فلاسفر جان اسٹوارٹ مل نے ۱۸۶۵ء میں اپنی الکشن اڈریس میں اس تحریک کی تائید کو رکھا جو اقتراعیت کی تاریخ میں ایک نیا شاندار باب اضافہ کرنیوالا تھا۔ اس کے بعد سے یہ مسئلہ پورے زور کے ساتھ برابر برٹش پبلک اور پارلیمنٹ اور مدبرین کی روبرو رہا ہے۔

لیکن شروع ہی سے اس کی مخالفت بھی ایسی طاقت کے ساتھ ہوتی رہی ہے جس نے اس تحریک کو اب تک کامیابی کا موقع نہیں دیکھنے دیا۔ مسٹر گلیڈسٹن اس کے نہایت سرگرم مخالف تھے۔ ۱۸۸۴ء پارلیمنٹ میں اُن کی صرف ایک تقریر سے ۱۰۴ لبرل ممبر ٹوٹ کر زمرہ مخالفین میں جا ملے تھے۔ مشہور برٹش مدبر جان برائٹ بھی اس کا جانی دشمن تھا۔ اس وقت بھی برٹش پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے بہت سے ممبر اس کے مخالف ہیں۔ برٹش کیبنٹ کے ایک ہی دو ممبر اس کے حامی ہیں؛ لارڈ کرزن اس کو سخت مضر سمجھتے ہیں۔ ۱۹۰۸ء خود عورتوں کی "ویمنز نیشنل اینٹی سفرج لیگ" (عورتوں کی قومی مخالف اقتراعیت انجمن) قائم ہے؛ لارڈ کرومر اُس مخالف انجمن کے پریسیڈنٹ ہیں جو عورتوں اور مردوں نے متحدہ طور پر اپنی اپنی انجمنوں کو مخلوط کرکے دسمبر ۱۹۱۰ء سے قائم کر رکھی ہے۔

باوجود ان شدید ترین مخالفتوں کے اقتراعیوں کا قدم ہمت ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ بخلاف اس کے چند روز سے اُنھوں نے جو "تنگ آمد بجنگ آمد" پر عمل شروع کیا ہے تو وہ ملک کے امن کے لئے ایک بلائے بے درماں بنگئی ہیں اور اب برٹش مدبرین نے سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا شروع کر دیا ہے کہ آخر اس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی شکل پیدا ہونی چاہیئے۔ وہ نہ صرف بڑے بڑے جلسے کرتی اور جلوس نکالتی ہیں جن میں

لاکھوں آدمی شریک ہوتے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کی جاتی ہیں بلکہ وہ پارلیمنٹ پہ حملے کرتی ہیں، اس کے کام میں خلل ڈالتی ہیں، پولس کے جوانوں اور وزرائے دولت تک سے بے تکلف دست و گریبان ہوجاتی ہیں۔ اور چند روز سے اُنھوں نے بم اور دوسری آتش گیر اشیا کا استعمال اور نایاب تاریخی یادگاروں کا خراب کرنا شروع کردیا ہے۔ "ٹائمز" (لندن) کے اندازہ کے بموجب ٩ مارچ ١٩١٣ء سے، جولائی تک (صرف چار ماہ کے اندر) اُنھوں نے ٨١ پبلک اور پرائیویٹ عمارات جلائی ہیں جس سے ٥٠٨،١٤١،٠١ پونڈ (٠٥،٧٥،١٢،١٧ روپیہ) کا نقصان ہوا ہے۔ ان وارداتوں کی تعداد میں یوماً فیوماً اضافہ ہورہا ہے اور پولس کی شب گردیوں نے مجرموں کے سراغ لگانے میں ذرا بھی مدد نہیں دی۔

امن عامہ کے لئے خطرہ کا خاتمہ یہیں نہیں ہوجاتا۔ ایک اور خطرہ ہے جو ہر گھر کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر شخص کے چہرہ کو گھور رہا ہے۔ اس وقت صدہا مثالیں اس قسم کی موجود ہیں کہ ایک ہی گھر کے مرد ایک خیال رکھتے ہیں اور عورتیں دوسرا، یا یہ کہ عورتوں یا مردوں کا ایک حصہ ایک فریق کا حامی ہے اور دوسرا دوسرے کا۔ مرد اور عورتوں کی عام کشمکش کے ساتھ یہ گھر گھر کے اختلافات بھی اسی نسبت سے ترقی کر رہے ہیں، اور برٹش پبلک اس منحوس وقت کا خوف آمیز دلچسپی کے ساتھ انتظار کر رہی ہے جبکہ خانگی خوشیوں کی نعمت مفقود ہوجائیگی اور ہر مرد گھر سے باہر رہنے ہی کو غنیمت سمجھے گا اور دن بھر کی محنت و مشقت سے چور ہونے کے باوجود بھی شام کو گھر کے اندر داخل ہونے سے جھجکیگا۔

ان دونوں گروہوں کے مابین خلاف امن نزاعات ہی برپا نہیں رہتے بلکہ پرزور تحریری و تقریری مباحثے بھی جاری رہتے ہیں۔ جب مخالف اقتراعیت جنس اناث کی کمزوری (اور اس وجہ سے اس قسم کے جد و جہد کے لیے اُن کے طبعاً نا قابل ہونے کے ثبوت میں حیوانات کی عام حالت پیش کرتے ہیں (جنمیں مادہ بہ نسبت نر کے کمزور

ہوتی ہے) تو تحریک کے حامی اس کے مقابلہ میں اُن حیوانات کو لاتے ہیں جن میں مادہ بطور کلیہ قوی تر ہوتی ہے کہ اپنے نر کو کھا جایا کرتی۔ علاوہ بریں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب کہ عورتوں نے تمام دماغی میدانوں میں اپنے آپ کو مردوں کے دوش بدوش کر دیا ہے، تو ان کی جسمانی کمزوری کا عذر محض لاطائل ہے۔ دوسرے یہ کہ عورت ذات کی موجودہ کمزور حالت کی ذمہ داری ان کے مردوں کے ہاتھ میں قید ہونے کی بدولت ہے، ورنہ وہ میدانِ جنگ میں سپاہی کا بھی کام دے سکتی ہیں۔ جب مخالفان اقتراعیت مذہب کی آڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو، تمہاری بائبل میں مرد کو "عورت کا سر" بتایا گیا ہے، اور عورت کو اس قسم کے کوئی حقوق نہیں دیئے گئے۔ تو اقتراعی اپنے مخالفوں کے اس قلعہ کو بھی پاش پاش کر دکھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جناب آپ کی بائبل ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق نہیں ہے۔ آپ صرف بائبل کے احکام کے خلاف چل کر بامِ ترقی پر پہونچ سکے ہیں؛ آپ کی بائبل میں غلامی کی کس شد و مد کے ساتھ تائید کی گئی ہے جس سے انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے، لیکن فرمائیے کہ اس زمانے میں کونسا پکے سے پکا عیسائی غلامی کو جائز قرار دیتا ہے؟ اس نقطہ پر پہونچ کر مخالفان اقتراعیت کو مجبوراً ساکت ہونا پڑتا ہے۔ مگر مرد و عورت کی کشمکش بدستور باقی رہتی ہے۔

(انسٹیٹیوٹ گزٹ)

ہم جسقدر تعلیم نسواں کے حامی ہیں اسیقدر ہمارا خیال ہے کہ عورتوں اور مردوں کے فرائض جدا جدا ہیں اسلئے دونوں کی تعلیم میں فرق بین ہونا چاہیئے۔ مگر بدقسمتی سے اتبک ہماری قوم میں جو کچھ تعلیمی کوشش کی گئی ہے وہ نہ صرف ہماری جنس ضعیف کو اور زیادہ کمزور کرنیوالی ہے بلکہ ہماری بے راہ روی، کیا عجب ہے کہ کسی آیندہ زمانہ میں ہماری زندگیوں کو اور زیادہ تلخ کرنیوالی ہو خدا وہ دن نہ لائے کہ ہمارے یہاں بھی اقتراعیت کا زور ہو۔ (اولڈ بوائے)

"اک انسان ہیں ہم"

وہ الزام دیں اور دیں جان ہم — سمجھتے ہیں اس کو بھی احسان ہم
مکافاتِ الفت کے قربان ہم — وہ نازاں جفا پر پشیمان ہم
اک انسان وہ ہیں اک انسان ہم

رہے کفر سے اب تک انجان ہم — نہ لائے خدا ہی پر ایمان ہم
نہ تھا کچھ تو رکھتے یہی آن ہم — بتوں پر تو ہوتے نہ قربان ہم
نہ ہوتے نہ ہوتے مسلمان ہم

یہ ظلِ خدا ہے وہ رب العلےٰ — اِدھر حکم نکلا اُدھر ہو گیا
یہاں کیا ہے، بجز صبر و حسن رجا — ٹھہرائے تمنا! نہ تو ہے خدا
نہ نواب حامد علی خان ہم

الٰہی غنی ہے تو رب العباد — ترے لطف سے خاطر ہو شاد
مجھے کیا ہے پروا مگر اے جواد! — ترے شکرِ نعمت سے ہے یہ مراد
کہ احسان کو سمجھے احسان ہم

ستم تازہ ایجاد کرتے رہے — دل و دین وہ برباد کرتے رہے
اُنھیں مر کے بھی یاد کرتے رہے — اُنھیں کیا وہ بیداد کرتے رہے
ہوئے جان کھو کر پشیمان ہم

یہیں رہ کے پھوڑینگے سر اے جنوں — گرا دینگے دیوار و در لے جنوں
نہ رکھینگے ہم گھر کو گھر اے جنوں، — کہاں جائیں گھر چھوڑ کر اے جنوں

اسی کو بتاتے ہیں میدان ہم

یہ مانا کسی نے یہ فقرے جڑے — مگر ہائے تو جنگ پر کیوں اڑے
لڑائی میں کیا جانے کیسی پڑے — لڑے یا نہ اپنا معدر لڑے

لڑا دینگے ظالم مگر جان ہم

کہیں دل یہ آرام پاتا نہیں — کہ باہر تصور بھی جاتا نہیں
کوئی میزباں۔ یوں لبھاتا نہیں — گھر اپنا ہمیں یاد آتا نہیں

ہوئے کس کے گھر آج مہمان ہم

رہے نجد کا ہو کے غربت میں قیس — یہی لے کے آیا ہے قسمت میں قیس
نہ آگے بڑھا گھٹ کے ہمت میں قیس — ہمیں پائے کیا دشت وحشت میں قیس

کہ طے کر چکے ہیں یہ میدان ہم

نقاہت سے ہو اپنی حالت زبوں — نہ لیں نوک کی چھوڑ دیں فکر خوں
بٹائیں زرا ہاتھ بھر سکوں — یہی کام دیں خار دشتِ جنوں

کہ دامن یہ پھاڑیں گریبان ہم

کہاں باہر آنکھوں کے آتے ہیں اشک — غضب پردہ داری بناتے ہیں اشک
مجھے دل ہی دل میں گراتے ہیں اشک — جو روتا ہوں گھکر ڈراتے ہیں اشک،

اٹھاتے ہیں اب کوئی طوفان ہم

چلے تھے یہی جی میں ہم ٹھان کر — ملیں گے طبیعت کو پہچان کر
وہ آخر ملے باوفا مان... کر — انھیں دل دیا مفت کچھ جان کر

نہیں تو نہ تھے ایسے نادان ہم

یہ آشفتگانِ صنم قیس ہیں — یہ شوریدگانِ حرم قیس ہیں
ہمیں کیا جو سب ہمقدم قیس ہیں — نہ ہارینگے ہمت نہ ہم قیس ہیں

جنوں تجھ سے جیتیں گے میدان ہم

نظر ملتے ہی یوں اُڑا لے گئی کو   نہ جانا کسی نے بھی کیا لے گئی
بٹا شتر بلا کو بلا لے گئی " " "   یہ اچھا ہوا وہ ادا لے گئی

وہ دل جس میں رکھتے تھے ایمان ہم

کریں چشم پوشی خطا سے حضور   خود آنکھیں ملاتے نہیں ذی شعور
وہ انسان ہی کیا نہ ہو جو غیور   نظر پھیر لیتے ہیں ہم بھی ضرور

مگر دیکھ لیتے ہیں انسان ہم

یہ صحرا ہے پُرخار بھٹکیں نہ غیر   غم عشق کے پاس پھٹکیں نہ غیر
عبث چڑھ کے سولی پہ لٹکیں نہ غیر   تری فوج مژگاں سے کھٹکیں نہ غیر

کرو کے ہوئے ہیں یہ میدان ہم

یہ مانا نہ دو گے دغا وقت پر   نباہو گے رسم وفا عمر بھر
تمہیں کون کہتا ہے نامعتبر   کرو ہم سے وعدے سمجھ لو مگر

مسلمان ہو تم مسلمان ہم

بچائے خدا ایسے ارکان سے   کہ پالا پڑے تم سے نادان سے
ہم اب خوش ہیں کہتے ہیں ایمان سے   تم انکار ہی کر دو احسان سے

اسی کو سمجھ لیں گے احسان ہم

سمجھتے تھے قسمت کو دمساز وصل   مگر تھی یہی رخنہ اندازِ وصل
کہیں کس سے اب جا کے ہم رازِ وصل   مقدر سے تو مل چکا سازِ وصل

کریں اب کوئی اور سامان ہم

یہ ممکن ہے پر دل سے دنیا نہ ہو   سرِ قلب ماہیت اصلا نہو
یہ چل کر ملے خود تو پھر کیا نہو   کہیں سحر دنیا سے ایسا نہو

کہ انساں سے بنجائیں حیوان ہم

عبث شام سے ہم پڑے ہیں اُداس   نہ آیا جواب تک کوئی کیا ہراس
کسی کا نہ آنا بھی آیا ہے راس   شب وعدہ دل سے یہ کہتی ہے یاس

نکالینگے اب تیرے ارمان ہم

نہ بھولے خدا کو نہ ہیں ناصبور   نہ عقلِ خدا داد میں کچھ فتور
کسی سے اگر ہو تو ہو یہ قصور   کریں فکرِ ساماں ہمیں کیا ضرور

کہ رکھتے نہیں کوئی ساماں ہم

ہم آوارہ ہیں وہ چمن میں مقیم   جنوں خیز ہے یادِ لطفِ قدیم
مشکل ہو شاید گلوں کی شمیم   بہار آئی غنچوں سے کہدے نسیم

کہ دامن وہ پھاڑیں گریباں ہم

در و دیر کی جبہ سائی ہے کیا   ان اصنام کی خودنمائی ہے کیا
یہ پتھر ہیں۔ اِن کی دہائی ہے کیا   خدایا بتوں کی خدائی ہے کیا

مگر دیکھتے ہیں تری شان ہم

وہ مشکل ہو کوئی بڑی سے بڑی   مگر جھیل لیتا ہے انسان کڑی
نہ آساں ہوئی لیکن اپنی اڑی   یہ مشکل میں اک اور مشکل پڑی

کہ مشکل کو سمجھے تھے آساں ہم

نہ تڑپیں۔ تم اُس کے اگر دیکھ لو تو   نہ باور ہو تو دیکھ کر دیکھ لو
زیادہ نہیں اک نظر دیکھ لو   ذرا ناز سے پھر ادھر دیکھ لو

تمھاری اداؤں کے قربان ہم

کوئی تجھ سے بیدرد سے کیا کہے   کہ آنکھوں سے اشکوں کے دریا بہے
سحر شام ہی سے وہ صدمے سہے   شب غم سحر تک تڑپتے رہے

اذاں پر لگائے ہوئے کان ہم

وہاں گام فرسا ہیں اہلِ وفا   جہاں ذرّہ ذرّہ ہے دشتِ بلا
اُدھر منہ کرے منہ نہیں قیس کا   جنوں! انجد کیا دشت میں وحشت تھا
دکھائیں گے تجکو بیابان ہم

یہ کہتی ہے آواز چنگ و رباب   کہ توبہ شکن چھا رہا ہے سحاب
نہ توڑے کہیں خود اہلِ کر شراب   کوئی کھول دے منہ خموں کے شتاب
کہ باندھینگے ساقی سے پیمان ہم

مزا دیگی خوبی مقدر کی آج   ملی ہمکو ہے جامِ حیدر کی آج
بڑی لاج رکھی ہے ساغر کی آج   پلائی ہے ساقی نے کوثر کی آج
ولی ہو گئے بن کے شیطان ہم

نہ مونکھی ہو جس نے وہ زلفِ رسا   عَنَ میں بھی وہ کر رہا ہے خطا
نبہے ہیں ابھی گیسوئے مشک سا   وہ جوڑا کھلے تو بتا دیں صبا
کہ ہیں اس قدر کیوں پریشان ہم

بپا جوشِ وحشت، بیا مرحبا   ترے سامنے کیا ہے فوجِ بلا
بکھیرا ہے دنیا میں سب ہوش کا   جنوں میں چڑھائی ہے غم کی تو کیا
ابھی مار لیں گے یہ میدان ہم

چمن میں گل اتنے مہکتے نہیں،   مہ و مہر ایسے چمکتے نہیں بو ٔ
تشابہ سے بھی ہم بہکتے نہیں نُو   ترا وصفِ رُخ بھول سکتے نہیں
کہ ہر صبح پڑھتے ہیں قرآن ہم

زہے بے نیازی زہے اقتدار   نہیں اُس کے احسان کا کچھ شمار
نہ رکھا کسی کو بھی ناکامگار   بتوں پر بھی ہو اک خدائی نثار

خدا کی خدائی کے قربان ہم

رہے سر میں سودائے گیسوئے دوست نگاہوں میں پھرتا رہے روئے دوست
بڑھیں بیخودی میں بھی ہم سوئے دوست جنوں میں رہے یاد ابروئے دوست

مہ نو سے مانگیں گریبان ہم

تغافل ہے ان کا غضب بینظیر! تھکے اُن کو سمجھا کے سب بینظیر
ہم آخر ہوئے جاں بلب بینظیر وہ آئے بھی تو کیا ہے اب بینظیر

گھڑی دو گھڑی کے ہیں مہمان ہم

(سید بینظیر شاہ)

ایک عرض

کئی مضامین ہمارے "اولڈ بوائے" میں کالج کے اولڈ بوائز کے واسطے ایک خاص امتیازی نشان قرار دینے کے بارے میں شائع ہو چکے ہیں مگر ابھی تک[1] فیصلہ نہیں ہوا کہ کونسی شئے امتیازی نشان کا کام دینے کے واسطے مقرر کیجائے۔ اولڈ بوائز نے جیسا کہ عام روش سے معلوم ہوتا ہے اسے خاص طور پر سوچا ہے۔ اور اس پر خاص توجہ مبذول فرمائی ہے۔

جب سے یہ بحث چھڑی ہے میں نے گو کوئی مضمون خاص طور پر تو اس کے موافق یا مخالف نہیں لکھا لیکن اُن تمام مضامین کو جو وقتاً فوقتاً زیب اوراق اولڈ بوائے

---

[1] امتیازی نشان کا پچھلے اولڈ بوائز ڈنر میں فیصلہ ہو چکا ہے (اولڈ بوائے)

ہوتے رہے ہیں بہ نظر غور و تعمق پڑھتا رہا ہوں خواہ وہ تحریک کے موافق ہوں یا مخالف میں نے دونوں پہلوؤں پر خوب غور کیا۔ اور آخر میں اس نتیجے پر پہونچا کہ امتیازی نشان کی اشد ضرورت ہے۔ اب یہ بحث کہ ہونا کیا چاہیئے؟ جس سے ایک علیگ دوسرے علیگ کو بہ آسانی دیکھتے ہی بغیر کسی تکلف کے فوراً ہی پہچان سکے اور بغیر کسی غیر ضروری تکلفات اور تصنعات کے دوسرے بھائی کی خدمت کر سکے؟ اس کام کو انجام دینے کے لئے بہت سی اشیا کا نام لیا گیا۔ بعضوں نے تو انگوٹھی کو ترجیح دی۔ بعضوں نے میڈل کو یہ عزت بخشی۔ بعضوں نے بٹنوں کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ انگوٹھی پر زیادہ حصہ اولڈ بوائز نے اتفاق کیا۔

جنگ بلقان کے سانحۂ روح فرسا سے پہلے تو میری بھی یہی رائے تھی کہ انگوٹھی اس کام کو بہ نسبت اور اشیا کے بدرجہ اولیٰ انجام دے سکتی ہے۔ اور میں ارادہ کر رہا تھا کہ میں بھی ایک چھوٹا سا مضمون اپنے خیالات کے اظہار کے لئے گھسیٹ دوں مگر واقعۂ بلقان نے ظہور پذیر ہونے سے دیگر اسلامی بھائیوں کی طرح میں نے بھی ایسی چھوٹی باتوں کو دل سے نکال دیا اور اس بحث کو بھول گیا۔ یا یوں کہئے کہ میرے دل نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس بحث کو بالکل بھول جاؤں۔ اس کی جگہ ایک دوسرے خیال نے جسے میں بیداری کہونگا۔ یہ بیداری صرف میرے دل ہی میں نہیں بلکہ تمام حلقہ بگوشان اسلام کے دلوں میں پیدا ہوئی اور وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے:-

مذہب کو پھر از سر نو تازہ کرنے کی ہوس۔ اپنے آپ کو سچا مسلمان بنانے کی خواہش۔ اپنے آپ کو خدا اور اُس کے رسول (میری جیسی لاکھوں اور کروڑوں جانیں جس پر قربان ہوں) **کی سچے معنوں میں فرمانبرداری کرنیکی آرزو۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی ضرورت اور خدائے پاک کی پاک**

کتاب یعنی قرآن پر اصل معنوں میں عامل ہونیکی دلی آرزو۔ اپنے آپکو قرون اولٰی کے مسلمانوں جیسا بنانے کی ہوس۔

ہم پر دنیا کے واقعات نے کافی طور پر روشن کر دیا ہو کہ ہم اب محض ڈھانچ رہگئے ہیں۔ ہم اس وقت مجموعہ ہیں مگر کن اشیا کا؟ محض بوسیدہ ہڈیوں کا جنہیں چورہ چورہ کر دینیکے لئے صرف ایک ٹھوکر کی ضرورت ہو وہ جان جو ہماری ہڈیوں کو گرمائے ہوئے تھی نکل چکی ہو۔ ہم پر زمانہ کی روش نے ظاہر کر دیا کہ ہم اس قابل نہیں رہے کہ دنیا میں اپنے زور سے دب کر نہیں بلکہ دبا کر جیسا کہ ہمارے ساتھ خدا کا وعدہ تھا اور ہو رہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ خدا نے نعوذ باللہ خلاف وعدہ کیا ہے۔ نہیں بلکہ فی زمانہ ہم آپ اس رسوائی اور نکبت کا باعث ہوئے ہیں۔ جو اس وقت ہمیں چاروں طرف سے گھٹا ٹوپ بادل کی طرح سے گھیرے ہوئے ہو ہم نے خود ہی کلہاڑی اپنے پاؤں پر ماری ہو۔ اپنی ذلت اور زوال کا باعث ہماری اپنی ہی ذاتیں ہیں۔ وہ بے عزتی بے حیائی اور بے شرمی کا گڑھا کہ جس میں ہم اب گرتے چلے جا رہے ہیں ہمارے اپنے ہی ہاتھوں کا کھودا ہوا ہو۔ ہم نے اپنی کشتی میں خود ہی سوراخ کر کے ڈبویا ہو تو پھر شکوہ بیدا کیا۔ واقعات بار بار ظہور میں آ کر ظاہر کر چکے ہیں کہ مسلمانو اگر دنیا میں قوم بنکر رہنا چاہتے ہو تو اپنے میں زندگی اور قوت پیدا کرو۔ وہ قوت جو تمہارے بزرگوں کی دست و بازو میں تھی۔ وہ خون لاؤ جو تمہارے بزرگ اسلاف کے رگ و ریشہ میں جوش مارتا تھا۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو مر جاؤ۔ اگر خود نہ مروگے تو زمانہ تمہیں خود مار دیگا۔ اور ایسا مار دیگا کہ تمھارا گزشتہ اقوام کی طرح نام و نشان بھی کسی تختۂ زمین پر نظر نہ آئیگا۔ ہمارے قوم کے بعض لوگوں نے اسکو سمجھا اور جانا کہ وقت عمل کا ہو۔ انھوں نے زمانہ کے حالات کے مطابق بہت سے علاج نکالے مگر یہ علاجات سب سطحی تھے کسی نے ایسا علاج

تجویز نہ کیا کہ جو مرض کی جڑ تک پہنچتا۔ اور اُسے نکال کر کامیاب ہوتا۔ ہندوستان میں سرسید نے علی گڑھ کالج بنایا۔ لوگوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ مسلم یونیورسٹی کے بنا کی ترغیب دی۔ سب کچھ ہوا مگر نتیجہ کیا ہوا۔ اسلام کو کیا تقویت پہنچی۔ کیا بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ گئی۔ کیا مریض اچھا ہوا ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تعلیم نے ہم پر اُلٹا اثر کیا بقول اقبال ؎

بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے
صفتِ طائرِ گم کردہ نشیمن بھی ہوئے

بعض کہینگے کہ ہم تعلیم سے آدمی بن گئے مگر میں پوچھتا ہوں کہ پہلے ہم کیا تھے۔ نعوذ باللہ ہم ڈارون کی فرسودہ تھیوری کے مطابق کچھ اور تو نہ تھے۔ یہ بھی مان لیجیے کہ ہم آدمی ہی بن گئے مگر ایسے آدمی اسلام کے کام کے ہرگز نہیں۔ بلکہ کسی اور کے کام کے۔ اس تعلیم نے ہم میں یورپ کی تمام بُرائیاں بغیر اُن کے کسی صنعت کے بھر دیں اپنی تہذیب کا تو کچھ حال ہمیں معلوم تھا ہی نہیں۔ یورپ کی تہذیب کے دلدادہ ہو گئے چن چن کر اُس کی مکروہات کو ہم نے اختیار کیا۔ دیدہ و دانستہ ہم نے اُس کی بُرائیوں کو اپنا شیوہ بنالیا۔ نتیجہ کیا برآمد ہوا یہ کہ ہم پہلے سے بھی دو قدم پیچھے تھے اب بیس قدم پیچھے ہٹ گئے۔ یہ اُلٹی ترقی کوئی ہندوستان کے مسلمانوں کا ہی حصہ نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں کو آجکل ہر جگہ ایسی ہی ترقی نصیب ہوئی۔ ایران کو لیجئے مجلس قایم ہوئی انتظام شروع ہوا۔ بہت واہ واہ ہوئی کہ بس اب ایران بڑھیگا۔ مگر خوب بڑھا جو کچھ بھی کچھی پونجی تھی وہ بھی دے بیٹھے آگے چلئے ٹرکی کو دیکھئے انقلاب ہوا بہت غوغا ہوا کہ بس اب ٹرکی کے دن پھرے مگر کیسے پھرے۔ طرابلس گیا اور ادھر یورپ والا سارا علاقہ قریباً جا رہا۔ غرض جہاں جہاں اور جس جس اسلامی ملک کو دیکھئے گا یہی حال نظر آئیگا

ان واقعات نے صاف بتا دیا کہ اصل وجہ کیا ہو کہ ہمارا مرض بڑھتا چلا جا رہا ہو۔ جو کچھ ہم سے ہو سکتا تھا ہم نے کیا مگر ہنوز ویسے کے ویسے بستر پر دراز ہیں۔ اسکی وجہ ایک ہی تھی اور ایک ہی ہو۔ کہ ہم نے مذہب کو چھوڑا ہمارا مذہب ہی ہماری قومیت کی بنا تھی اور ایک ہی تھی سو جب ہم نے مذہب کو چھوڑا ہماری قومیت بھی گئی۔ اقبال کہتا ہو ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

نتیجتاً ہمکو یہ معلوم ہوا کہ جب تک ہم مذہب کو تازہ نہ کرینگے ہم دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور یہ ہی وہ بیداری ہو جو کہ مجکو اور تمام حلقہ بگوشان اسلام کو اس بلقانی زلزلہ کے ذریعے ہوئی یہ بلقانی جنگ ع

غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا

مگر میرے احباب حیران ہونگے کہ میں کیا دیوانہ وار بکے چلا جا رہا ہوں۔ اور اس بیداری کا اولڈ بوائز کے واسطے امتیازی نشان قرار دینے کی بحث سے کیا تعلق لیکن اگر اولڈ بوائز ذرا غور سے کام لینگے تو وہ خود بخود بغیر میرے بتائے ہوئے اُس باریک تعلق کو پا لینگے اور میری اس لمبی تحریر کو فوراً سمجھ جائینگے۔ تاہم میں امید کرتا ہوں کہ اس تعلق کو میرا خود بیان کر دینا بھی خلاف موقع نہ ہوگا۔ وہ یوں ہو۔ آپ چاہتے ہیں کہ ایک کالج کے اولڈ بوائز کا امتیازی نشان ہونا چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کو پہچان سکیں مگر کیا ظاہری نشانوں کی جگہ ہمیں کوئی باطنی نشان جو زیادہ پاکیزہ اور زیادہ سود مند ہو نہیں مل سکتا۔ کیا ہماری آجکل کی قومی اور مذہبی ضروریات اس امر کی مقتضی ہیں کہ ہم ایسے تجربات پر اپنا وقت ضائع کریں۔ کہ انگوٹھیاں بنواتے پھریں اور میڈل بنواتے پھریں۔ کیا یہ نازک موقع ایسا ہو کہ ہم ان فضولیات پر اپنا قیمتی وقت ضائع کریں

زمانہ آپسے ظاہری نشان نہیں مانگتا۔ زمانہ آپسے دکھاوے اور نمائشی نشان نہیں چاہتا بلکہ وہ ایسے نشان چاہتا ہے جو آپکی روحوں میں جاگزیں ہو۔ جو آپکے دلوں میں جڑ پکڑے ہوئے ہو۔ جسے کسی بیرونی طاقت کا خوف نہو مگر خدا کا جسے کوئی بیرونی حیوانی یا انسانی طاقت آپکے اجسام آپکے روحوں سے جُدا نہ کرسکے خود اسلام آپسے وہ نشان چاہتا ہے جو اُسکو ترقی دینے والا ہو۔ خود علی گڑھ آپسے ایسے نشانات چاہتا ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے نشانات جیسے ہوں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے پاس کونسے نشانات تھے جن کے ذریعہ سے وہ ایک دوسرے کو۔ دشمن سے دوست کو تمیز کرتے تھے وہ اُن کے اعمال تھے وہ اُنکی نیک اور صالح عادات تھیں۔ وہ اُنکی پاکیزہ صفات تھیں وہ اُن کے ایمان تھے۔ جو وہ خدا پر اور اُس کے رسول عربی پر اور اُسکی پاک کتاب پر رکھتے تھے دوست تو دوست دشمن بھی اُن کو فوراً جان لیتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں وہ اُنکی سچ گوئی اور امانت تھی جو اُن کو ہمیشہ دوسرے اقوام سے برتر رکھتی تھی وہ اُن کی آپس میں صلۂ رحمی تھی جو اُن کو دشمنوں سے میز رکھتی تھی۔ مگر کیا ہم میں یہ صفات ہیں۔ اگر ہیں تو پھر ہمیں کسی ظاہری اور بیرونی نشانی کی کیا ضرورت اور اگر نہیں تو ہمکو یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ مگر بعض لوگ یہ کہینگے کہ یہ صفات تو سارے مسلمانوں کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اسمیں علیگڈہ کی کیا خصوصیت ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کا فرمانا بجا ہے مگر علی گڑہ کے پودھی آگے چلکر لیڈر بننے والی ہے۔ اور یہ کہ سی عام ہندوستان کے مسلمان علی گڑہی کو اپنا معیار قرار دیتے ہیں۔ اس لئے علی گڑہ کو اپنے مذہب اور قومیت کی خاطر دنیا کو دکھانا چاہیئے۔ اور اسطرح دیگر مسلمانوں کو بھی اُسکی پیروی کی ترغیب دینی چاہیئے۔ ہمیں یعنی علی گڑہ والوں کو اب فضولیات کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ بلکہ نہایت سرگرمی کے ساتھ دنیا میں عامل بنکر رہنا چاہیئے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہم مذہب کے بغیر ترقی نہیں کرسکتے۔ اس واسطے سب سے پہلے ہمیں مذہب

مذہب کی طرف متوجہ ہونا چاہئیے۔ بعض لوگ کہینگے کہ میں انھیں تیرہ سو ۱۳۰۰ سال پیچھے لئے جاتا ہوں۔ مگر میں عرض کرتا ہوں کہ کاش ہم تیرہ سو ۱۳۰۰ سال پیچھے ہی چلے جائیں تاکہ اپنے اصلی جلال وجبروت کو تو پھر پہونچ جائیں۔ ایسا پیچھے جانا تو سب کو نصیب ہو۔ مگر اسلام یہ نہیں کہتا کہ عمامہ ہی ضرور باندھیں یا لمبے لمبے چغے ہی پہنیں۔ اجی آپ سوٹ پہنئے کالر لگائیے۔ ٹائی باندھئے مگر نماز کے وقت سربسجود ضرور ہونا چاہئیے۔ اس کے بغیر کام نہیں نکلنے کا۔ آپ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ بس اونٹ کی سواری کے سوا اور سب لغو۔ یا عرب کے سوا اور کوئی ملک ہی اسلام کے قابل نہیں نہیں صاحب آپ فرسٹ کلاس گاڑی میں سوار ہوجئے مگر شرط یہ ہے کہ نماز کے وقت باوضو ہو کر نماز نہایت عاجزی سے ادا کیجئے۔ ہاں وضو بھی اب رکھنا ہوگا۔ ان کے سوا کئی اور شرائط کے بعد آپ کو کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔ نہ ہوئی اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ ہمیں مذہب ہی اپنا نشان مقرر رکھنا چاہئیے خدا وہ دن لائے کہ ہم ایک دوسرے کو انہیں نشانات سے پہچانیں کہ جن کے ذریعہ سے قرون اولی کے بزرگ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اب جناب ایڈیٹر صاحب سے عرض کرتا ہوں۔ کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ایسے مضامین رسالہ کے واسطے گاہے گاہے بھیجا کروں۔ مگر کیا وہ چھاپ دیا کرینگے۔ امید ہے اڈیٹر صاحب رسالہ کے ذریعہ سے بھی مجھے اطلاع دینگے۔

ایک "ملیگ"

۸

ہمارے ایک گمنام بھائی نے موجودہ زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر ہمیں یہ مضمون بھیجا ہے جسے ہم نہایت خوشی کے ساتھ درج رسالہ کرتے ہیں۔ اُن سے ہماری درخواست ہے کہ حسب وعدہ وہ پھر بھی اس قسم کے مضامین لکھتے رہیں گے ہمیں اپنے نادیدہ مشتاق کے ان خیالات سے ہمدردی ہے اور ہم اپنی جماعت کی جانب سے کہہ سکتے ہیں کہ اولڈ بوائز میں اب کوئی بھی ایسا نہ ہوگا

جس کی توجہ مذہب کی جانب نہ ہو۔ فی الواقع ہماری قوم اُس وقت تک من حیثیت مسلمان کے ترقی نہیں کر سکتی جبتک اُس میں مذہب شامل نہ ہو۔ اور اگر ترقی کی بھی تو اسلام کو کیا؟ مذہب کو چھوڑ کر کسی قسم کی ترقی اسلام کی ترقی نہیں کہی جاسکتی۔ ہر قسم کی ترقی کے لیے ہمیں صبر و استقلال کے ساتھ کوشش کرنی چاہیئے ۔خدا کو منظور ہے تو ہم ایک دن ضرور بام ترقی پر نظر آئیں گے۔ ہم اپنے بھائی کے اس مضمون کے ممنون ہیں۔

(اولڈ بوائے)

ریاست پٹیالہ کا جدید فنانشل سکرٹری

۲۵ر جولائی سنہ ۱۰ء کو سری حضور مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے ازراہ قدردانی و حق پژوہی خلیفہ دیوان سید حامد حسین صاحب کو فنانشل سکرٹری کے عہدۂ جلیلہ پر بمشاہرہ ایکہزار ترقی دیکر سرفراز فرمایا۔ اور بالطاف خاص دربار میں آپکی نشست اوّل مقرر فرمائی ہے آپکی مددگاری میں ۴ سکھ سرداروں کا تقرر ہوا ہے خلیفہ صاحب ریاست پٹیالہ کے مشہور وزیر خلیفہ محمد حسن صاحب مرحوم کے بھتیجے اور خلیفہ سعادت حسین صاحب کے پوتے اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ ہیں نیز آپ مولوی سید ہبہ رالدین صاحب بلگرامی وظیفہ یاب سرکارعالی نواب عماد الملک بہادر کے برادر حقیقی کے داماد ہیں اس طور سے گویا آپ کو مسلمانوں کے دو سربرآوردہ خاندانوں سے تعلق ہے۔ تمام مسلمانوں کے لئے آپ کا یہ اعزاز باعث مسرت ہے۔ ہم خلیفہ صاحب کو اس ترقی پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ اور اُمید کرتے ہیں کہ جس طرح سری مہاراجہ صاحب بہادر نے آپکے بزرگوں کی قدیم وفاداری اور حسن کارگزاری اور آپکی ذاتی لیاقت۔ قابلیت۔ خیراندیشی و خیرخواہی کو پیش نظر رکھکر آپ کو اس عہدۂ جلیلہ پر ترقی عطا فرمائی۔ اسی طرح آپ بھی اپنے قدیم ذاتی و آبائی اوصاف و مفاخر

کے لحاظ سے شب و روز ہمہ تن ریاست کے ترقی و بہبودی میں مصروف رہینگے اور آپکے خدمات سے ریاست کو بہترین فوائد حاصل ہونگے۔ آپ جس خاندان اور جس ریاست سے تعلق رکھتے ہیں اُس کو قومی و ملکی رفاہ عام کے کاموں میں ہمیشہ نمایاں دلچسپی رہی ہے۔ لہذا ہم نہایت خلوص کے ساتھ یہ اُمید کرتے ہیں اختر روشنضمیر عالیجناب سری مہاراجہ صاحب بہادر اور وزیر باتدبیر جناب خلیفہ صاحب ہندوستان کے ملکی و قومی کاموں میں فیاضی و دریادلی کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ اپنی کرمایہ توجہ مبذول فرمائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ خلیفہ صاحب اپنے موروثی حقوق اور ذاتی لیاقت کے باعث ایک دن اپنے نامور اجداد کی طرح ریاست پٹیالہ کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہونگے۔

مژدہ کامیابی

سید محمد مستحسن زیدی بی اے (علیگ) سابق ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے شناسا حضرات اس امر سے ناواقف نہونگے کہ وہ ستمبر سنہ ۱۰ء میں انگلستان روانہ ہوئے تھے۔ انگلستان کا ارادہ مولوی بشیرالدین صاحب قبلہ منیجر اسلامیہ اسکول اٹاوہ کی خواہش سے ہوا تھا جناب موصوف کی یہ رائے تھی کہ ٹیچرس ٹرننگ اسکول لندن سے ایل۔ سی۔ پی) پاس کریں۔ جس کے لئے جناب ممدوح کی کوشش سے محمڈن کانفرنس نے دو ہزار روپیہ بطور قرض حسنہ دینا منظور کیا تھا۔ سید مستحسن کی روانگی کے بعد دفتر کانفرنس سے اقرارنامے کا مسودہ آیا۔ مگر کسی وجہ سے اس کی تکمیل نہیں ہوسکی۔

انگلستان پہونچکر سید مستحسن نے کیمبرج سے بی اے کی ڈگری لینے کا فیصلہ کیا اور بیرسٹری

میں بھی نام درج کرالیا تھا۔ اب اُن کے احباب خیر اندیش یہ سنکر مسرور ہونگے کہ انہوں نے بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں آنرس کے ساتھ حاصل کر لی ہیں۔ وہ اپنے کالج میں اوّل رہے۔ ہندوستانیوں میں بھی اُن کا اوّل نمبر ہے اور یونیورسٹی میں آٹھواں بیرسٹری کا صرف آخری امتحان باقی ہے جس کو انشاء اللہ المستعان۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں پاس کرکے نومبر میں مع الخیر روانۂ ہندوستان ہونگے۔

اُن کے اکثر خطوط آمدۂ انگلستان اگر وقت پر شائع ہوتے تو ناظرین کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوتے۔ میں چند خطوط کا اقتباس درج کرتا ہوں۔

ستمبر ۱۹۱۰ء عدن

ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری
دوست جو ساتھ مرے تا لب ساحل آئے

جہاز بمبئی سے ۵ بجے شام ۱۵ ستمبر کو روانہ ہوا۔ میری طبیعت دوسرے دن صبح ہی سے خراب ہوگئی تھی۔ دو دن تک کچھ نہیں کھا سکا۔ اگر نارنگیاں ساتھ نہ ہوتیں تو حالت بہت خراب ہوجاتی۔ جہاز میں جگہ عمدہ ہے مگر کھانا بدمزہ۔ انگریزی کھانوں سے ابھی سے طبیعت متنفر ہوگئی ہے۔ جہاز پر پاک رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

۲۷-اکتوبر ۱۹۱۰ء کیمبرج

میں اور میرے ایک دوست ۱۸ اکتوبر کو رات کے بارہ بجے لندن پہونچے دو تین ہوٹلوں کے دروازہ پر دستک دی مگر جگہ نہ ملی۔ آخر ایک نہایت گراں ہوٹل میں قیام کیا۔ مسٹر آرنلڈ سے ملنے گیا مگر ملاقات نہ ہوسکی۔ ہوٹل کا بل ادا کرکے اکسفورڈ پہنچا درخواست دی سینیر نے اسناد طلب کیں جو پیش کی گئیں۔ مگر جواب ملا کہ میں تمہیں کوئی امید نہیں دلا سکتا بہتر ہے کہ مسٹر آرنلڈ کا خط لاؤ۔ لندن آکر مسٹر آرنلڈ اور مسٹر مارلین سے ملاقات کی دونوں صاحبان نے مشورہ دیا کہ کیمبرج جاؤ اور سینیر کے نام خط دیا۔ کیمبرج پہونچا جو تھے روز نفی میں جواب ملا۔ مجبوراً قانون میں شرکت کا ارادہ کرکے لندن میں قیام کا انتظام

کر چکا تھا کہ مسٹر ارنلڈ نے بذریعہ تار بلا کر کہا کہ کیمبرج کے ایک کالج میں جگہ باقی ہے۔ اُن کا خط لے کر کیمبرج آیا خدا کا شکر ہے کہ سینٹ کیتھرائینس کالج میں داخل ہوگیا ہوں میں نے بی اے میں ریاضی لی ہے کیونکہ انگریزی کے ساتھ لاطینی اور فرانسیسی پڑھنا ہوتا۔ یہاں کے قیام کے زمانہ میں ۲۰ پونڈ ماہوار سے کم خرچ نہ ہوگا۔ تعطیل کے زمانے میں لندن رہکر ۱۴ پونڈ کے قریب خرچ کرنے کی کوشش کرونگا۔

جس دن سے جہاز پر سوار ہوا تھا آج تک کوئی رات ایسی نہیں ہوئی کہ والدہ مرحومہ کو خواب میں نہ دیکھتا ہوں۔ جب کسی تکلیف میں ہوتا ہوں تو اُنھیں تسکین دیتے ہوئے پاتا ہوں۔

کیمبرج ۴۔ نومبر رات کو ۷ بجے کے بعد باہر نہیں نکلتا نومبر کے ساتھ سردی شدت سے شروع ہوگئی ہے۔ صبح کی نماز تیمم کے ساتھ پڑھتا ہوں طہارت کا زیادہ خیال مجبور ہوکر چھوڑ دیا ہے۔

لندن کیمبرج سے تقریباً ۶۰ میل ہے اکثر ٹرینیں یہ فاصلہ ایک گھنٹہ دس منٹ میں طے کرتی ہیں۔ تیسرے درجہ کی گاڑیاں نہایت آرام دہ ہوتی ہیں۔ اسباب گارڈ کے پاس رکھوا دیا جاتا ہے۔ جس کا محصول نہیں لیا جاتا۔ مسافر صرف ہینڈ بیگ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ گارڈ عموماً نہایت خلیق ہوتے ہیں۔ جن سے مسافروں کو بہت آرام ملتا ہے اکثر بوڑھے مسافروں کا اسباب یہ خود اُٹھا کر ریل میں رکھتے ہیں۔

کالج کے تمام اُستاد بہت خلیق ہیں۔ طریقۂ تعلیم ہندوستان سے بالکل جداگانہ ہے ایک کالج کا طالب علم دوسرے کالج کے کسی خاص مضمون کے لیکچر میں جاکر شامل ہوسکتا ہے۔ مثلاً ریاضی میں سب کتابیں کسی کالج میں نہیں پڑھائی جاتیں بلکہ اُستاد صرف یہ تبلا دیتا ہے کہ فلاں کتاب کا سبق کس کالج میں کس وقت ہوتا ہے اور طالب علم وقت پر جاکر شریک ہوجاتے ہیں۔

کالج ایک خاص قسم کی ٹوپی اور گاؤن پہنکر جاتے ہیں۔ شام کے کھانے میں بھی ان دونوں کا پہننا ضروری ہے۔ اگر رات کے وقت کوئی طالب علم بغیر ان دونوں کے باہر جاتا ہے تو اُس پر

جرمانہ ہوتا ہے۔ یونیورسٹی کی طرف سے چند شخص مقرر ہوتے ہیں۔ جو رات کے وقت شہر کے مختلف حصوں میں موجود رہتے ہیں اگر کسی طالب علم کو بغیر گاؤن دیکھتے ہیں تو اُس کے پاس اپنے آدمی کو بھیجتے ہیں وہ نہایت اخلاق سے کہتا ہے کہ پراکٹر آپ کو سلام کہتا ہے۔ طالب علم جب پراکٹر کے سامنے جاتا ہے تو وہ اُس کا نام اور کالج کا نام جس کا وہ طالب علم ہے لکھ لیتا ہے اور جرمانہ کر کے کالج کو اطلاع دیتا ہے جو ملازم پراکٹر کے ہمراہ ہوتے ہیں اُن کو بل ڈاگ کہتے ہیں بعض طالب علم پراکٹر کو پریشان کرنے کے لئے گاؤن بہنکرا دیر اوورکوٹ .... پہن لیتے ہیں۔ اور جب پراکٹر بلاتا ہے تو اُس کے پاس پہونچنے سے پیشتر کوٹ اتار لیتے ہیں گاؤن پہنے ہوئے چھتری استعمال نہیں کی جاتی۔ یہ ممانعت یونیورسٹی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک قدیم رسم ہے۔

۲- مارچ ۱۹۱۱ء

آج کھانے میں ایک خاص چیز تھی اس لئے جو کھانے میرے سامنے تھے۔ آج کا ذکر کرتا ہوں۔ خشکا جس میں گرم کیا ہوا مکھن پڑا تھا اسے میں نے نمک اور سیاہ مرچ سے کھایا۔ گردے اور کلیجی بھنی ہوئی اور ڈبل روٹی اور مکھن و میٹھے چاول آپ نے میٹھے چاول مختلف چیزوں میں پکے ہوئے کھائے ہونگے مگر جیسے میں نے آج کھائے آپکے خیال میں بھی نہیں آسکتے میرے میٹھے چاول مٹر کے مربے میں پکے ہوئے تھے۔

میں جس کالج میں پڑھتا ہوں اسے کیمبرج میں سینٹ کیتھرائنس کالج نہیں کہتے بلکہ عموماً کیٹ کالج کہتے ہیں اور اس کے طالب علم کو کیٹ میں۔ نئے طلبا کو کٹن یعنی بلی کے بچے کہتے ہیں۔ اسی طرح اور کالجوں کے بھی خاص خاص نام ہیں ہمارا کالج بڑا نہیں ہے مگر ترقی کر رہا ہے اور کیمبرج کے سب سے زیادہ دولت والے کالجوں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے

۱۶- اپریل ۱۹۱۱ء

اپریل کا مہینہ بہترین مہینا سمجھا جاتا ہے۔ اس سال برفباری غیر معمولی ہے اگر اتنی سردی اُس وقت ہوتی جب میں یہاں آیا تھا تو ہرگز

برداشت نہ کرسکتا. مگر اب کوئی تکلیف نہیں ہوتی یہ عجیب بات ہو کہ ہندوستانی جب یہاں کے موسم کے عادی ہوجاتے ہیں تو انگریزوں سے زیادہ اچھی طرح برداشت کرسکتے ہیں۔

ایک دن اتفاق سے ایک میوہ فروش کی دوکان پر دو آم رکھے ہوئے نظر پڑ گئے، ۵؍ (ایک شلنگ ۳ پینس) میں خریدے میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے ایک ایک دونوں کے حصے میں آیا۔ مزا بالکل ایسا تھا جیسا لُو کے مارے ہوئے آموں کا ہوا کرتا ہو۔ ریشہ بہت تھا اُن سب خرابیوں پر بھی دل یہ چاہتا تھا کہ گٹھلی کو بھی نہ چھوڑا جائے۔

آڑو اور آلوبخارے بہت ہی سستے ہیں۔ صرف تین آنے میں ایک آڑو ملتا ہو جو عموماً اندر سے گلا ہوا نکلتا ہو اور اسی قیمت پر ایک آلوبخارا ملتا ہو یہ البتہ نہایت لذیذ ہوتا ہو۔

۱۹ مئی ۱۹۱۱ء میں نے جلوس تاجپوشی دیکھنے کے لئے ابھی تک ٹکٹ نہیں خرید اٹکٹ کی قیمت کم از کم ۲ پونڈ ہو۔ یہاں چونکہ ضرورت سے زائد جگہ کا انتظام ہوا ہو اسلئے ہمیشہ آخر میں ٹکٹ گراں ملنے کی بجائے ارزاں قیمت پر ملتا ہے

بی اے کی تعلیم جیسا میں نے اندازہ کیا تھا۔ اُس سے مشکل ہو یہ وہی امتحان ہے جو ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب یہاں سے پاس کرکے گئے ہیں۔ اُس وقت صرف ایک حصہ تھا اب دو حصے ہیں۔

۷۔ جولائی ۱۹۱۱ء میں نے ۲۲ و ۲۳ جون کے جلوس دیکھے۔ جلوس کے علاوہ یہاں کا انتظام قابل تعریف و لائق دید تھا۔ پھر اُس کے ساتھ یہ کہ کوئے پولس مین تشدد تو درکنار سخت لہجہ سے گفتگو بھی نہ کرتا تھا۔

یہاں آجکل اسٹرابیری کا موسم ہو انگریزوں کا خیال ہو کہ اس سے بہتر میوہ نہیں ہوتا اس کو اکثر بالائی اور شکر کے ساتھ کھاتے ہیں۔ جو لوگ ہندوستان رہ چکے ہیں وہ مانتے ہیں کہ آم سے بہتر میوہ کوئی نہیں ہو۔

۲۱۔ جولائی ۱۹۱۱ء مسز اینی بیسنٹ لندن میں لیکچر دے رہی ہیں۔ میں بھی تین

لکچروں میں شریک ہوا۔ آخری لکچر اسلام پر تھا۔ لیکچر زیادہ عالمانہ نہ تھا مگر موقع کے مناسب تھا مسٹر موصوف نے ان اعتراضات کے جواب دیئے تھے جو عموماً عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ در اصل یہاں نہ صرف جاہل بلکہ وہ لوگ بھی جو عالم کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ اسلام سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔ اور زیادہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے

راقم
(علی حیدر زیدی) از البشیر

اولڈ بوائز

ہم بے حد مسرت اور کمال ابتہاج کے ساتھ اپنے دوستوں کو یہ خبر دیتے ہیں کہ مسٹر سید ظہور الدین شمسی صاحب اور مسٹر عبد العزیز خاں صاحب محکمہ ریلوے میں اسسٹنٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنے دونوں دوستوں سے اُمید ہو کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر نہ صرف اپنے صیغوں کی دیکھ بھال کر کے حکام بالا دست کو خوش کرینگے بلکہ ملک کے جاہل اور کم علم گروہ کو آرام پہونچانے کے وسائل مہیا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

جو لوگ مسٹر بشیر علی خاں صاحب سابق نائب تحصیلدار مہوبا کو جانتے ہیں وہ یہہ معلوم کر کے ضرور مسرور ہونگے کہ ہمارے پیارے عزیز بھائی کو اب سرکار نے اسی جگہ پر تحصیلدار مقرر کر دیا ہو۔ مسٹر بشیر جس جگہ رہتے ہیں وہاں مقامی حیثیت سے نمایاں طور پر ایک خاص قسم کی زندگی پیدا ہو جاتی ہو۔ خدا کا شکر ہو کہ آخر کار انھیں ترقی مل گئی۔

یہ خبر صوبہ متوسط کے رہنے والوں کے لئے کسی قدر پرانی ہوگی اور ہمیں بھی دیر سے پہونچی مگر دور دراز مقامات کے رہنے والے یہ معلوم کرکے مسرور ہونگے کہ مسٹر سراج احمد صاحب اُن صوبجات میں ضلع ورک کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے ہیں۔ ہم اپنے معزز بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں

یہ خبر عام طور پر مسرت سے سُنی جائیگی اور اسے سُن کر ایک قسم کا اطمینان ہوگا کہ مسٹر سید وزیر حسن صاحب سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ اور مسٹر محمد علی صاحب ڈیٹر کامریڈ ولایت گئے ہیں۔ اُن کے اغراض سیاسی ہیں جن کے اظہار کی ہم یہاں ضرورت نہیں دیکھتے۔ خدا کرے سفر کامیاب ہو۔

مسٹر ریاض الدین خاں صاحب (کھلا مُجا) ہمارے صوبجات میں اور مسٹر سید محمد یحییٰ صاحب ہند وسطی میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تقرر ضروری تھے۔ ہماری مبارکباد قبول ہو۔

مسٹر سردار اشرف خاں بہادر کے نام کو ہمارے ناظرین ان صفحات میں بارہا دیکھ چکے ہیں اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ سردار صاحب نے ہماری قلمی مدد پوشیدہ طور پر ایک زمانہ میں بہت کی۔ اب ہم سب کو یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ وہ لاہور میں سر [illegible] خاں بہادر کے اسسٹنٹ پولیٹکل افیسر مقرر ہوئے ہیں۔ خدا کرے ہمارے بھائی وہیں مستقل بھی ہوجائیں

مسٹر سید منصور صاحب (آف بہار) صوبہ بہار میں سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانجات مقرر مقرر ہوئے ہیں اور مسٹر احسان عظیم صاحب نے انسپکٹری سے سپرنٹنڈنی پر ترقی پائی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہماری جماعت کو یہ خبر سن کر بیحد مسرت ہوگی۔ مبارک۔

مسٹر محمد علی صادق علی انصاری کے صوبہ سندھ میں انسپکٹر ڈاکخانجات مقرر ہونے سے ہمیں خوشی ہوئی۔ وہاں ہمارے بھائیوں کی ہر صیغہ میں بیحد ضرورت ہے۔ ہم مسٹر محمد علی کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اب اس صوبہ میں نمک کا کال نہ ہوگا۔

مسٹر سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے "سودیشی اسٹور" کے نام سے رسل گنج علی گڑھ میں آخر ایک دکان کھول ہی دی۔ خدا کرے اُن کی دوکان کو ترقی ہو۔ ہم سودیشی کے مؤید اور بائیکاٹ کے خلاف ہیں۔

مسٹر سید وقار حسین صاحب کے گھر میں بچہ پیدا ہونے کا حال معلوم کرکے ہماری طرح اور بہت سے لوگ خوش ہونگے۔ ہمارا اُن سے دعوت مانگنا فضول ہے، کیونکہ مسٹر وقار کے نامور والد ماجد جناب مولوی سید نثار حسین صاحب جب ڈورہ سے تشریف لاتے ہیں ہمیں اپنے پاس بلا کر مہمان ناخواندہ بنا لیتے ہیں۔

یہ خبر بھی مسرت انگیز ہے کہ مسٹر رشید محمد خاں صاحب کے ۲۲ر اگست کو خورجہ میں بچہ پیدا ہوا۔ ہم خوش ہیں کہ اُن کی گھر والی اور بچہ دونوں بعافیت ہیں اور مسٹر رشید (ٹونی بابا) بھی ٹونی بابا کے دوستوں کو اُن کی یاد کبھی نہ بھولے گی۔

مسٹر جمال محمد خاں (علی گڑھ) کو ہم اُن کے یہاں سوا پہر نور برسنے پر مبارکباد دیتے ہیں۔ دعوت ایک طرف وہ تو ہمیں صورت بھی نہیں دکھاتے۔

مسٹر خلیفہ سید حامد حسین صاحب ریاست پٹیالہ کے فیناننسل سکرٹری مقرر ہوئے ہیں
ہم نے اُن کے تقرر کی کیفیت کسی دوسری جگہ درج رسالہ کی ہے یہاں صرف مبارکباد
عرض کرتے ہیں۔

ہمیں مدت کے بعد اپنے ایک گم شدہ دوست مسٹر سید اختر الدین صاحب ... کا جو
ریاست بھوپال کے پرائیویٹ سکرٹریٹ میں سر دفتر مقرر ہوئے ہیں۔

خدا معلوم یہ خبر کتنی پُرانی ہے کہ مسٹر محمد حیات خاں صاحب اب گوالیار میں ترقی پاکر
سینیر پولٹیکل انڈر سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اُن سے ایسی ہی اُمید تھی۔ خدا کرے اُنھیں
اس سے زیادہ ترقی ہو۔

ہمارے ناظرین خوشخبریاں بہت دیکھ چکے اب آنسو بہانے کے لئے تیار ہو جائیں۔
جن لوگوں نے علی گڑھ میں مسٹر عبدالحکیم (وکیل) کو اُن کی موت سے چوبیس گھنٹے پہلے دیکھا ہے
اُن کے جگر پاش پاش ہیں۔ مرحوم کلکٹری سے اپنی گاڑی میں سوار چلے آ رہے تھے کہ موٹر
نے اُن کی گھوڑی کے کوڑا مارا اور وہ محلہ رسل گنج میں ایک موڑ پر ایسے گرے کہ سر دیوار
سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا اور ایسا زخمی ہوا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ دوسرے روز مرحوم کا انتقال
ہو گیا۔ ہمارا دل جانتا ہے کہ مسٹر حکیم کیا تھے۔ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندوں
کو صبر عطا فرمائے۔

ایک ایسی ہی خبر اور ہے جس کو لکھتے ہوئے ہمارے دل کو تکلیف ہوتی ہے مسٹر محمد بشیر صاحب
سب انسپکٹر ڈاکخانجات (علی گڑھ) نے یکایک ہیضہ سے انتقال کیا

ـے اعال نا بر ا ٓپ یہ

صاحب کے بچے کی وفات کا حال معلوم کرکے ہمیں رنج ہوا ہم

اس غم میں شریک ہیں۔

مسٹر سید عزیز حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ کا یہاں سے تبادلہ ہوگیا۔ لسنکہ احباب نے ان کی الوداعی پارٹیاں اور غیر رسمی طور پر شاندار دعوتیں دیں اور ان کے سرکاری خدمت کا اعتراف کیا۔ ہم مسٹر عزیز حسن سے سعدی علیہ رحمتہ کی زبان میں کہتے ہیں ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست

تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

اُنکی جگہ ہمارے دوسرے بھائی مسٹر قاضی محمد عزیز حسن صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ جنہیں پرتاب گڈھ میں نہایت شاندار دعوت دی گئی۔ ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

نہایت خوشی سے آپ کو اطلاع دیجاتی ہے کہ لاج کا اوّل حصّہ تقریباً تیار ہوگیا ہے۔ گزشتہ ڈنر کے موقعے پر سب اولڈ بوائز کے مشورے سے یہ طے پایا تھا

مسٹر خلیفہ سید حامد حسین صاحب ریاست پٹیالہ کے فنانشل سکرٹری مقرر ہوئے ہیں
ہم نے اُن کے تقرر کی کیفیت کسی دوسری جگہ درج رسالہ کی ہو یہاں صرف مبارکباد
عرض کرتے ہیں۔

ہمیں مدت کے بعد اپنے ایک گمشدہ دوست مسٹر سید اختر الدین صاحب [illegible]
ریاست بھوپال کے پرائیویٹ سکرٹریٹ میں سررشتہ [illegible] ولد بوائز کی اولڈ [illegible]
[illegible] بوائز سے اُن کا تعلق ہونا چاہیے

اولڈ بوائز نے اپنے اور اپنے بی بی بچوں کے نام سے کتبہ لگانے کا [illegible] ہے
قیمت فی کتبہ تیس روپے ہی علاوہ ازیں بڑے کمروں اور چھوٹے کمروں [illegible]
پانسو روپیہ چندہ عنایت فرمائینگے چنانچہ ایک بڑے کمرے کے [illegible]
اولڈ بوائے کنور احمد سعید خاں صاحب رئیس چھتاری نے مبلغ ایک ہزار [illegible]
ایک کمرہ اپنے نام سے نامزد کرایا ہی جو سعید منزل کے نام سے موسوم ہوگا۔ اولڈ
کی اس سے بہتر یادگار کوئی نہیں ہو سکتی

مسٹر محمد علی کی تصویر ہم اس رسالہ میں شائع کرتے ہیں جو اس لحاظ سے
خلاف موقع نہ ہوگی کہ ہمارے عزیز بھائی خدمت اسلام کے لئے ولایت گئے ہیں
مسٹر غلام مولیٰ لکھیں تو بہتر ہے۔